جدید اشاعت

خزائن القرآن

قرآن کریم کے علوم و معارف کا مجموعہ

از افاداتِ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ : گلشن اقبال کراچی

قرآن کریم کے علوم و معارف کا مجموعہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت و ارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
یہ میں جو نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

نام کتاب : خزائن القرآن (حضرت والا کی تالیفات اور مواعظ سے آیاتِ قرآنیہ کی الہامی تشریحات کا مجموعہ)

نام مؤلف : شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جامع و مرتب : جناب عامر نذیر صاحب دامت برکاتہم

اشاعتِ اوّل : محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

اشاعتِ ثانی : جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ

اشاعتِ ثالث : ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱ جنوری ۲۰۱۷ء بروز بدھ

زیرِ اہتمام : شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس: 11182 رابطہ: 92.21.34972080+ اور 92.316.7771051

ای میل: khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل

نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

خزائن القرآن

قرآن پاک میں موجود علوم و معارف کے وہ خزائن جنہیں شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ملفوظات میں امت کے سامنے پیش فرماتے رہے ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔ ادارہ

آیت نمبر ۱: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

آیت نمبر ۲: خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ ؕ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ

آیت نمبر ۳: وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ

آیت نمبر ۴: وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ

آیت نمبر ۵: فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لِیۡ وَ لَا تَکۡفُرُوۡنِ

آیت نمبر ۶: وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ

آیت نمبر ۷: وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ

آیت نمبر ۸: وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ

آیت نمبر ۹: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ

آیت نمبر ۱۰: وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

آیت نمبر ۱۱: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ

آیت نمبر ۱۲: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ

آیت نمبر ۱۳: وَ اعۡفُ عَنَّا ٝ وَ اغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَ ارۡحَمۡنَا ٝ اَنۡتَ مَوۡلٰىنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ

آیت نمبر ۱۴: رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا وَ ہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ

آیت نمبر ۱۵: قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ

آیت نمبر ۱۶: وَلَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدۡرٍ وَّ اَنۡتُمۡ اَذِلَّۃٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ

آیت نمبر ۱۷: وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ

آیت نمبر ۱۸: وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۟ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَلَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ

آیت نمبر ۱۹: اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ؕ وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ

آیت نمبر ۲۰: اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا

آیت نمبر ۲۱: الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ

آیت نمبر ۲۲: فَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ قٰتَلُوۡا وَ قُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ

آیت نمبر ۲۳: وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا

آیت نمبر ۲۴: وَ عَاشِرُوۡہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

آیت نمبر ۲۵: مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ

آیت نمبر ۲۶: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ۫ یُجَاہِدُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ لَا یَخَافُوۡنَ لَوۡمَۃَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

آیت نمبر ۲۷: فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ

آیت نمبر ۲۸: فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ

آیت نمبر ۲۹: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ

آیت نمبر ۳۰: اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى

آیت نمبر ۳۱: وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ

آیت نمبر ۳۲: اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ

آیت نمبر ۳۳: اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ وَيُذۡهِبَ عَنۡكُمۡ رِجۡزَ الشَّيۡطٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ بِهِ الۡاَقۡدَامَ

آیت نمبر ۳۴: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِيۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا يُحۡيِيۡكُمۡ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ

آیت نمبر ۳۵: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ

آیت نمبر ۳۶: اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ

آیت نمبر ۳۷: وَاصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ

آیت نمبر ۳۸: يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

آیت نمبر ۳۹: اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَيۡـًٔا

آیت نمبر ۴۰: قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ

آیت نمبر ۴۱: اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰى مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ

آیت نمبر ۴۲: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ

آیت نمبر ۴۳: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ

آیت نمبر ۴۴: اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ

آیت نمبر ۴۵: قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدۡعُوۡنَنِىۡۤ اِلَيۡهِ

آیت نمبر ۴۶: اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ

آیت نمبر ۴۷: وَ ابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ

آیت نمبر ۴۸: اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ

آیت نمبر ۴۹: وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ

آیت نمبر ۵۰: وَ اِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَ لَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ

آیت نمبر ۵۱: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ

آیت نمبر ۵۲: قَالَ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ

آیت نمبر ۵۳: وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ

آیت نمبر ۵۴: مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ

آیت نمبر ۵۵: رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا

آیت نمبر ۵۶: وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ

آیت نمبر ۵۷: وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ

آیت نمبر ۵۸: وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیۡنِ یَتِیۡمَیۡنِ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ وَ کَانَ تَحۡتَہٗ کَنۡزٌ لَّہُمَا وَ کَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّہُمَا وَ یَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَہُمَا

آیت نمبر ۵۹: فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہَا الۡمَآءَ اہۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ وَ اَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَہِیۡجٍ

آیت نمبر ۶۰: وَ قُلۡ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَ ارۡحَمۡ وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ

آیت نمبر ۶۱: وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ

آیت نمبر ۶۲: قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ

آیت نمبر ۶۳: وَ لَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ

آیت نمبر ۶۴: اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا

آیت نمبر ۶۵: اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓـئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ

آیت نمبر ۶۶: يَوۡمَ لَا يَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ

آیت نمبر ۶۷: كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ثُمَّ اِلَيۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ

آیت نمبر ۶۸: وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَاَلۡوَانِكُمۡ

آیت نمبر ۶۹: وَلَوۡ اَنَّ مَا فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَةٍ اَقۡلَامٌ وَّالۡبَحۡرُ يَمُدُّهٗ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ سَبۡعَةُ اَبۡحُرٍ مَّا نَفِدَتۡ كَلِمٰتُ اللّٰهِ

آیت نمبر ۷۰: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ

آیت نمبر ۷۱: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓـئِكَتَهٗ يُصَلُّوۡنَ عَلَى النَّبِىِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَيۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا

آیت نمبر ۷۲: كَانَ عِنۡدَ اللّٰهِ وَجِيۡهًا

آیت نمبر ۷۳: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ

آیت نمبر ۷۴: اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا

آیت نمبر ۷۵: وَالشَّمۡسُ تَجۡرِىۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ

آیت نمبر ۷۶: وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ

آیت نمبر ۷۷: اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ

آیت نمبر ۷۸: قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ

آیت نمبر ۷۹: يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِى الصُّدُوۡرُ

آیت نمبر ۸۰: اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ

آیت نمبر ۸۱: اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ

آیت نمبر ۸۲: اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

آیت نمبر ۸۳: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ

آیت نمبر ۸۴: هُوَالَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْ

آیت نمبر ۸۵: یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ

آیت نمبر ۸۶: سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

آیت نمبر ۸۷: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

آیت نمبر ۸۸: اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ

آیت نمبر ۸۹: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ

آیت نمبر ۹۰: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

آیت نمبر ۹۱: قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ

آیت نمبر ۹۲: فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ

آیت نمبر ۹۳: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ

آیت نمبر ۹۴: فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ

آیت نمبر ۹۵: وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ

آیت نمبر ۹۶: وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

آیت نمبر ۹۷: یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

آیت نمبر ۹۸: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا

آیت نمبر۹۹: الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا

آیت نمبر۱۰۰: فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا

آیت نمبر۱۰۱: وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا

آیت نمبر۱۰۲: وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی

آیت نمبر۱۰۳: وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ

آیت نمبر۱۰۴: اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ

آیت نمبر۱۰۵: ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً

آیت نمبر۱۰۶: وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا

آیت نمبر۱۰۷: وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ

آیت نمبر۱۰۸: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ

آیت نمبر۱۰۹: اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا

آیت نمبر۱۱۰: قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

فہرست

پیش لفظ

محبّی و محبوبی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب **ادام اللہُ بقاءَھُمْ** سے تعلق رکھنے والے اکثر اکابر علماء کا عرصہ سے اصرار تھا کہ حضرت والا نے اپنی تقاریر و تصانیف میں جہاں جہاں قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کی ہے اور جہاں جہاں الہامی مضامین از قبیل وارداتِ غیبیہ بیان ہوئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، ان کو حضرت کی تصانیف سے منتخب کر کے الگ شایع کر دیا جائے تو یہ سینوں میں محبت کی آگ لگانے والا ایک بے مثال علمی خزانہ ہو گا۔ حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب نے ساؤتھ افریقہ میں کئی مواقع پر فرمایا کہ کاش! حضرت والا کے ان علوم کا مجموعہ الگ شایع ہو جائے تو قیامت تک اُمتِ مسلمہ کی ہدایت و اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی اشد محبت کے حصول کا بے مثل ذخیرہ ہو گا اور یہ الہامی علوم ایسے ہیں جو کتابوں میں نہیں ملتے۔

اس سلسلے میں کئی علماء حضرات نے کوششیں بھی کیں لیکن تکمیل کو نہ پہنچ سکیں لیکن یہ سعادت لاہور کے جناب عامر نذیر صاحب زید مجدہم کی قسمت میں تھی جنہوں نے بڑی محنت و جاں فشانی سے اس کام کو انجام دیا اور حضرت والا کی جملہ تصنیفات سے قرآن و حدیث کے علوم جمع کیے اور کمپیوٹر سے ٹائپ کرا کے لاہور سے کراچی بھیجے جو ''خزائن القرآن'' اور ''خزائن الحدیث'' کے نام سے تاحال شایع ہوتے رہے۔ لیکن ان کی تصحیح اور حوالہ جات کی تکمیل کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی۔

چناں چہ بعون اللہ تعالیٰ و فضلہٖ زیر نظر جدید اشاعت میں نہایت عرق ریزی کے ساتھ اس ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ تاہم پھر بھی اگر قارئین کو کسی بھی قسم کی غلطی یا کمی کا احساس ہو تو ادارے کو مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کے جملہ شرکاء کو اجرِ جزیل اور فلاحِ دارین عطا فرمائیں، آمین۔

العارض

احقر سید عشرت جمیل میرؔ عفا اللہ تعالیٰ عنہ

خادمِ خاص حضرت والا دامت برکاتہم

سورۂ فاتحہ: حمد وثناء اور دعا کا مجموعہ

آیت نمبر ۱

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ ہی کو لائق ہیں جو مربّی ہیں ہر ہر عالم کے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں، جو مالک ہیں روزِ جزاء کے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے درخواستِ اعانت کرتے ہیں۔ بتلا دیجیے ہم کو راستہ سیدھا، راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا، نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا جو راستے سے گم ہوگئے۔

تلاوت سے پہلے تعوّذ کی حکمت

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تلاوتِ قرآنِ پاک کی ابتداء میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ بات یہ ہے کہ دفعِ مضرت مقدم ہے جلبِ منفعت پر، اسی لیے کلمہ میں لَا اِلٰهَ پہلے ہے کہ پہلے غیر اللہ کو دل سے نکالو پھر اِلَّا اللّٰهُ کو دل میں پاؤ گے۔ عود کی خوشبو لگانے سے پہلے جسم سے گندگی، پسینہ

کی بدبو دور کرنا ضروری ہے ورنہ عود کی خوشبو محسوس نہ ہوگی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی لذّتِ قرب کے لیے غیر اللہ سے طہارت اور پاکی ضروری ہے اسی لیے کلمہ میں لَاۤ اِلٰہَ کو مقدم فرمایا کہ پہلے غیر اللہ کو دل سے نکالو، پھر اِلَّا اللّٰہُ کی خوشبو ملے گی۔

قرآن پاک میں ہے:

حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ[۱]

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے رَءُوۡفٌ کو مقدم فرمایا رَحِیۡمٌ پر۔ اور حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ کے کیا معنیٰ ہیں کہ میرا نبی تم پر حریص ہے، سوال یہ ہے کہ کس چیز پر حریص ہے؟ تمہارے مال پر یا تمہاری جیب پر؟ نہیں۔ ان چیزوں سے نبی کا کیا تعلق! علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ تفسیر کی ہے:

حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ اَیۡ عَلٰۤی اِیۡمَانِکُمۡ وَصَلَاحِ شَانِکُمۡ[۲]

میرا نبی تمہارے مال کا نہیں بلکہ تمہارے ایمان کا اور تمہاری اصلاحِ حال کا حریص ہے۔ آپ کی یہ شانِ کرم تو سب کے ساتھ ہے، خواہ مؤمن ہو یا کافر لیکن بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ایمان داروں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ کی تقدیم بتاتی ہے کہ رافت اور رحمت صرف مؤمنین کے لیے خاص ہے کافروں کے لیے نہیں، رافت کے معنیٰ دفعِ ضرر کے ہیں اور رحمت کے معنیٰ جلبِ منفعت کے ہیں اور دفعِ مضرت چوں کہ مقدم ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے رَءُوۡفٌ کو رَحِیۡمٌ سے پہلے نازل فرمایا۔

اسی قاعدۂ کلیہ سے اللہ تعالیٰ نے تلاوت سے پہلے اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ پڑھنے کا حکم دے کر دفعِ مضرت کو مقدم فرمایا کہ شیطان میرا دشمن ہے جو تمہارا بھی دشمن ہے اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ پڑھ کر اسے بھگادو تاکہ وہ تمہارے دل میں وساوس نہ ڈال سکے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

اَلشَّیۡطَانُ مُشَبَّہٌ بِالۡکَلۡبِ الۡوَاقِفِ عَلَی الۡبَابِ[۳]

شیطان کی مثال اس کُتّے کی سی ہے جو دروازہ پر کھڑا رہتا ہے، جیسے دنیا کے بڑے لوگ فارنر کا بڑا کُتّا بھیڑیا نسل کا رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں لہٰذا ان کا کتا بھی تمام کتوں سے بڑا کتا ہے، اکبر الکلاب ہے۔

۱؎ التوبۃ: ۱۲۸

۲؎ روح المعانی: ۵۲/۱۱، التوبۃ (۱۲۸)، دار احیاء التراث، بیروت

۳؎ مرقاۃ المفاتیح: ۲۴۲/۱، کتاب الایمان، باب فی الوسوسۃ، دار الفکر بیروت

حضرت ملّا علی قاری لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کا حکم دے کر بتادیا کہ جب تم دنیاوی بڑے لوگوں کے کتے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو میرے کتے کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہو لہٰذا مجھ سے پناہ مانگو جس طرح بڑے سے جب ملنے جاتے ہو تو ان کا کتا بھونکتا ہے تو آپ کتے سے نہیں لڑتے بلکہ اس کے مالک سے کہتے ہیں کہ ہم آپ سے ملنے آنا چاہتے ہیں، اپنے کتے کو خاموش کر دیجیے تو مالک خاص کوڈ، خاص الفاظ کہتا ہے جس سے کتا دُم ہلانے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کتے شیطان سے اور اس کے وسوسوں سے اور اس کی دشمنی سے بچنے کے لیے یہ نہیں فرمایا کہ تم شیطان سے براہِ راست مقابلہ کرو بلکہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی مدد سے اس مردود کتے سے جو گیٹ آؤٹ کیا ہوا دربار کے باہر کھڑا ہے، جو شخص دربار میں داخل ہونا چاہتا ہے یہ بھونکتا ہے لہٰذا تم اس مردود سے بات ہی نہ کرو، مردود نا قابلِ جواب، نا قابلِ التفات، نا قابلِ گفتگو ہوتا ہے بات تو دوست سے کی جاتی ہے، میں تمہارا دوست، تمہارا ولی، تمہارا مولیٰ ہوں لہٰذا مجھ سے کہو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے، جب تم نے میری پناہ مانگ لی تو اب شیطان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

تلاوت سے پہلے تسمیہ کی حکمت

اس کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے، قرآن پاک کی ابتداء ان تین ناموں سے ہوئی ہے، اللہ اسمِ ذات ہے جو تمام صفات کا حامل ہے اور اسمِ اعظم ہے اور یہ نام سوائے اللہ کے کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا اور الرحمٰن اور الرحیم اس کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ نے تسمیہ میں اپنا تعارف کرا کے بندوں کو امید دلائی ہے کہ جس مالک کا تم نام لے رہے ہو وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

لطائف و معارف سورۂ فاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے معنیٰ ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے خاص ہیں، میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے تفسیر پڑھاتے ہوئے فرمایا تھا کہ تعریف کی چار قسمیں ہیں: (۱) بندہ اللہ کی تعریف کرے۔ (۲) اللہ بندے کی تعریف کرے۔ (۳) بندہ بندے کی تعریف کرے۔ (۴) اللہ خود اپنی تعریف کرے اور یہ چاروں قسمیں اللہ کے لیے خاص ہیں، کوئی مخلوق اس لائق نہیں کہ اس کی تعریف کی جائے، اگر کسی کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ دراصل اللہ ہی کی تعریف ہے کیوں کہ بندہ میں اگر کوئی خوبی ہے بھی

تو وہ اللہ ہی کی عطا ہے، اگر کسی بھیک منگے کو بھیک کے پیالے میں کوئی ایک کروڑ کا موتی دے دے تو اس میں بھیک منگے کا کیا کمال ہے، یہ تو دینے والے کا کمال ہے۔ ہمارے پاس جو نعمتیں اور خوبیاں ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بھیک ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، ہمارا کمال نہیں۔ اس لیے تعریف کے قابل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، سب کمالات اللہ کے لائق ہیں، اللہ پاک نے ہمیں اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ[۴] فرمایا ہے ہم تو ان کے رجسٹرڈ فقیر ہیں، جب ہم فقیر ہیں تو ہماری ہر چیز بھیک ہے، آنکھ کی بینائی، کان کی شنوائی، زبان کی گویائی وغیرہ تمام نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب چاہتے ہیں واپس لے لیتے ہیں، ہم اپنے جسم و جان کے مالک نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنے اعضاء کو مرضئ الٰہی کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر کوئی شخص کرتا ہے تو وہ مجرم ہے اور اسی وجہ سے خودکشی حرام ہے کیوں کہ کوئی شخص اپنی جان کا مالک نہیں ہوتا، لہٰذا اس کو اجازت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی جان میں تصرف کرے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے معنیٰ ہیں کہ سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں جو پالنے والا ہے ہر ہر کا، عالمین جمع ہے عالم کی اور عالَم عَلَم سے ہے جس کے معنیٰ ہیں نشان۔ چوں کہ عالم کا ذرّہ ذرّہ اللہ کے وجود کی نشانی ہے، ہر چیز اللہ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اس لیے اس کو عالم کہا جاتا ہے اور عالمین جمع ہے کیوں کہ مخلوقات کی ہر جنس کا الگ الگ عالم ہے جیسے عالَمِ انسان، عالَمِ جنات، عالَمِ نباتات، عالَمِ جمادات، عالَمِ ناسوت، عالَمِ لاہوت، عالَمِ ملکوت اور عالَمِ جبروت وغیرہ ہزاروں عالم ہیں اور سارے عالموں کا پالنے والا اللہ ہے۔

عالَمِ لاہوت پر ایک لطیفہ یاد آیا، ایک بدعتی پیر اپنے مریدوں پر رعب جمارہا تھا کہ میں عالَمِ لاہوت، عالَمِ ملکوت اور عالَمِ جبروت کی سیر کررہا ہوں، اس مجلس میں ایک صحیح العقیدہ بزرگ بھی موجود تھے ان سے اس پیر نے پوچھا کہ آپ کس عالَم میں ہیں انہوں نے کہا کہ میں تو عالَمِ کھاہوت میں رہتا ہوں یعنی خوب کھاتا ہوں اور یہ دراصل انہوں نے اس پر چوٹ کی کیوں کہ جعلی پیروں کا مقصد کھانا پینا اور پیسے بنانا ہے۔

خیر یہ تو ایک لطیفہ کی بات تھی۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوا کہ اللہ تعالیٰ سارے عالم کو کیسے پالتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! سامنے جو پتھر کی چٹان ہے اس پر لاٹھی مارو، آپ نے لاٹھی ماری تو پتھر کی ایک چٹان اُڑ گئی، حکم ہوا کہ اور مارو، دوسری بار لاٹھی ماری تو چٹان کی ایک اور تہہ اُڑ گئی پھر حکم ہوا کہ اور مارو، تیسری بار پوری چٹان ٹوٹ گئی تو دیکھا کہ اندر ایک چھوٹا سا کیڑا بیٹھا ہوا ہے

---

[۴] فاطر:۱۵

جس کے منہ میں تازہ گھاس کا ہرا پتا ہے اور وہ یہ تسبیح پڑھ رہا تھا:

سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ وَیَسْمَعُ کَلَامِیْ وَیَعْرِفُ مَکَانِیْ وَیَذْکُرُنِیْ وَلَا یَنْسَانِیْ[۵]

پاک ہے وہ اللہ جو مجھے دیکھ رہا ہے اور جو میری بات کو سن رہا ہے اور جو میرا گھر جانتا ہے اور جو مجھ کو رزق پہنچاتا ہے اور جو مجھ کو کبھی نہیں بھولتا۔ یہ واقعہ تفسیر روح المعانی میں وَ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن ہم کو اللہ کی پہچان کیسے ہوگی؟ کیوں کہ اللہ کو ہم دیکھ نہیں سکتے تو آگے فرماتے ہیں کہ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں سارے عالم کا رب ہوں، میری ربوبیت سے مجھے پہچانو۔ ربّ کے معنیٰ ہیں تربیت کرنے والا، پرورش کرنے والا:

اَلَّذِیْ یَجْعَلُ النَّاقِصَ کَامِلًا شَیْئًا فَشَیْئًا اَیْ عَلٰی سَبِیْلِ التَّدْرِیْجِ

جو ناقص کو آہستہ آہستہ کامل بنادے، بچہ چھوٹا سا پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے آہستہ آہستہ پندرہ سال کا جوان ہوجاتا ہے، زمین میں آپ درخت کا بیج ڈالتے ہیں جس سے چھوٹا سا پودا نکلتا ہے جو آہستہ آہستہ پورا درخت بن جاتا ہے اسی طرح سلوک میں ترقی آہستہ آہستہ ہوتی ہے، بعض لوگ چاہتے ہیں کہ آج ہی سلسلہ میں داخل ہوئے اور آج ہی جنید بغدادی بن جائیں اس لیے جلد بازی اور تعجیل مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ رب الاجسام بھی ہیں اور رب الارواح بھی ہیں خَالِقُ الْاَرْزَاقِ الْبَدَنِیَّۃِ بھی ہیں اور خَالِقُ الْاَرْزَاقِ الرُّوْحَانِیَّۃِ بھی ہیں یعنی ہمارے جسم کو بھی غذا دیتے ہیں اور ہماری روح کو بھی غذا دیتے ہیں، جسمانی غذا ماں باپ کے ذریعہ دیتے ہیں اور روحانی غذا انبیاء اور اولیاء کے ذریعہ دیتے ہیں اور وہ ذکر و عبادت ہے جس سے رفتہ رفتہ تربیت ہوتی ہے، جس طرح جسم پندرہ سال میں بالغ ہوتا ہے تو روح کے بالغ ہونے میں بھی کچھ زمانہ لگے گا۔ یہی شانِ ربوبیت ہے اور یہی اللہ کے اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی دلیل رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے، اگر کوئی بچہ پوچھے کہ کیا دلیل ہے کہ آپ ہمارے امّاں ابّا ہیں تو ماں باپ کہیں گے کہ ہم تمہیں پال رہے ہیں یہ پالنا ہی دلیل ہے کہ ہم تمہارے امّاں ابّا ہیں، اللہ تعالیٰ کی پہچان رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے کہ میں تمہیں پال رہا ہوں، تمہارے پالنے کے لیے میں نے زمین و آسمان، چاند و سورج، بادل اور ہوائیں سارا نظامِ کائنات پیدا کیا ہے اور ساری کائنات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا ہے، ایک لقمہ جو تمہارے منہ تک پہنچتا ہے اس میں زمین

۵؎ روح المعانی: ۲/۱۲، ھود (۶)، دار احیاء التراث، بیروت

وآسمان، چاند اور سورج، بارش اور ہوائیں غرض پوری کائنات خدمت میں لگی ہے، تب ایک لقمہ تیار ہوا ہے، لہٰذا میری ربوبیت دلیل ہے میری الوہیت کی، تمہیں پالنا دلیل ہے کہ میں تمہارا اللہ ہوں، تمہاری پرورش میں پوری کائنات کو میں نے تمہارا خادم بنادیا تو سوچو کہ تم کس لیے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

فَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ وَالدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ[۶]

یعنی ساری دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہہ وخورشید وفلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

بادل اور ہوائیں اور چاند سورج تیری خدمت میں لگے ہوئے ہیں تا کہ جب تو روٹی ہاتھ میں لے تو غفلت سے نہ کھائے۔

ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

سارا جہاں تیرا مطیع و فرماں بردار بنادیا گیا تو یہ سخت ظلم ہے کہ ایسے محسن مالک کی تو فرماں برداری نہ کرے۔

اس کے بعد الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے، میں تمہارا رب تو ہوں لیکن رحمٰن ورحیم بھی ہوں، میری ربوبیت شانِ رحمت کے ساتھ ہے، دیکھو میں تمہیں کتنی رحمت سے پال رہا ہوں۔ ایک لوہار ذرا سا چاقو بناتا ہے تو پہلے لوہے کو آگ میں ڈالتا ہے پھر ہتھوڑے مارتا ہے۔ بتاؤ جب میں نے تم کو بنایا تو ماں کے پیٹ میں کتنے ہتھوڑے لگائے اور کس آگ میں جلایا؟ اس رحمت سے پیدا کرتا ہوں کہ تمہاری ماں کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ کب کان فِٹ ہو رہے ہیں، کب آنکھیں لگ رہی ہیں، کب زبان بن رہی ہے، کب دل لگا رہا ہوں۔ آہ! تمہارا میٹریل تو باپ کا نطفہ اور ماں کا حیض تھا جس پر تمہارے اعضاء کی تشکیل کی جس میں تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی۔

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے بعد اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل کرکے بتادیا کہ میری ہر ادائے ربوبیت میں شانِ رحمت شامل ہے، ہر ادائے تربیت میں شانِ رحمانیت اور شانِ رحیمیت ہوگی۔ رَحْمٰن اور رَحِیْم میں کیا فرق

---

[۶] شعب الایمان للبیھقی: ۱۵۳/۱۳ (۱۰۰۹۷)، باب فی الزھد وقصر الامل، مکتبۃ الرشد / الدُّر المنثور: ۲۹۰/۱۴، مطبوعۃ القاھرۃ

ہے؟ رَحْمٰنْ کے معنیٰ ہیں مہربانی کرنے والا اور رَحِیْمْ کے معنیٰ ہیں بہت زیادہ مہربانی کرنے والا، بار بار رحمت کرنے والا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ رَحْمٰنْ میں جو رحمت ہے وہ مؤمن اور کافر سب پر عام ہے، اسی صفتِ رحمانیت کے صدقے میں دنیا میں کافر رزق پا رہا ہے، اگر شانِ رحمانیت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو روٹی نہ دیتا غرض صفتِ رحمانیت مشترک ہے مؤمن اور کافر کے درمیان اور رحیم خاص ہے مؤمنین کے لیے، شانِ رحیمیت صرف مؤمنین کے لیے ہے لہٰذا مؤمنین جب جنّت میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ[۷]

دوسرا فرق علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ السید محمود بغدادی نے یہ بیان کیا ہے کہ رحمانیت کی شان کبھی مَمْزُوْجٌ بِالْاَلَمِ ہوسکتی ہے یعنی اس رحمت میں تکلیف کی آمیزش ہوسکتی ہے جیسے گردے کی پتھری نکالنے کے لیے آپریشن ہورہا ہے، اس میں بھی رحمت ہے کہ پتھری نکل جائے گی مگر اس میں تکلیف شامل ہے اور رحیم میں وہ صفت رحمت ہے جو کبھی ممزوج بالالم نہیں ہوتی۔ جنّت میں چوں کہ کوئی تکلیف نہ ہوگی اس لیے اللہ تعالیٰ نے نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ نازل فرمایا یہاں رحمٰن نازل نہیں فرمایا کیوں کہ جنّت میں کوئی الم نہیں ہے کوئی تکلیف نہیں ہے لیکن وہاں کی خوشیاں اُنہی کو ملیں گی جو یہاں اللہ کے لیے غم اٹھاچکے ہیں، جنھوں نے گناہوں سے بچنے کا غم اٹھایا ہے، عبادت کی مشقت برداشت کی ہے۔ اس لیے جب جنّت میں پہلا قدم داخل ہوگا تو ہر جنّتی کے منہ سے یہ بات نکلے گی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْۤ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ[۸]

شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم سے غم کو اٹھالیا کہ آج غم ہمیشہ کے لیے ختم ہورہا ہے، اب کبھی غم کا تصور بھی نہ ہوگا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں یہی دعا مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی شانِ رحیمیت کا مظہر بنائے اپنی وہ شانِ رحمت دے جو کبھی ممزوج بالالم نہیں ہوتی یعنی اے خدا! اپنی شانِ رحیمیت کے صدقے میں ہمیشہ ہم کو عافیت سے رکھیے، کبھی کوئی تکلیف نہ دیجیے۔

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں بتادیا کہ میں قیامت کے دن تابعِ قوانین نہیں ہوں گا، قیامت کے دن کا مالک ہوں گا۔ اُس دن میری حیثیت قاضی اور جج کی نہیں ہوگی، مالک کی ہوگی۔ دنیا کی عدالتوں کے قاضی اور

۷؎ حٰمٓ السجدۃ: ۳۲

۸؎ الفاطر: ۳۴

قاضی القضاۃ یعنی سپریم کورٹ کے جسٹس اور چیف جسٹس سب قوانین و فرامینِ سلطنت کے پابند ہوتے ہیں، پابندِ قانونِ مملکت ہوتے ہیں، قانون کے دائرے کے خلاف نہیں جاسکتے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں قاضی اور جج کی حیثیت سے فیصلے نہیں کروں گا، میں قیامت کے دن کا مالک رہوں گا جس کو چاہوں گا بخش دوں گا، جس کو چاہوں سزادوں گا، میں کسی قانون کا پابند نہیں ہوں، تابعِ قانون نہیں ہوں بلکہ مالک ہوں جس کو چاہوں سزادوں، جس کو چاہوں بخشوں، بخشش کے لیے بس ایمان شرط ہے۔ اگر قانون کی رو سے کوئی بخشش نہیں پارہا ہے تو جس کو چاہوں گا اپنے مراحمِ خسروانہ، اپنے شاہی رحم سے بخش دوں گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے شاہ عبد القادر صاحب تفسیر موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے سامنے لکھایا ہوا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ[۹] یعنی میری رحمت اور میرے غصہ میں دوڑ ہوئی تو میری رحمت غصہ سے آگے بڑھ گئی۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ از قبیل مراحمِ خسروانہ یعنی شاہی رحم کے طور پر لکھایا ہے تاکہ جو بندے قانون کی رُو سے مغفرت نہ پاسکیں میں ان کو اپنے شاہی رحم سے معاف کردوں، جس طرح اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں کہ سزائے موت کے مجرم نے سپریم کورٹ سے مایوس ہو کر شاہ سے رحم کی اپیل کردی۔ بادشاہ کو قانوناً اختیار ہوتا ہے کہ جس کو چاہے معاف کردے۔ لیکن دنیا کے بادشاہ معاف کرنے میں بھی پابندِ قانون ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ فرما کر بتادیا کہ میں قیامت کے دن کا مالک رہوں گا، قوانین کا پابند نہیں رہوں گا جس کو چاہوں گا سزادوں گا جس کو چاہوں گا اپنے مراحمِ خسروانہ سے، شاہی رحم سے معاف کردوں گا۔

آگے ہے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ جس کا ترجمہ ہے کہ اے اللہ! ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور صرف آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ عربی لغت کے قاعدہ کے مطابق یہاں حصر کے معنیٰ پیدا ہوگئے پس اگر کوئی شخص یہ ترجمہ کرے گا کہ اے اللہ! ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں تو ترجمہ غلط ہوگا،، حصر کے معنیٰ کے لیے ”ہی“ یا ”صرف“ لگانا ضروری ہے یعنی ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے، نہ بتوں کو پوجتے ہیں نہ پتھروں کو پوجتے ہیں، نہ درختوں کو پوجتے ہیں، نہ سورج اور چاند کو پوجتے ہیں، نہ آسمان و زمین کو پوجتے ہیں، اے خدا! ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، ہمارا سر صرف آپ کے لیے خاص ہے، ہم کہیں اپنا سر نہیں رکھ سکتے مگر آپ کی چوکھٹ پر۔ اسی کو میں نے اس شعر میں کہا ہے۔

---

۹ صحیح البخاری: ۲/۱۱۲۷، باب قولہ بل ھو قرآن مجید، المکتبۃ المظھریۃ

ہمارا مرکزِ اُمید رحمت آپ کا در ہے
کسی کے در پہ تو یارب یہ پیشانی نہیں جاتی

ایک ہندو نے ایک مسلمان سے اعتراض کیا کہ جب تم حج کو جاتے ہو تو تم بھی تو پتھر کو سجدہ کرتے ہو، کعبہ کے سامنے جھکتے ہو۔ مسلمان نے جواب دیا کہ ہم بیت اللہ کو سجدہ نہیں کرتے رب البیت کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھا ؎

کافر ہے جو سجدہ کرے بت خانہ سمجھ کر
سر رکھا ہے ہم نے درِ جانانہ سمجھ کر

یعنی ہم نے سر رکھا ہے اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ سمجھ کر، ہم اس پتھر کو سجدہ تھوڑی کرتے ہیں، ہم گھر کو سجدہ نہیں کرتے، گھر والے کو سجدہ کرتے ہیں، خانۂ کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے، صاحبِ خانہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں ؎

حج کردن زیارتِ خانہ بُوَد
حج ربُّ البیت مردانہ بُوَد

عام لوگوں کا حج خانۂ کعبہ کی زیارت ہے، **بَیْتُ الرَّبّ** کی زیارت ہے اور یہ بھی نعمت ہے لیکن رب البیت کا طواف کرنا، طواف میں گویا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا اللہ والوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنا زیادہ تعلق ہوتا ہے اتنا ہی اس کو بیت اللہ میں لطف اور مزہ آتا ہے، بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی اس کی روح کی پرواز عرشِ اعظم تک ہوتی ہے اور بیت الرّب میں گویا وہ رب البیت کو دیکھتا ہے لیکن افسوس کہ وہاں بھی کچھ لوگ طواف کرنے والی عورتوں کو دیکھتے ہیں اور اپنی کرگسیت کا ثبوت دیتے ہیں، گندے لوگ وہاں بھی گندا عمل کرتے ہیں اور اللہ والے تجلیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ کے معنیٰ ہوئے کہ اے خدا! ہم آپ ہی کی بندگی کرتے ہیں اور آیندہ بھی کریں گے لیکن **نَعْبُدُ** میں جو ضمیر ہے **نَحْنُ** اس میں ایک لطیف علم ہے کہ ہم اپنے قلب کے اعتبار سے، اپنے قالب کے اعتبار سے، جسم کے اعتبار سے، روح کے اعتبار سے، اپنی آنکھوں سے، اپنے کانوں سے، اپنی زبان سے یعنی **بِجَمِیْعِ اَعْضَآءِ الْبَدَنِ وَ بِجَمِیْعِ اَعْضَآءِ الْبَاطِنِ** آپ کے بندے ہیں اور آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، ہم سر سے پیر تک، ظاہر سے باطن تک آپ کے بندے ہیں کیوں کہ بندہ **بِجَمِیْعِ اَعْضَآءِہٖ**

وَبِجَمِيۡعِ اَجۡزَآءِہٖ بندہ ہوتا ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ خود تو بندہ ہو اور اس کے اعضاء بندگی سے آزاد ہو جائیں لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ آنکھیں آزاد ہو جائیں کہ جس حسین کو چاہیں دیکھیں، کان آزاد ہو جائیں کہ جو گانا چاہے سنیں، قلب آزاد ہو جائے کہ گندے خیالات پکائے، جب کُل بندہ ہے تو جُز کیسے بندہ نہ ہو گا، پس نَعۡبُدُ کی ضمیر میں لطیف اشارہ ہے کہ ہم جو مجموعہ ہیں ظاہر و باطن کا، قلب و قالب کا، جسم و روح کا ہم آپ کے بندے اور غلام ہیں، لہٰذا ہماری آنکھیں اور کان اور تمام اعضاء آپ ہی کی عبادت کریں گے، ہماری آنکھیں آپ کی مرضی کے خلاف کسی حسین کو نہیں دیکھیں گی، کان وہی سنیں گے جس سے آپ خوش ہوں گے، زبان وہی کہے گی جس سے آپ ناراض نہ ہوں گے، دل وہی غم اٹھائے گا جس غم سے آپ خوش ہوں گے یعنی گناہ چھوڑنے کا غم اور وہی سوچے گا جس سے آپ ناراض نہ ہوں۔

پس جسم و قلب و جان کے اعتبار سے ہم آپ کے بندے ہیں اور آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں لہٰذا ہمارا کوئی جز، کوئی عضو آپ کی نافرمانی نہیں کرے گا کیوں کہ نافرمانی کرنا عبادت کے منافی ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ انتہائے سلوک ہے، سلوک کی منتہاء ہے کیوں کہ جب عبدیت کامل ہو جائے تو سمجھ لو سلوک طے ہو گیا، بندہ منزل کو پا گیا، جس کی بندگی کامل ہو جائے یعنی جس کے ظاہر و باطن پر، قلب پر، قالب پر، جسم و جان پر اللہ کی بندگی کے آثار ظاہر ہو جائیں یعنی ظاہر بھی فرماں بردار ہو جائے اور باطن بھی فرماں بردار ہو جائے وہ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ کا مصداق ہو گیا، پھر اس کے گال پر بلیڈ نہیں چل سکتا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ گال بھی بندہ ہے، داڑھی ایک مشت سے کم نہیں ہو سکتی، آنکھیں بد نظری نہیں کر سکتیں، دل گندے خیال نہیں پکا سکتا، مراد یہ ہے کہ اللہ کی کسی قسم کی نافرمانی میں وہ مبتلا نہیں ہو گا، اگر احیاناً کبھی خطا ہو گئی تو اس کو چین نہیں آ سکتا جب تک توبہ نہ کر لے تو سمجھ لو کہ اس کو نَعۡبُدُ کا مقام حاصل ہو گیا، اس کا سلوک طے ہو گیا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں ایک سوال قائم کیا کہ نَعۡبُدُ جمع متکلم ہے جو ہم ہر نماز میں جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں لیکن جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تو واحد متکلم کے بجائے نَعۡبُدُ ہی پڑھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ پھر اس کا جواب علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی دیا کہ مفرد نماز میں بھی جمع متکلم کا صیغہ نَعۡبُدُ اس لیے ہے کہ گویا بندہ کہتا ہے کہ یا اللہ! میری عبادت قصور، کوتاہیوں اور تقصیرات سے مملوء ہے اور آپ کی عظمت کے شایانِ شان نہیں اس لیے ہم اپنی تنہا عبادت پیش نہیں کرتے بلکہ روئے زمین کے اولیاء اللہ کی مقبول نمازوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ اپنے پیاروں کی مقبول عبادت کے ساتھ

ہماری عبادت کا کھوٹا مال بھی آپ قبول فرمالیں۔[۱۰]

پس اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں بندوں کی طرف سے اعلان ہے کہ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں لیکن اس معاملہ میں ہم کبھی کبھی نفس و شیطان سے ہار جاتے ہیں اور اپنی نالائقی اور کمینہ پن سے نفس و شیطان کی گود میں چلے جاتے ہیں، کبھی بازاروں میں نظر خراب کرلیتے ہیں، کبھی تنہائیوں میں دل خراب کرلیتے ہیں، ہم آپ کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن ہماری عبادت ہر وقت علیٰ معرضِ الخطر ہے۔ پس ادائے بندگی کے لیے اور بندہ بن کر رہنے کے لیے آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہماری عبادت آپ کی استعانت کی محتاج ہے، اگر آپ نے اعانت نہ کی تو ہماری عبادت خاک میں مل جائے گی، نہ توفیق ہوگی نہ قبول ہوگی۔

حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس کو عبادت میں کمزوری اور سستی ہو رہی ہو اور گناہ چھوڑنا مشکل ہو رہا ہو وہ کثرت سے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پڑھتا رہے کہ اے خدا! ہم آپ کے غلام تو ہیں مگر حقِ غلامی ادا نہیں کر پارہے ہیں، اپنی رحمت سے اپنی مدد ہمارے شاملِ حال فرمادیجیے، ہماری عبادت (خواہ مثبت ہو یا منفی یعنی نماز روزہ ہو یا گناہوں کو چھوڑنا) آپ کی اعانت کی محتاج ہے۔ اس آیت کے وِرد کی برکت سے ان شاء اللہ ہم روز بروز صالح ہوتے چلے جائیں گے۔

آگے سکھا رہے ہیں کہ کہو اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ بتلادیجیے ہم کو راستہ سیدھا، ہدایت دیجیے ہم کو صراطِ مستقیم کی۔ اور ہدایت کے دو معنیٰ ہیں: (۱) اِرَاءَۃُ الطَّرِیۡقِ راستہ دکھادینا اور (۲) دوسرے معنیٰ ہیں اِیۡصَالٌ اِلَی الۡمَطۡلُوۡبِ[۱۱] یعنی منزل تک پہنچادینا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کو راستہ دکھادیا کہ تمہاری منزل وہ ہے، یہ اِرَاءَۃُ الطَّرِیۡقِ ہے اور دوسرے یہ کہ کار میں بٹھا کر منزل تک پہنچادیا یہ اِیۡصَالٌ اِلَی الۡمَطۡلُوۡبِ ہے تو اس ہدایت میں دونوں معنیٰ مراد ہیں یعنی ہمیں راستہ بھی دکھایئے اور منزل تک یعنی اپنی ذات تک بھی پہنچایئے اور ہماری منزل کیا ہے؟ اللہ کو راضی کرلینا، اللہ کا خوش ہوجانا۔ مفسرین و محدثین لکھتے ہیں کہ سیدھے راستے سے مراد توفیقِ امتثالِ اوامر اور توفیقِ انتہائے مناہی ہے یعنی اللہ ہمیں نیک عمل کی توفیق دے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق دے اور توفیق کے معنیٰ ہیں کہ بھلائی کے اسباب سامنے آجائیں اور بھلائی کے راستے آسان ہوجائیں اور شر کے راستے مسدود ہوجائیں اور طاعات کی قدرت پیدا ہوجائے۔ اسی کا نام استقامت ہے۔ جس کو صراطِ مستقیم مل گئی دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کیوں کہ صراطِ مستقیم کا

---

[۱۰] روح المعانی: ۱/۸۸، الفاتحۃ (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۱] شرح التہذیب: ۲، مکتبۃ المصباح

ایک سِرا زمین پر ہے اور دوسرا سِرا جنّت میں ہے، لہٰذا جس کو اللہ نے سیدھے راستے پر ڈال دیا تو سمجھ لو کہ وہ جنّتی ہوگیا، جنّت کے راستے کا نقطۂ آغاز اور پہلا قدم اس کا شروع ہوگیا۔ لیکن یہ صراطِ مستقیم کہاں ملے گی، سیدھے راستہ پر چلنا کب نصیب ہوگا؟ اگلی آیات میں صراطِ مستقیم کا پتا بتادیا صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ یعنی راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا اور انعام سے کیا مراد ہے؟ اور انعام یافتہ بندے کون ہیں؟ کیا وہ جو ڈیفنس میں رہتے ہیں، بڑے بڑے بنگلوں اور کاروں اور شراب کباب والے؟ ہرگز یہ مراد نہیں ہیں پھر مُنۡعَمۡ عَلَیۡہِمۡ (انعام یافتہ) کون ہیں؟ اس کی تفصیل دوسری آیت میں فرماتے ہیں، قرآنِ پاک کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: اَلَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔ معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر اللہ نے انعامِ نبوت، انعامِ صدیقیت، انعامِ شہادت، انعامِ صالحیت عطا فرمایا ان کی صحبت سے تمہیں صراطِ مستقیم ملے گی، سیدھے راستہ پر چلنا تمہیں تب نصیب ہوگا جب تم میرے خاص بندوں پیغمبر، صدیق، شہداء اور صالحین کو اپنا رفیق بناؤ گے کیوں کہ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا[۱۲] یہ بہت ہی اچھے رفیق ہیں۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری فرماتے تھے کہ یہ جملہ خبریہ تو ہے لیکن اس میں جملہ انشائیہ پوشیدہ ہے کہ ان کو اپنا ساتھی اور رفیق بنالو۔ جیسے ہم کہتے ہیں اور اپنے دوست کو خبر دیتے ہیں کہ آج ہمارے یہاں بہترین شامی کباب پکا ہے گرما گرم! تو اس جملہ خبریہ میں انشائیہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ آؤ کھالو۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا کہ یہ بہت اچھے رفیق ہیں اس میں یہ انشاء ہے کہ ان کو اپنا رفیق بنالو۔ علامہ محمود نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیرِ خازن میں لکھا ہے حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا افعالِ تعجب میں سے ہے یعنی مَا اَحۡسَنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا[۱۳] یہ کیا ہی پیارے رفیق ہیں، جو انشاء پر دلالت کرتا ہے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب فرماتے تھے کہ اللہ والوں کو رفیق تو بناؤ لیکن حَسُنَ فرماکر اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ ان کے ساتھ تمہاری رفاقت حسین ہو، حسنِ رفاقت ہو اور وہ حسن کیا ہے؟ وہ اتباع، محبت و عظمت اور ادب ہے، اپنی رائے کو فنا کرنا اور ان کی مرضی پر چلنا، خالی جسم سے ساتھ مت رہو کہ ان کے دستر خوان پر انڈا اور مرنڈا اور پسندیدہ کباب کو مطلوب بنالو ورنہ جسم تو منافقین کا بھی ساتھ تھا لیکن دل نبی کے ساتھ نہیں تھا لہٰذا محروم رہے۔ اس لیے دل سے اہل اللہ کے ساتھ رہو، دل سے ان سے محبت کرو، ان سے تقویٰ سیکھو، صراطِ مستقیم پا جاؤ گے۔ اسی کو بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

۱۲؎ النسآء: ۶۹

۱۳؎ تفسیر النسفی: ۲۳۷/۱، النسآء (۶۹)

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت و نہ شد آگاہِ عشق

اللہ کی محبت کے راستے میں جو کسی اللہ والے کو رفیق نہیں بنائے گا اس کی عمر گزر جائے گی مگر اللہ کی محبت نہیں پائے گا۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بابا فرید عطار نے اس شعر میں لفظ رفیق قرآنِ پاک کی اسی آیت حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا سے لیا ہے۔ اہل اللہ کا کلام قرآن و حدیث سے مقتبس ہوتا ہے مگر ہماری نظر نہیں جاتی۔

اس کے بعد ایک نحوی مسئلہ عرض کرتا ہوں کہ یہاں ترکیب میں صراطِ مستقیم مبدل منہ ہے اور اس کا بدل الکل من الکل صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہے اور ترکیبِ بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام نازل فرمایا ان کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے، جو شخص خاصانِ خدا کو چھوڑ کر محض کتاب سے راستہ طے کرنا چاہے گا اسے صراطِ مستقیم نہیں مل سکتی، صراطِ مستقیم کے لیے کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ ضروری ہیں اسی لیے ہر کتاب کے ساتھ انبیاء بھیجے گئے۔ پس انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین یعنی اللہ والوں کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہو کر تیرے دیوانے گئے

یہاں ایک اِشکال ہوتا ہے کہ ترکیبِ بدل میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے مبدل منہ غیر مقصود ہوتا ہے اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مبدل منہ ہے جو نحو کے قاعدہ سے غیر مقصود ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں غیر مقصود کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی دیتے ہیں کہ نحوی قاعدہ سے اگرچہ مبدل منہ غیر مقصود ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ بھی مقصود ہو گیا کیوں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں ایک صفت ایسی رکھ دی جو بدل میں نہیں ہے اور وہ ہے مستقیم۔ پس یہاں مبدل منہ بھی غیر مقصود نہ رہا کیوں کہ اگر یہ نازل نہ ہوتا تو اہل اللہ کی صفتِ استقامت کا پتا نہ چلتا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت و فصاحت جس کے سامنے علمائے نُحات کے سارے قانون ٹوٹ گئے کہ صراطِ مستقیم میں لفظ مستقیم نازل فرما کر اور بدل میں نازل نہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہاں مبدل منہ کو بھی مقصود بنا دیا۔

پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کو متعین فرما دیا کہ انبیاء و صدیقین و شہداء اور صالحین کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے، تمام انسانوں میں سب سے بڑا رُتبہ انبیاء کا ہے اور انبیاء وہ کہلاتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی

طرف سے فرشتہ وحی لاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ قیامت تک کے لیے بند ہوگیا۔ باقی صدیقیت، شہادت اور صالحیت کے تمام دروازے کھلے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ مقامِ صدیقین کی جو آخری سرحد ہے وہ بھی کھلی ہوئی ہے۔ اُمت میں سب سے بڑا درجہ صدیق کا ہوتا ہے کیوں کہ جو کچھ وحی میں نازل ہوا صدیق کا دل خود بخود اس کی تصدیق کرتا ہے۔ صدیق آئینۂ نبوت ہوتا ہے اور شہید وہ ہیں جو اللہ و رسول کی محبت میں اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں اور صالحین وہ ہیں جو متبعِ سنّت و شریعت ہوتے ہیں، ان ہی چار طبقوں کو عرف میں اللہ والا کہا جاتا ہے۔

ان ہی کے راستے کو اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم فرمایا لیکن اگلی آیت میں دلالۃً یہ بھی بتا دیا کہ اہل اللہ کے راستہ کے علاوہ دوسرے تمام راستے صراطِ مستقیم نہیں ہیں غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ یعنی ان لوگوں کا راستہ نہ دکھائیے جن پر آپ کا غضب نازل ہوا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوگئے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ مغضوبین سے مراد یہودی ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں کیوں کہ یہود نفسانی اغراض اور دنیا کے حقیر و ذلیل مفادات کی خاطر احکامِ دین کو ٹھکرا دیتے اور انبیاء کی اہانت بلکہ قتل تک کر دیتے تھے اس لیے موردِ غضب ہوئے اور نصاریٰ جہالت اور نادانی کے سبب غلو میں مبتلا ہوگئے یہاں تک کہ نبی کو خدا بنالیا اور گمراہ ہوگئے۔

پس مطلب یہ کہ اے اللہ! ہم آپ کے غیروں کا راستہ نہیں چاہتے، آپ کے پیاروں کا راستہ چاہتے ہیں ؎

غیر ہے غیر، غیر کچھ بھی نہیں
آپ ہیں آپ، آپ سب کچھ ہیں

لہٰذا غیروں کے ساتھ نہ رہو، اپنوں کے ساتھ رہو، غیروں کی شکل و صورت نہ بناؤ، نہ ان کی سیرت اپناؤ۔ اپنا مرکز لندن نہ بنائیے، ہمارا مرکز مدینہ پاک ہے۔ یہ نہیں کہ لندن میں دیکھا کہ کھڑے ہو کر کھانا کھا رہے ہیں تو آپ بھی کھڑے ہو کر کھانے لگے۔ ارے! یہ دیکھو کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کھایا، صحابۂ کرام نے کیسے کھایا۔ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک دعوت میں لوگ کھڑے ہو کر کھا رہے ہیں تو فرمایا کہ آج ہمیں اس آیت کے معنیٰ سمجھ میں آگئے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے نازل فرمائی تھی اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ [۱۴] یہ تو جانور کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے بدتر ہیں۔ جانور بھی کھڑے ہو کر کھاتا ہے۔

---

[۱۴] الاعراف: ۱۷۹

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ[۱۵]

اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی مت کرنا ورنہ ان کی دشمنی کے جراثیم تمہارے اندر گھس جائیں گے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اِنَّ مُوَالَاۃَ الْیَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی تُوْرِثُ الْاِرْتِدَادَ[۱۶] یہود و نصاریٰ سے موالات اور دوستی تمہیں ارتداد میں مبتلا کر دے گی۔ ان سے معاملات جائز لیکن موالات حرام ہے یعنی ان سے لین دین، تجارت اور کاروبار کر سکتے ہو لیکن دل سے دوستی نہیں رکھ سکتے۔ علامہ شامی نے اپنی کتاب شامی میں لکھا ہے: لَوْ سَلَّمَ الْکَافِرَ تَبْجِیْلًا لَا شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ[۱۷] اگر کسی نے اکرام کے ساتھ کافر کو سلام کر لیا تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ میرے شیخ کے پاس ایک ہندو ڈا کیا آتا تھا، کہتا تھا مولوی صاحب! آداب عرض۔ تو جواب میں حضرت فرماتے تھے آ... داب اور مجھ سے فرماتے تھے کہ میں یہ نیت کرتا ہوں کہ آ اور میرا پیر داب تاکہ اکرام کافر لازم نہ آئے۔ لیکن افسوس آج کل الٹا معاملہ ہے کہ آج مسلمان بعض اوقات کفار سے معاملات کا بائیکاٹ کرتے ہیں لیکن دل سے ان کے ساتھ موالات اور محبت رکھتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ غیروں کے طور طریقے، وضع قطع اور عادات واطوار اپناتے ہیں حالاں کہ شریعت نے موالات کو حرام کیا ہے معاملات کو جائز کیا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جن پر غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہو گئے ان کے راستے پر نہ چلو۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کو ہماری ہر نماز کے ساتھ لازم فرما دیا، کوئی نماز ایسی نہیں جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ ہو کیوں کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرائی اور اپنے بندوں کا جو تعلق ہے اس کو بیان فرمایا کہ تمہارا اور میرا کیا رشتہ ہے اور بندوں کو اپنی ذات کے ساتھ رابطہ عطا فرمانے کے مضامین نازل فرمائے۔

اس سورۃ میں شفاء کا زبردست اثر ہے، کینسر تک کے مریضوں کو اس سے شفاء ہو گئی اور ڈاکٹر حیران رہ گئے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کیسا ہی مرض ہو سورۂ فاتحہ ۱۱ بار اور یا سلام ۱۴۲ بار پڑھ لے ان شاء اللہ شفاء ہو گی۔ اسی طرح باطنی کینسر یعنی گناہوں سے نجات کے لیے بھی یہ سورۃ اکسیر ہے۔ اس نیت سے پڑھے کہ یا اللہ! ہر معصیت اور ہر مصیبت سے محفوظ فرما، آمین۔

---

[۱۵] المآئدۃ: ۵۱

[۱۶] روح المعانی: ۱۶۰/۶، المآئدۃ (۵۴)، دار احیاء التراث بیروت، ذکرہ بلفظ ان موالاتھم مستدعیۃ للارتداد عن الدین

[۱۷] الدر المختار: ۴۱۳/۶، کتاب الحضر والاباحۃ، فصل فی البیع

مذکورہ سورۃ کی مزید تشریح اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کی چار تفسیریں

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کے اندر پہلے اپنی عظمتِ شان بیان فرمائی کہ دنیا میں جتنی تعریفیں ہوتی ہیں حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوتی ہے۔

پس ہر نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرو کہ اللہ نے یہ ہمیں بلا استحقاق محض اپنے کرم سے عطا فرمائی ہے، میں اس کا مستحق نہیں تھا۔ انسان کے کمالات کیا ہیں، سارے کمالات اللہ کے لیے ہیں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ حمد کی چار تعریفیں ہو سکتی ہیں۔ اب منطق سن لیجیے۔ تعریف کی چار قسمیں ہیں: ۱) بندہ بندے کی تعریف کرے۔ ۲) بندہ اللہ کی تعریف کرے۔ ۳) اللہ بندے کی تعریف کرے۔ ۴) اللہ خود اپنی تعریف کرے۔

ان چار کے علاوہ کوئی پانچویں قسم نہیں ہے۔ میں دارالعلوم میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر کوئی پانچویں قسم ہو تو میرے سامنے پیش کرو۔ میں وہ جاہل پیر نہیں ہوں کہ مرعوب ہو جاؤں۔

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد للہ کی تفسیر میں فرمایا تھا کہ تعریف کی جو چار قسمیں ہیں یعنی بندہ اللہ کی تعریف کرے یا اللہ بندے کی تعریف کرے یا بندہ بندے کی تعریف کرے یا اللہ خود اپنی تعریف کرے، تعریف کی یہ چاروں قسمیں سب اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ الحمد للہ میں لام تخصیص کے لیے ہے۔ اور اللہ کو کیسے پہچانو گے؟

معرفتِ الٰہیہ کا تعلق ربوبیتِ الٰہیہ سے

اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کا طریقہ آگے بتلا دیا کہ کون ہے؟ رب العالمین ہے۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے خاص ہیں جو رب العالمین ہے، پروردگار ہے تمام عالم کا، ایک ایک ذرّہ گواہی دے رہا ہے کہ میرا کوئی پیدا کرنے والا ہے۔ زمین و آسمان چاند و سورج، سیارے، پہاڑ، دریا اور سمندر اور عالم کی عجیب و غریب مخلوقات حق تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت پر شہادت دے رہے ہیں حتیٰ کہ درختوں کے پتوں اور پھول کی پنکھڑیوں کے باریک باریک رگ و ریشے سب میں حق تعالیٰ کی ربوبیت کار فرما ہے۔ لہٰذا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کے بعد رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ فرما کر بتا دیا کہ اگر تم ہمیں پہچاننا چاہتے ہو، ہماری معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری صفتِ ربوبیت کو دیکھو کیوں کہ تمام عالم کے ذرّہ ذرّہ میں ہماری ربوبیت کا تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ

کر رہے ہو کہ ایک ناپاک قطرۂ منی پر کیسی بخیہ گری اور کیسے کیسے عجیب تصرفات ہم نے کیے ہیں، ایک قطرہ میں بینائی، شنوائی، گویائی کے خزانے کس نے رکھے ہیں، ایک بے جان قطرہ کو گوشت پوست کا انسان کس نے بنایا؟

وَ فِیْۤ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ [۱۸]

کیا تم اپنی ذات میں ہمیں نہیں دیکھتے ہو۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

لیکن اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کے لیے صرف عقل کافی نہیں ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَفَکَّرُوْا فِیْ خَلْقِ اللہِ مخلوقات اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور پرورش کا مظہر ہیں لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو لیکن وَلَا تَتَفَکَّرُوْا فِی اللہِ اللہ کی ذات میں فکر مت کرنا فَاِنَّکُمْ لَنْ تَقْدِرُوْا قَدْرَہٗ (خطبات الاحکام بحوالہ الترغیب والترہیب) اللہ کا تم اندازہ نہیں کرسکتے ہو، غیر محدود ذات کو اپنی عقل کی چھوٹی سی ڈبیہ میں لا نہیں سکتے ہو۔

ربوبیتِ الٰہیہ کا رحمتِ الٰہیہ سے ربط

لیکن سب سے بڑی نعمت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے بعد الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے کہ میں نے تمہاری پرورش رحمت سے کی ہے۔ شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک لوہار اگر قینچی بناتا ہے، چاقو بناتا ہے تو لوہے کو آگ میں ڈالتا ہے، پھر اس پر ہتھوڑے مارتا ہے تب جا کے قینچی، چاقو بناتا ہے۔ لیکن اے ظالمو! اے مجھ کو بھولنے والو! ماؤں کے پیٹ میں، میں نے کتنے ہتھوڑے تمہیں لگائے، اس طرح سے تمہاری ترکیب و تربیت کی، اس طرح سے تمہیں بنایا کہ تمہیں احساس بھی نہیں ہوا اور تمہاری ماں کو بھی اس کا احساس نہیں ہوا کہ کب آنکھیں بن رہی ہیں اور کب کان بن رہے ہیں اور کب سینہ میں دل رکھا جارہا ہے۔ تو ہمارے شیخ فرماتے تھے کہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کی یہ علامت ہے کہ کس رحمت سے تم کو پیدا کیا، کس رحمت سے بنایا!

---

[۱۸] الذّٰریٰت:۲۱

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں شانِ عظمت وشانِ رحمتِ الٰہیہ کا ظہور

پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ فرمایا کہ میں مالک ہوں قیامت کے دن کا۔ اس دن میری حیثیت منصف اور جج کی نہیں ہوگی۔ جج قانونِ مملکت کا پابند ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے قانون اور سلطنت اور قوانین کا پابند اور غلام نہیں ہوں۔ میں مالک رہوں گا قیامت کے دن کا۔ اگر میرے قانون سے کوئی بخشا نہ جاسکا تو اپنے شاہی رحم سے معاف کردوں گا یہ ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا راز۔

جس کو شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نے فرمایا کہ عرشِ اعظم کے سامنے لکھا ہوا ہے: سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ میری رحمت اور میرے غصہ میں جو دوڑ ہوئی تو میری رحمت آگے بڑھ گئی۔ شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف تفسیر موضح القرآن اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے لکھتے ہیں کہ عرشِ اعظم پر اللہ نے یہ کیوں لکھوایا ہے؟ فرمایا کہ یہ شاہی رحم کے طور پر لکھوایا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ از قبیل مراحمِ خسروانہ۔ مراحم جمع ہے رحمت کی۔ از قبیل مراحم خسروانہ کے معنی ہیں شاہی رحم کے طور پر۔ اگر میرا کوئی بندہ قانون سے نہ بخشا جاسکا تو میں اپنے شاہی رحم کو محفوظ رکھتا ہوں، اس شاہی رحم سے اس کو معاف کردوں گا جیسے جب کوئی مجرم قانون سے نجات نہیں پاتا اور سپریم کورٹ سے پھانسی کی قطعی سزا ہو جاتی ہے تو اب آگے کیوں کہ کوئی اور عدالت نہیں ہے لہٰذا سلطانِ مملکت سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور اخباروں میں آجاتا ہے کہ مجرم نے سپریم کورٹ میں ہارنے کے بعد پھانسی کی سزا سن کر اب مملکت کے بادشاہ سے رجوع کیا اور شاہی رحم کی بھیک مانگی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے شاہی رحم کی بھیک کو محفوظ کرلیا۔

آہ! مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا راز سن لیجیے۔ وہ مالک ہے قیامت کے دن کا۔ جج قانون کا پابند ہوتا ہے۔ مالک پابند نہیں ہوتا۔ اللہ کی قضا اللہ کے سامنے محکوم ہے۔ قضائے الٰہی یعنی اللہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر حکومت نہیں کرسکتا۔ یہ مولانا رومی کا عنوان ہے کہ اے خدا! آپ کی قضا آپ کی محکوم ہے، آپ پر حاکم نہیں ہوسکتی اس لیے سوئے قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرمادیجیے۔

نفس وشیطان کی غلامی سے آزادی کی درخواست

اور آگے بیان فرمایا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہم آپ ہی کے بندے ہیں، ہم نفس اور

شیطان کے بندے نہیں ہیں۔ اور آپ ہی کی غلامی کرتے ہیں۔

صراطِ مستقیم منعم علیہم کا راستہ ہے

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اس کا بدل صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ہے یعنی اے اللہ! جن پر آپ نے انعام نازل کیا، جو آپ کے پیارے بندے ہیں ان کا راستہ دِکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ نازل فرما رہے ہیں کہ سیدھے راستے کا خواب مت دیکھنا خالی کتابوں سے، سیدھے راستے کا خواب مت دیکھنا اسبابِ دنیویہ سے، سیدھا راستہ ان کا ہے جن کو میں نے انعام سے نوازا ہے، جو میرے مقرب بندے ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا[۱۹]

انعام یافتہ بندے کون ہیں؟

انعام کیا ہے؟ کلفٹن کے بنگلے؟ نہیں! کباب اور بریانیاں؟ نہیں! پھر انعام کیا ہے؟ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ میں نے جن پر انعام نازل کیا وہ انعام کیا ہے؟ مِّنَ النَّبِيّٖنَ جن کو نبوت عطا کی وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ جن کو اپنا صدیق بنایا۔ وَ الشُّهَدَآءِ جن کو جامِ شہادت نوش کرنے کا شرف بخشا۔ وَالصّٰلِحِيۡنَ جن کو نیک اور صالح بنایا تو نبوت، صدیقیت، شہادت اور صالحیت چار نعمتیں جن کو حاصل ہیں سیدھے راستے سے ان کا راستہ مراد ہے۔

صراطِ مستقیم کے لیے منعم علیہم بندوں کی رفاقت شرط ہے

ان سے تعلق قائم کرو وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا آخر میں اللہ نے فرمایا کہ یہ بہترین رفیق ہیں۔ جملہ خبریہ صورتِ امر میں ہے یعنی ہے تو خبر مگر اندر انشاء پوشیدہ ہے یعنی جب تم ان اللہ والوں کو، ان انعام یافتہ لوگوں کو اپنا رفیق، اپنا ساتھی بناؤ گے تب جا کر تم کو صراطِ مستقیم ملے گی اور تب خدا ملے گا لہٰذا ان کو اپنا رفیق بنالو۔

۱۹؎ النسآء: ۶۹

علامہ محمود نسفی نے تفسیرِ خازن میں لکھا ہے کہ یہاں حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا معنی میں افعالِ تعجب کے ہے۔ یعنی مَآ اَحْسَنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا کیا ہی پیارے یہ رفیق ہیں۔[۲۰] یہ حَسُنَ معنی میں مَآ اَحْسَنَ کے ہے مَآ اَحْسَنَهٗ وَ اَحْسِنْ بِهٖ، مَآ اَفْعَلَهٗ وَاَفْعِلْ بِهٖ دو صیغے افعالِ تعجب کے ہیں۔ مطلب یہ کہ سبحان اللہ! کتنے پیارے لوگ ہیں یہ اللہ والے۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ کیا یہ خالی خبر ہے یا اس میں انشاء پوشیدہ ہے۔ اگر آپ کہیں کہ آج میرے یہاں گرما گرم کباب تیار ہے تو کیا مہمان اس کو خالی خبر سمجھے گا یا دعوت بھی سمجھے گا۔ آہ! اللہ تعالیٰ دعوت دے رہے ہیں کہ اے لوگو! میں دعوت دیتا ہوں کہ میرے مقبول بندوں کو جلدی سے اپنا ساتھی بنالو۔ مگر اس رفاقت میں حسن ڈالنا حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا حسین رفاقت اختیار کرنا۔ حسین رفاقت جب ہوتی ہے جب اتباع بھی ہو۔ اپنے رفیق و مربّی کے مشوروں پر عمل بھی کیا جائے۔ وہ شخص حسنِ رفاقت سے محروم ہے جو شیخ کے بتائے ہوئے طریقوں سے الگ نفس کے کہنے پر عمل کرتا ہے۔

صراطِ منعم علیہم صراطِ مستقیم کا بدل الکل ہے

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جتنے اللہ والے ہیں یہ صراطِ مستقیم کے بدل الکل من الکل ہیں۔ اس بدل کے تین نام ہیں: بدل الکل من الکل، بدل المطابق، بدل الموافق یعنی صراطِ مستقیم پورا پورا اللہ والوں کا راستہ ہے، جس نے اللہ والوں کا راستہ اختیار نہ کیا وہ صراطِ مستقیم سے محروم ہے۔

کلام اللہ کا اعجازِ بلاغت اور علمائے نحو کی حیرانی

اب ایک علمی اِشکال اس پر یہ ہے کہ ترکیبِ بدل میں بدل مقصود ہوتا ہے مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا جیسے جَآءَنِیْ زَيْدٌ اَخُوْهُ آیا زید یعنی اس کا بھائی۔ تو زید نہیں آیا ہے، اس کا بھائی آیا ہے، بھائی اس کا بدل ہے یہاں اس کا بھائی مقصود ہے زید مقصود نہیں۔ اس پر اِشکال ہوتا ہے کہ جب مبدل منہ کلام میں غیر مقصود ہوتا ہے اور بدل مقصود ہوتا ہے تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مبدل منہ ہے تو نعوذ باللہ، اللہ کے کلام میں غیر مقصود بھی آگیا۔ تو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ مبدل منہ میں اللہ نے ایک لفظ بڑھا دیا جو بدل میں نہیں ہے۔ وہ کیا ہے؟ مستقیم، صفتِ استقامت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مبدل منہ میں صفتِ مستقیم نازل کر کے اور بدل میں یہ صفت نازل نہ کر کے اللہ نے اپنے کلام میں مبدل منہ کو بھی

---

[۲۰] تفسیر النسفی: ۱/۲۳۷، النسآء (۶۹)

مقصود بنادیا کہ دیکھو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ یہی مستقیم اور سیدھا راستہ ہے لیکن یہ صفت میرے مبدل منہ میں ہے بدل میں نہیں ہے لہٰذا میرا بدل بھی مقصود ہے اور میرا مبدل منہ بھی مقصود ہے لہٰذا علمائے نحات کے کہنے میں مت آنا، یہ قانون میرے بنائے ہوئے ہیں، یہ نحو کی قانون سازی میری عطا ہے، ان کی کھوپڑی کی عقل میں تھوڑی سی روشنی میں نے دی ہے۔ لہٰذا قانونِ نحوی کوئی چیز نہیں ہے میں نے اپنے کلام میں مبدل منہ میں مستقیم کا لفظ نازل کر کے اس کو مقصود بنادیا کیوں کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے قیامت تک کسی کو پتا نہ چلتا کہ یہ اللہ والوں کا راستہ مستقیم بھی ہے یا نہیں، سیدھا بھی ہے یا نہیں وہ مبدل منہ میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا کمالِ بلاغت ہے کہ ساری دنیا کے علمائے نحات، ساری کائنات کے قانون قواعد و گرامر کے عالم حتیٰ کہ علمائے عرب بھی حیرت زدہ رہ گئے کہ اللہ اکبر! کلام اللہ کی یہ بلاغت! ساری دنیا کے علمائے نحات کا اجماع ہے کہ ترکیبِ بدل میں مبدل منہ غیر مقصود ہوتا ہے، مقصود بدل ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ بلاغت سے مبدل منہ میں ایک صفت ایسی نازل کردی جو بدل میں نہ تھی جس سے خود مبدل منہ بھی مقصود ہوگیا۔ سارے علمائے نحات، ساری کائنات کی مخلوقات خدا کے سامنے کیا پیچتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت کے سامنے دنیا کے فصحاء اور بلغاء کیا بیچتے ہیں۔ ان کی کیا حقیقت ہے:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

منعم علیہم کا راستہ یہی بدل ہے، یہی صراطِ مستقیم ہے، یہی اللہ کا راستہ ہے جس نے اللہ والوں کا راستہ نہیں پکڑا وہ صراطِ مستقیم نہیں پاسکتا۔

مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ اپنے اور مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ غیر ہیں۔ اب آگے ہے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ دیکھو یہ نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین یہ ہمارے اپنے ہیں لیکن جن پر ہمارا غضب نازل ہوا یہ غیر ہیں، دیکھو غیروں سے مت ملنا۔

غیروں سے دل لگانے والا محروم رہتا ہے

منافقین والا کام مت کرنا، منافق کافروں سے بھی ملتے تھے اور صحابہ سے بھی ملتے تھے، جسم یہاں رکھتے تھے لیکن دل وہاں غیروں میں رکھتے تھے۔ جیسے جسم کوئی خانقاہ میں رکھے اور دل جوڑیا بازار میں رکھے یا الفنسٹن اسٹریٹ میں رکھے۔ اس شخص کو فائدہ ہوگا شیخ کی صحبت سے؟ جسم اور دل دونوں فدا کرو خانقاہوں پر، اللہ والوں پر، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ آپ کے دل کے اندر وہ باغبانی کرے گا کہ آپ ساری زندگی اس کا شکریہ

ادا کریں گے اور یہ مصرعہ پڑھیں گے؎

کا گا سے ہنس کیو اور کرت نہ لاگی بار

ہم تو کوّا تھے، گو کھاتے تھے۔ اے میرے شیخ! آپ نے کا گا سے مجھے ہنس چڑیا بنا دیا کہ اب ذکر اللہ کے موتی چگتے ہیں اور تمام گندے کاموں سے اللہ نے نجات عطا فرما دی۔

صراطِ مستقیم کے لیے مغضوب علیہم سے دوری بھی ضروری ہے

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنوں کا ذکر بھی نازل کیا اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ جن پر ہم نے انعام نازل کیا، یہ ہمارے اپنے ہیں لیکن غیروں کا بھی تذکرہ کر دیا غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ جن پر ہم نے غضب نازل کیا، جو گمراہ لوگ ہیں خبردار ان کو غیر سمجھنا اور ان کے اعمال کو بھی غیر سمجھنا، معذب قوموں کے اعمال سے احتیاط رکھنا۔ یہ نہیں کہ اب تم کو وہ قومِ لوط ملے گی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اب کہاں ہے لیکن جو ان کے اعمال کرتے ہیں گویا کہ وہ قومِ لوط کی معذب قوم سے رابطہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے محدثین نے لکھا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ جس قومِ معذب میں جو خصلت تھی آج جو شخص اس فعل کو کرے گا، معذب قوموں کے فعل کو اختیار کرے گا یعنی گناہ کرے گا تو اس کا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا اگر توبہ نہ کی اِنۡ لَّمۡ یَتُبۡ۔ اس لیے دوستو! غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ سے مراد ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل کیا۔

لہٰذا جو گمراہ لوگ ہیں ان سے بھی بچو اور ان کے اعمال سے بھی بچو، یہ نہیں کہ وہ ہم سے دور رہیں اور ہم عمل ان کا کرتے رہیں۔ جس فعل پر اللہ کا غضب نازل ہے، جس فعل سے اللہ ناراض ہے اس سے بھی احتیاط کرو کہ وہ معذب قوموں کا ورثہ ہے۔ ہر گناہ کسی نہ کسی معذب قوم کی وراثت اور ترکہ ہے۔

اب میں منعم علیہم کی تفسیر اور شرح کرنا چاہتا ہوں اور خصوصاً صدیقین کی شرح۔

نبی کی تعریف

مِنَ النَّبِیّٖنَ جن کو ہم نے نبوت سے نوازا یعنی جن انسانوں پر فرشتہ اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتا تھا مگر نبوت کا دروازہ اب بند ہو چکا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور تمام نبیوں کے سردار ہیں۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ پیغمبری اختیاری چیز نہیں ہے لیکن راہِ پیغمبری پر چلنا

اختیاری چیز ہے۔ شیطان و نفس کے کہنے پر ڈسٹمپری کا راستہ اختیار نہ کیجیے، راہِ پیغمبر پر چلیے۔

خدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، صورتیں بدلنے والی ہیں۔ بس چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔ اس چاند سے تعلق کرو جہاں اندھیرا نہیں ہوتا، اس سورج سے تعلق رکھو جو غروب نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کے چاند سورج ہیں۔ جس شخص کو حق تعالیٰ نے اپنی نسبت دے دی وہ خالقِ آفتاب سے وابستہ ہے، وہاں سورج غروب نہیں ہوتا، وہاں کبھی اندھیرا نہیں ہوتا اسی لیے اللہ والے ہر وقت مست رہتے ہیں۔ اپنے اللہ کے قرب کے آفتاب سے ہر وقت روشن رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روشن کر دیتے ہیں بشر طیکہ وہ اپنی زمین پیش کریں۔ کاشت کے لیے زمین بھی تو دیں یعنی نفس کو اصلاح کے لیے کسی اللہ والے کے حوالے کر دیں۔

شہید کی تعریف

تو نَبِیّٖن کا مطلب آپ نے سمجھ لیا اب شُھَدَاء کے معنیٰ بھی سمجھ لیجیے، شہداء وہ لوگ ہیں جن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر ایسا یقین آیا کہ اللہ کی راہ میں جان دے کر اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کی گواہی دے گئے۔ اُحد کے دامن میں ستر صحابہ ایک ہی دن میں شہید ہو گئے اور ہر جنازہ بزبانِ حال یہ شعر پڑھ رہا تھا، زبانِ قال سے نہیں، زبانِ حال سے گویا یہ کہہ رہا تھا ؎

اُن کے کوچہ سے لے چل جنازہ مرا
جان دی میں نے جن کی خوشی کے لیے

یہ شہداء کا طبقہ اسی لیے ہے۔ آج شہادت کا راز بتاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں خود فرمایا کہ یہ سمندر اور ایسے سات سمندر اگر روشنائی بن جائیں اور سارے عالم کے درخت قلم بن جائیں تو میری عظمتوں کو نہیں لکھ سکتے تب اللہ تعالیٰ نے اپنے شہیدوں کے خونِ شہادت سے اپنی عظمتوں کی تاریخ لکھوائی ہے اور جنگِ اُحد میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی کہ خبردار! دل چھوٹا مت کرنا، یہ ہم نے شہادت کا کوٹہ پورا کیا ہے ورنہ کافر اعتراض کرتے کہ مُنۡعَمۡ عَلَیۡہِمۡ میں شہداء کا وہ طبقہ کہاں ہے جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے۔ اگر ہم نہ چاہتے تو ایک بھی شہید نہیں ہو سکتا تھا لیکن وَیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُھَدَآءَ یہ شکست جو ہوئی اگر یہ نہ ہوتی تو ہم تم کو شہادت کا درجہ کیسے دیتے؟ تم کو مرتبۂ شہادت پر فائز کرنے کے لیے یہ سب انتظام ہوا ہے۔ اس راز کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا۔

صالحین کی تعریف

صالحین کے معنی مختصراً یہ ہیں کہ جن کی طبیعت میں ایسی سلامتی وصلاحیت ہے کہ وہ اتباعِ سنّت اور اتباعِ شریعت کرتے ہیں اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، ایسے لوگ صالح کہلاتے ہیں۔ مگر میں اس وقت صرف صدیقین کی شرح کرنا چاہتا ہوں جو اولیاء اللہ کا سب سے زیادہ اونچا طبقہ ہے تاکہ ہم سب آج ارادہ کرلیں کہ جب ہمارا تعلق مالک کریم سے ہے اس اللہ سے ہم اونچی ولایت اور اونچی دوستی کیوں نہ مانگیں، ولایتِ صدیقیت کا سوال کیوں نہ کریں؟ اپنی صلاحیت و قابلیت کو مت دیکھیے کیوں کہ کریم کی تعریف ہی یہ ہے کہ جو بدونِ صلاحیت اپنی نعمت کو دے دے۔

کریم کی شرح

پہلے کریم کی شرح سن لیجیے، کریم کی چار تعریفیں ہیں:

۱)... اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّۃِ کریم وہ ہے جو نالائقوں پر بھی مہربانی کردے۔ تو کریم وہ اللہ ہے جو نالائقوں پر بھی مہربانی کردے، مانگو تو سہی جب وہ قبول کرلیں گے تو اولیاء اللہ کے اعمال اور اخلاق دینا ان کے ذمہ ہے۔ ولایتِ صدیقیت مانگیے کہ اے اللہ! ہمیں اولیائے صدیقین میں شامل فرما۔ جب اللہ قبول فرمالیں گے تو اعمالِ صدیقین، اخلاقِ صدیقین، ایمانِ صدیقین، یقینِ صدیقین، کیفیاتِ احسانیہ صدیقین سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، آپ اللہ سے مانگیے تو۔ کریم کی دوسری تعریف ہے:

۲)... اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ مَسْئَلَۃٍ وَّ لَا وَسِیْلَۃٍ جو ہم پر مہربانی کردے بدونِ سوال اور وسیلہ کے۔ کریم کی تیسری تعریف ہے:

۳)... اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا وَلَا یَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ جو ہم پر مہربانی کردے اور اپنے خزانے کے ختم ہونے کا اس کو اندیشہ نہ ہو کیوں کہ اللہ غیر محدود خزانے والا ہے۔ کریم کی چوتھی تعریف ہے:

۴)... اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَا نَتَمَنّٰی بِہٖ[۲۱] جو ہم پر اتنی مہربانی کردے کہ جو ہماری تمناؤں سے بھی زیادہ ہو۔ مانگو ایک بوتل، دے دے ایک مشک۔ ایک بوتل شہد کوئی مانگے اور کریم دے دے ایک مشک۔ اللہ تعالیٰ اس طرح سے دیتا ہے۔

---

[۲۱] مرقاۃ المفاتیح: ۲۱۲/۳، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

صدّیقین کی تعریف

اولیائے صدیقین کون لوگ ہیں؟ صدیق وہ ولی اللہ ہے کہ نبی پر جو کچھ وحی نازل ہو، اس کا دل خود بخود اس کی تصدیق کرے یعنی صدیق آئینۂ نبوت ہوتا ہے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں صدیق کی تین تعریفیں کی ہیں:

۱)... اَلَّذِیْ لَا یُخَالِفُ قَالُہٗ حَالَہٗ صدیق وہ ہے جس کے قول میں اور جس کے حالِ باطن میں فرق نہیں ہوتا، جو زبان پر ہے وہی دل میں ہے۔ صدیقین وہ اولیاء اللہ ہیں جن کا قال اور حالِ باطن یکساں ہوتا ہے، جتنا ایمان ان کی زبان پر ہوتا ہے اتنا ہی ان کے قلب میں ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقامِ صدیقیت کو شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں قیامت کے دن دوزخ اور جنّت کو دیکھوں گا تو میرا ایمان ذرّہ برابر نہیں بڑھے گا، اتنا ایمان مجھے دنیا ہی میں حاصل ہے بہ صدقۂ صحبتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا رَاَیْتُ النَّارَ وَالْجَنَّۃَ یَوْمَ الْمَحْشَرِ مَا ازْدَدْتُّ یَقِیْنًا جب میں قیامت کے دن جنّت و دوزخ کو دیکھوں گا تو میرے یقین میں ذرّہ برابر اضافہ نہیں ہوگا، اتنا یقین تو مجھے دنیا ہی میں حاصل ہے۔

میرے مرشد شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا تھا کہ حضرت! آپ کی غلامی کے صدقے میں اللہ نے میرا ایمان ویقین اس مقام پر عطا فرمایا ہے کہ جب میں دنیا کی زمین پر چلتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں آخرت کی زمین پر چل رہا ہوں۔ اس پر حکیم الامت مجدد الملت تھانوی نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے وقت کا صدیق ہے۔ تو صدیق کی ایک تعریف ہے اَلَّذِیْ لَا یُخَالِفُ قَالُہٗ حَالَہٗ صدیق وہ ہے جس کا قال اور حال ایک ہو یعنی اس کے قول اور باطن میں فرق نہ ہو، زبان و دل ایک ہو جائے۔

۲)... اَلَّذِیْ لَا یَتَغَیَّرُ بَاطِنُہٗ مِنْ ظَاھِرِہٖ صدیق کی دوسری تعریف ہے: جس کا باطن ظاہری حالات سے متأثر نہ ہو، جس کا باطن اتنا زبردست اور قوی ایمان رکھتا ہو کہ ظاہری حالات سے متأثر نہ ہوتا ہو چاہے جرمن، جاپان، لندن کی تمام لڑکیاں اور سارے عالم کی ٹیڈیاں سامنے آجائیں، کچھ بھی ہو جائے لیکن کبھی مغلوب نہ ہوتا ہو، یہ نہ کہے کہ کیا کریں بھائی، ایسے حالات میں کیسے نظر بچائیں، کیا کریں خاندان کی وجہ سے مروت آگئی اس لیے وڈیو فلم بنوالی، ٹیپ ریکارڈ لگا تھا گانا سن لیا، کیا کہیں وہ نہیں کہتا،

وہ مؤثر ہوتا ہے، غالب ہوتا ہے۔

۳)... اَلَّذِیْ یَبْذُلُ الْکَوْنَیْنِ فِیْ رِضَا مَحْبُوْبِہٖ[۲۲] صدیق وہ ہے جو دونوں جہاں اللہ پر فدا کر دیتا ہے۔ ابھی کل میں نے عرب کے کچھ لوگوں کے سامنے یہ تعریف پیش کی تو ایک الجزائری نے پوچھا کہ میں دنیا تو اللہ پر فدا کر سکتا ہوں فَکَیْفَ اُفْدِی الْاٰخِرَۃَ لیکن آخرت کو کوئی انسان کس طرح فدا کر سکتا ہے۔

آخرت کو اللہ پر فدا کرنے کے معنیٰ

میں نے جواب دیا کہ آخرت کو فدا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ نیک کام اللہ کی رضا کے لیے کرو، جنّت کی لالچ میں نہ کرو۔ اللہ کی رضا درجۂ اوّلین میں ہو، جنّت کو درجۂ ثانوی میں کر لو۔ نیت یہ ہو کہ اے اللہ! میں یہ عمل جنّت کے لیے نہیں کر رہا ہوں آپ کو خوش کرنے کے لیے کر رہا ہوں لیکن چوں کہ جنّت آپ کا محلِ لقاء اور محلِ دیدار ہے اس لیے جنّت کا بھی سوال کرتا ہوں لیکن مقصود آپ کی رضا ہے۔ بس آپ نے آخرت فدا کر دی، جنّت کو اللہ پر فدا کر دیا اور دوزخ کے ڈر سے گناہ مت چھوڑو، اللہ کی ناراضگی کے خوف سے چھوڑو۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لیے گناہ چھوڑو اور جہنم کو درجۂ ثانوی میں کر لو ان شاء اللہ! آپ نے جنّت و جہنم اور آخرت کو فدا کر دیا۔ یہ سن کر اس عرب نے کہا: سبحان اللہ اور بہت خوش ہوا اور یہ میں نے کہاں سے حاصل کیا؟ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست دل میں یہ شرح عطا فرمائی۔ اس کے بعد حدیثِ پاک کی دلیل بھی مل گئی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ[۲۳]

اے خدا! میں تجھ سے تیری رضا اور تیری خوشی مانگتا ہوں اور جنّت کو بعد میں مانگتا ہوں۔ جنّت کو بعد میں بیان کیا پہلے کیا مانگا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ رِضَاكَ اے اللہ! میں تیری رضا چاہتا ہوں وَالْجَنَّۃَ اور جنّت بھی۔ جنّت کو درجۂ ثانوی میں کیا اور وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ میں تیری ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں وَالنَّارِ اور دوزخ سے۔ دوزخ کو درجۂ ثانوی میں کیا۔ پہلے اللہ کی ناراضگی سے پناہ مانگی۔ اس حدیث سے اخترؔ نے یہ سمجھا کہ آخرت یوں فدا کی جاتی ہے۔ بس صدیق کی آخری تعریف ہے

---

۲۲ روح المعانی: ۱۳/۷۸، یوسف (۴۶)، دار احیاء التراث، بیروت

۲۳ مسند الامام الشافعی: ۱۲۳/ تفسیر اللباب لابن عادل: ۱۷/۵۱۹، الفتح (۲۹)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

اَلَّذِیْ یَبْذُلُ الْکَوْنَیْنِ فِیْ رِضَا مَحْبُوْبِہٖ جو اللہ پر دونوں جہاں فدا کر دے۔ بس دعا کیجیے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

مقامِ صدیقین

سب سے اونچے درجے کے اولیاء اللہ جو ہیں ان کا نام صدیقین ہے مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ شہیدوں سے زیادہ صدیقین کا درجہ ہے اگرچہ وہ زندہ ہیں۔

صدیقین کے شہداء سے افضل ہونے کی وجہ

شہداء گردن کٹا کے بھی صدیقین کا درجہ نہیں پاسکتے۔ کیوں؟ وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ بھی میرے شیخ فرماتے تھے کہ صدیق کارِ نبوت کی تکمیل کرتا ہے اور شہید کی گردن کٹ گئی تو اب کارِ نبوت کو انجام نہیں دے سکتا، خود تو فدا ہو گیا مگر کارِ نبوت کو صدیق انجام دیتا ہے۔ تو نبی صدیق سے افضل اور صدیق شہداء اور صالحین سے افضل ہوتا ہے۔

جانِ پاکِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت

اور خود نبوت کی جان عاشقِ صدیقیت ہوتی ہے۔ اس کی دلیل پیش کرتا ہوں۔ غزوۂ اُحد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شوقِ شہادت میں اپنی تلوار کو میان سے نکالا اور کافروں پر جھپٹے کہ اے کافرو! آج تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا یا صدیق شہید ہو گا کیوں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ نبوت سر سے پیر تک بہہ رہا ہے اور صدیق کی جانِ عاشق اس بات سے قاصر ہے کہ اپنے نبی کا خون بہتا ہوا دیکھے لیکن جب وہ شوقِ شہادت میں جھپٹے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جھپٹے، وہ جھپٹے کافروں پر اور نبی جھپٹا صدیق پر کہ خبردار شِمْ سَیْفَكَ اپنی تلوار کو میان میں رکھ لے اے ابو بکر صدیق! لَا تَفْجَعْنَا بِنَفْسِكَ مجھے اپنی جدائی سے غمگین مت کر۔

معلوم ہوا کہ جانِ نبی مشتاق تھی حیاتِ صدیق کی۔ لہٰذا یاد رکھو کہ بعض بندے زندہ ہیں مگر شہیدوں سے افضل ہیں اگر صدیقین کے درجہ پر ہیں۔ یہ شرط لگادی جس سے غلط فہمی کا اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔

دروازۂ صدیقیت قیامت تک کھلا رہے گا

اللہ تعالیٰ نے اولیائے صدیقین کا سب سے اونچا مقام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا ہے اور میرے شیخ فرماتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صدیقیت ختم نہیں ہے، صدیقیت کا دروازہ قیامت تک کے لیے کھلا رہے گا۔ دلیل سن لو۔ میں تصوف ان شاء اللہ! بلا دلیل پیش نہیں کروں گا:

فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا

صدیقین جمع ہے یا مفرد؟ جمع کا لفظ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صدیقیت ختم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو فرمایا خاتم النبیّین لیکن صدیقِ اکبر کو خاتم الصدیقین نہیں فرمایا کہ صدیقِ اکبر پر صدیقیت ختم ہے، اور حدیث میں ہے کہ لَا نَبِیَّ بَعۡدِیۡ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے مگر کس حدیث میں ہے کہ میرے صدیقِ اکبر کے بعد کوئی صدیق نہیں ہے، لہٰذا قیامت تک صدیقین پیدا ہوتے رہیں گے لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا صدیق اب کوئی نہیں ہو سکتا کیوں کہ آپ کی صدیقیت معیتِ سیدُ الانبیاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہے اور قیامت تک آنے والا کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی کسی ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا اور حضرت صدیق اکبر تو صحابہ میں بھی سب سے افضل ہیں اور اَفۡضَلُ الۡبَشَرِ بَعۡدَ الۡاَنۡبِیَآءِ ہیں لیکن اولیائے صدیقین قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے لہٰذا صدیقیت کے اس اعلیٰ مقام پر جانے کی تمنا ہے کہ نہیں؟ یہ بتاؤ کیا مرنے کے بعد دوبارہ کسی کو آنا ہے، جو محنت کرنی ہے ابھی کر لو، مرنے کے بعد دوبارہ حیات نہیں ملے گی، پچھتاؤ گے۔ لہٰذا اولیائے صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچنے کے لیے اختر آج آپ کو تدبیر پیش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اپنی تقریر پر توفیقِ عمل دے اور آپ کو بھی توفیقِ عمل دے کیوں کہ مقرر بھی اپنی تقریر پر عمل کرنے کے لیے توفیقِ خدا تعالیٰ کا محتاج ہے۔

صدیق کی پہلی تعریف

اَلَّذِیۡ لَا یُخَالِفُ قَالُہٗ حَالَہٗ صدیق اس ولی اللہ کو کہتے ہیں جس کا قال اور حال ایک ہو، جس کی زبان اس کے حال کے خلاف نہ جائے جیسا قول ہو ویسا عمل ہو، بعض وقت حال آدمی زیادہ دِکھاتا ہے اور نعرہ بھی مارتا ہے مگر مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو سنّت کا متبع نہیں ہے اس کا حال بھی قبول نہیں ہے۔

صدیق کی دوسری تعریف

اَلَّذِیْ لَا یَتَغَیَّرُ بَاطِنُہٗ مِنْ ظَاھِرِہٖ جس کے باطن میں تغیر نہ ہو اگرچہ ظاہر کچھ بھی ہو۔ نسبت اتنی قوی ہو جائے کہ مسجد کے گوشہ میں جتنا باخدا ہو اتنا ہی کلفٹن اور بندر روڈ پر بھی باخدا ہو، جتنا قرب اس کو کعبہ شریف میں حاصل ہے اتنا ہی قرب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سارے عالم میں ہو کیوں کہ کعبہ والا اس کے ساتھ ہے، کعبہ والا اس کے دل میں ہے۔

صدیق کی تیسری تعریف

اَلَّذِیْ یَبْذُلُ الْکَوْنَیْنِ فِیْ رِضَا مَحْبُوْبِہٖ صدیق وہ اعلیٰ درجہ کا ولی اللہ ہے جو دونوں جہاں اللہ پر فدا کرتا ہے اور دونوں جہاں فدا کر کے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں خود کو قاصر سمجھتا ہے۔ شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مجذوب نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے خدا! میں آپ کی کیا قیمت ادا کروں کہ آپ مجھ کو مل جائیں تو آسمان سے آواز آئی کہ دونوں جہاں مجھ پر فدا کر دے، اس مجذوب نے کہا ؎

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتئی
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے خدا! آپ نے اپنی قیمت دونوں جہاں فرمائی ہے۔ آپ دام اور بڑھایئے کہ ابھی تو آپ سستے معلوم ہوتے ہیں اگر دونوں جہاں دے کر بھی اے خدا! آپ مل جائیں تو بھی آپ کی قیمت کا حق ادا نہیں ہوا۔ دونوں جہاں دے کر بھی آپ سستے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدیق وہ ہے جو دونوں جہاں محبوبِ حقیقی پر فدا کر دے۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ دنیا تو ہم دیں گے مگر آخرت کیسے دیں؟ میں نے کہا کہ اس کا جواب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اللہ کی رضا کو مقدم رکھو، جنّت کو درجۂ ثانوی میں رکھو تو گویا تم نے آخرت بھی دے دی۔ حدیثِ پاک ہے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَ الْجَنَّۃَ[۲۴] اے اللہ! تو مجھ سے راضی ہو جا اور میں تجھ سے جنّت بھی مانگتا ہوں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درخواست میں درجۂ اوّلیت میں اللہ کی رضا رکھ کر اور درجۂ ثانویت میں جنّت کو رکھ کر اپنے عشقِ نبوّت کا مقام اُمّت کو بتا دیا کہ دیکھو نبی کیسا عاشق ہوتا ہے۔ صدیق کی یہ تین تعریفیں ہو گئیں۔

[۲۴] مسند الامام الشافعی: ۱۲۳/ تفسیر اللباب لابن عادل: ۵۱۹/۱۷، الفتح (۲۹)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

صدیق کی چوتھی تعریف

اب چوتھی تعریف جو اختؔر کو اللہ نے عطا فرمائی کہ صدیق وہ ولی اللہ ہوتا ہے جو اپنی زندگی کی ہر سانس کو اللہ تعالیٰ پر فدا کرتا ہے اور اپنی زندگی کی ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے، اللہ کے غضب وقہر کے اعمال سے لذّتِ حرام کو کشید، چشید اور دید وشنید نہیں کرتا۔ وہ معصوم نہیں ہوتا، لیکن اگر کبھی صدورِ خطا ہو جائے تو اتنا روتا ہے کہ فرشتے بھی لرزہ براندام ہو جاتے ہیں کہ اللہ کو دیکھے بغیر یہ بندے سجدہ میں اپنے گناہوں کو یاد کرکے کتنا رو رہے ہیں، آہ وزاری سے، استغفار سے بے قراری کا اظہار کر رہے ہیں، ان کا ایمان بالغیب ہمارے ایمان بالشہادۃ کے لیے قابلِ رشک ہے۔ اس لیے فرشتے ہماری مجالسِ ذکر میں آتے ہیں اور ایک فرشتہ دوسرے فرشتوں کو دعوت دیتا ہے کہ چلو کچھ بندے بیٹھے ہوئے اللہ کی محبت کی بات سن رہے ہیں۔ وہ ہمارے اس ذکر پر رشک کرتے ہیں، کیوں کہ دیکھتے ہیں کہ ہم ایمان بالشہادۃ میں ہیں، ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں، یہ بغیر دیکھے اللہ پر فدا ہو رہے ہیں۔ تو ہماری فداکاری اور وفاداری پر وہ رشک کرتے ہیں کہ اللہ کو دیکھا بھی نہیں مگر اپنے دل کی خوشیوں کا خون کر رہے ہیں اور جنگِ اُحد میں ستّر شہید اپنی گردن کٹا کر اپنے خونِ شہادت سے اللہ کی عظمتوں کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔

تو آپ نے یہ چوتھی تعریف سن لی کہ صدیق وہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنا چپک جائے اور محبت کی جڑ دل کی گہرائیوں میں اس قدر اُتر جائے کہ اگر اس گہری جڑ والے درخت کو بڑے سے بڑے پہلوان بھی ہلائیں تو اس سے چرچر کی آواز بھی نہ آئے یعنی سارے عالم کے حسین، سارے عالم کی لیلائیں اس کو اُکھاڑنا چاہیں تو اُکھاڑنے والوں کے پسینے چھوٹ جائیں مگر اس کی جڑیں ایک اعشاریہ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ایمان ویقین کو ہمارے دل کی اتنی گہرائیوں میں داخل کر دے اور اس قدر مضبوط ایمان عطا فرما دے کہ سارا عالم ہماری حیات کو اللہ کی نافرمانی میں ایک لمحہ کو بھی مشغول نہ کر سکے، آمین۔

آیت نمبر ۲

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ [۲۵]

ترجمہ: بند لگادیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے سزا بڑی ہے۔

اب اگر کوئی کہے کہ جب اللہ نے مہر لگادی تو ایمان نہ لانے میں اہلِ کفر کا معذور ہونا لازم آتا ہے تو اس کا جواب حکیم الامت نے بیان القرآن میں دیا کہ ان کے مسلسل کفر وطغیان اور بغض وعناد اور مخالفتِ حق کے سبب ان کے اندر قبولِ حق کی استعداد ہی ختم ہوگئی حالاں کہ جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے اندر قبولِ حق کی استعداد رکھ کر دنیا میں بھیجا ہے لیکن آدمی اپنی اغراضِ نفسانی وخود غرضی اور ضد اور سرکشی کے سبب حق کی مخالفت کرتا ہے جس سے وہ استعداد فنا ہوجاتی ہے۔ لہٰذا جب انہوں نے طے کرلیا کہ ہم تمام عمر کفر پر قائم رہیں گے اور کبھی ایمان نہ لائیں گے، ہمیشہ حق کی مخالفت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر مہر لگادی کہ جب تم نے قبولِ حق کی اپنی استعداد ہی برباد کرلی تو جاؤ اب کفر ہی پر مرو تو اس مہر لگانے کا سبب ان کا کفر ہے نہ کہ یہ مہر اُن کے کفر کا سبب ہے یعنی ان کے مسلسل کفر کے سبب یہ مہر لگادی گئی یہ نہیں کہ مہر لگانے سے کفر اُن کا مقدر ہوا۔ اور اس کی مثال حضرت حکیم الامت نے عجیب دی کہ جیسے کوئی کریم کسی مفلس کا ہزار روپے وظیفہ مقرر کردے لیکن وہ نالائق بجائے قدر کرنے کے ہزار روپے کے نوٹوں کو جلا کر ضایع کردیتا ہے۔ کریم نے بارہا اس نامعقول حرکت سے منع بھی کیا لیکن وہ نالائق اپنی حرکت سے باز نہیں آتا تب وہ کریم اعلان کرتا ہے کہ اس نے مسلسل ہمارے عطیہ کی ناقدری کی لہٰذا اب ہم اس کا وظیفہ بند کرتے ہیں اور اب کبھی اس کو وظیفہ نہ دیں گے۔ بس یہی ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اور قرآن پاک کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے چناں چہ اس آیت کی تفسیر دوسری آیت میں ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

۲۵ البقرۃ:۷

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ [۲۶]

ہم نے ان کافروں کے دلوں پر جو مہر لگائی ہے اس کا سبب ان کا کفر ہے کہ ان کا ارادہ تاحیات اس طغیان وسرکشی پر قائم رہنے کا ہے۔ لہٰذا یہ مہر اُن کے کفر وسرکشی کا خمیازہ ہے۔

حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ کافر مثلاً پچاس سال کفر کرتا ہے اور مؤمن پچاس سال ایمان پر رہتا ہے تو عدل کا تقاضا یہ تھا کہ کافر کو پچاس سال دوزخ میں ڈال دیا جاتا اور مؤمن کو پچاس سال کے لیے جنّت دے دی جاتی لیکن کافر کے لیے خُلُوْدٌ فِی النَّارِ اور مؤمن کے لیے خُلُوْدٌ فِی الْجَنَّةِ کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خلود بوجہ ان کی نیت اور ارادہ کے ہے چوں کہ کافر کا ارادہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہوں گا تو کفر پر ہی قائم رہوں گا لہٰذا اس کی اس نیت کی وجہ سے اس کے لیے خُلُوْدٌ فِی النَّارِ ہے اور مؤمن کی نیت چوں کہ یہ ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہا تو ایمان پر ہی رہوں گا، اللہ ہی کا ہو کر رہوں گا اس لیے مؤمن کے لیے خُلُوْدٌ فِی الْجَنَّةِ ہے۔

آیت نمبر ۳

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ [۲۷]

ترجمہ: اور قائم کرو تم لوگ نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔

نماز باجماعت کو رکوع سے تعبیر کرنے کی حکمت

ایک حکمت بیان کرتا ہوں جو روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ جماعت کا وجوب سارے علماء کے نزدیک اس آیت سے ثابت ہے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ، مگر ترجمہ اس کا یہ ہے کہ صَلُّوْا مَعَ الْمُصَلِّیْنَ نماز پڑھو نمازیوں کے ساتھ، لیکن جماعت کی پوری نماز کو اللہ تعالیٰ نے رکوع سے کیوں تعبیر کیا جب کہ رکوع تو نماز کا ایک جز ہے۔ بلاغت میں اس کا نام

۲۶؎ النّسآء: ۱۵۵

۲۷؎ البقرۃ: ۴۳

مجازِ مرسل ہے، یہ تَسۡمِیَۃُ الۡکُلِّ بِاسۡمِ الۡجُزۡءِ ہے یعنی ایک جزو سے کل کو تعبیر کرنا، لیکن مجازِ مرسل میں کوئی حکمت ہونی چاہیے جس کی وجہ سے ایک جزو کل کو تعبیر کیا گیا۔ اس کی وجہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ السید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ چوں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے اس امّت کو رکوع کی دولت عطا فرما کر امتنانِ نعمت کے طور پر فرمایا: وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ تاکہ ہماری نعمت کی قدر کرو۔

جماعت کے وجوب کا ایک عاشقانہ راز

اور یہ نکتہ شاید پہلی دفعہ آپ مجھ ہی سے سنیں گے کہ عشق کو زندہ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جماعت کی نماز کو واجب فرمایا۔ جماعت کے وجوب میں یہ راز چھپا ہوا ہے کہ چاہے تم کو تنہائی کی عبادت میں بڑا سکون مل رہا ہو مگر تم فاسقین کے رجسٹر سے نہیں نکل سکو گے جب تک مسجد میں جماعت سے نماز نہیں پڑھو گے تاکہ میرے عاشقوں کی ملاقات تم پر اختیاری نہ رہے، لازمی (compulsory) اور ضروری ہو جائے، اگر عشق تنہا زندہ رہتا تو نمازیں تنہائی میں پڑھنے کا حکم ہوتا، جماعت کی نماز واجب نہ ہوتی لیکن چوں کہ عشق کی حقیقت یہ ہے کہ عشق تنہا زندہ نہیں رہ سکتا، عاشقوں میں زندہ رہتا ہے اور صرف زندہ ہی نہیں رہتا بلکہ بڑھ جاتا ہے، ترقی بھی ہوتی رہتی ہے۔

پس عشق کی عطا اور بقاء اور ارتقاء موقوف ہے عاشقوں کی صحبت پر، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جماعت کو واجب فرما دیا تاکہ میرے عاشقوں کی ملاقات سے بندوں کو عشق عطا بھی ہو اور بقاء بھی ہو اور ارتقاء بھی ہو، تاکہ میرے عاشق ترقی کرتے رہیں، محبت کی کسی منزل پر نہ ٹھہریں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہے ست

اللہ تعالیٰ کا راستہ غیر محدود راستہ ہے اس لیے جس منزل پر پہنچو اس سے آگے بڑھو۔

جمعہ و عیدین و حج کے اجتماعات کا مقصد

اس لیے اللہ تعالیٰ نے جماعت پنجگانہ کے وجوب پر ہی اکتفا نہیں فرمایا، عاشقوں کی تعداد بڑھانے کے لیے جامع مسجد میں جمعہ کے اجتماع کو فرض کر دیا کہ جتنا عاشقوں سے ملاقات بڑھے گی تمہارے عشق میں

اضافہ ہو گا اور سال میں عید اور بقر عید کے اجتماع کا حکم دے دیا تاکہ عاشقوں کی تعداد اور زیادہ بڑھ جائے اور زیادہ عاشق ایک دوسرے سے ملیں۔ اس لیے حکم دے دیا کہ ایک راستے سے جاؤ اور دوسرے راستے سے آؤ۔ اس سنّت کا راز ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ راستہ بدلنے میں ایک فائدہ تو یہ ہے کہ راستے میں قبرستان پڑیں گے اور مردوں کے لیے ایصالِ ثواب کی توفیق ہو جائے گی۔ جس سے مُردوں کو فائدہ ہو گا۔ دوسرے یہودیوں، نصرانیوں کے گھر پڑیں گے تو مسلمانوں کی تعداد دیکھ کر ان پر دہشت اور رعب طاری ہو گا۔

اور اس کے بعد اگر استطاعت ہو تو حج کا اجتماع فرض کر دیا کہ حرمین شریفین میں حاضری دو مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا حج کی فرضیت کا ایک راز عشاق کی بین الاقوامی ملاقات بھی ہے کہ ہر ملک کے اولیاء اللہ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک تو کعبہ کا اپنا نور ہے مگر کعبہ میں جو اولیاء اللہ ہوتے ہیں ان کا نورِ باطن بھی اس فضا میں شامل ہو تا ہے۔ اس لیے کعبہ میں قدم رکھتے ہی نورِ ایمان بڑھ جاتا ہے۔

آیت نمبر ۴

وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ [۲۸]

---

[۲۸] البقرۃ: ۱۲۹-۱۲۷

ترجمہ: اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل (علیہ السلام) بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار یہ خدمت ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں ۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنالیجیے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجیے جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی بتلادیجیے اور ہمارے حال پر توجہ رکھیے (اور) فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے، مہربانی کرنے والے۔ اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں سے ایک ایسے پیغمبر بھی مقرر کیجیے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو (آسمانی) کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کردیں بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدرت، کامل الانتظام۔

اصلاحِ قلب کی اہمیت

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے دو پیغمبروں یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ دیکھیے دل کی اصلاح جو ہے نہایت اہم چیز ہے۔ اگر دل کی اصلاح نہ ہو تو کعبہ شریف میں بھی مزہ نہیں آئے گا۔ اللہ کے گھر کا وہی مزہ لیتا ہے جو گھر والے سے محبت رکھتا ہے۔ آپ کسی کے گھر جائیں لیکن گھر والے سے محبت نہیں تو مزہ نہیں آئے گا۔ اس لیے میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے ایک بزرگ سے کہا کہ میں حج کرنے جارہا ہوں، فرمایا: فرض حج کرلیا؟ عرض کیا جی ہاں کرلیا۔ تو اس بزرگ نے فرمایا کہ جس کے گھر جارہے ہو کیا اس گھر والے سے تمہاری جان پہچان بھی ہے؟ کہا: جان پہچان تو نہیں ہے، فرمایا کہ ایک سال میرے پاس رہ جاؤ۔ ایک سال کے بعد جب گئے تو اتنا مزہ آیا کہ دس بارہ جو حج کیے تھے اس کے سامنے کچھ نہیں تھے۔ جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت ہوگی اتنی ہی کعبہ شریف کی عظمت اور اس کا مزہ آئے گا۔

طوافِ بیت الرّب اور طوافِ ربّ البیت

اولیاء اللہ کو بیت الرّب سے ربّ البیت مل جاتا ہے۔ اللہ والے بیت اللہ کا، خالی (اللہ کے گھر کا) طواف نہیں کرتے وہ صاحبِ خانہ کا بھی طواف کرتے ہیں۔ ان کو خالی گھر کی زیارت نصیب نہیں ہوتی، بصیرتِ قلب سے صاحبِ خانہ کی بھی زیارت ہوتی ہے۔

مسلمان بیت اللہ کو نہیں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں

اسی لیے میرے شیخ نے فرمایا کہ ایک ہندو نے کہا کہ مولوی صاحب! ہم کو پتھر کے بُت پوجنے سے منع کرتے ہو لیکن آپ کا کعبہ شریف جہاں آپ لوگ سجدہ کرتے ہو وہ بھی تو پتھر کا ہے۔ پھر ہم میں اور آپ میں کیا فرق ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان کیا فرق ہے؟ میں پتھر کا بت پوجتا ہوں اور تم کعبہ شریف جو پتھر کا ہے وہاں سجدہ کرتے ہو، یہ واقعہ میرے مُرشدِ اوّل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔ ان مولانا نے ہندو کو جواب دیا۔

کافر ہے جو سجدہ کرے بت خانہ سمجھ کر
سر رکھا ہے ہم نے درِ جانانہ سمجھ کر

اگر ہم کعبہ کو سجدہ کریں تو ہم کافر ہو جائیں، ہم نے تو محبوب کی چوکھٹ پر سر رکھا ہے کہ میرے محبوب کا گھر ہے، ہم گھر کو سجدہ نہیں کرتے گھر والے کو سجدہ کرتے ہیں، یہ تو محض سمت ہے، یہ تو ہمارے محبوب نے رُخ بتایا ہے کہ جب کعبہ کی طرف تمہارا رُخ ہو گا تو تمہاری نماز بھی قبول، سجدہ بھی قبول، یہ رُخ اللہ تعالیٰ نے متعین فرمایا ہے۔ بیت اللہ کو سجدہ کرنے کو خدا نے نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بیت اللہ جو ہے یہ اللہ ہے۔ فرمایا کہ یہ تو ہمارا گھر ہے، طواف کرنے کے لیے، حج کے ارکان ادا کرنے کے لیے، اس کو خدا مت سمجھنا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجرِ اسود کا بوسہ لیا تو آپ رونے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر! کیوں روتے ہو؟ عرض کیا کہ جب خدا کا رسول رو رہا ہے تو میں نہ روؤں؟ اور حجرِ اسود کو یمین اللہ فرمایا گیا بطور نشانی کے لیکن حجرِ اسود بھی خدا نہیں ہے۔ یاد رکھو! بیت اللہ اور ہے، ربّ البیت اور ہے، وہ تو رُخ ہے، حکم ہے کہ اس طرف سجدہ کرو، اس طرف نماز پڑھو اور اگر کسی کو جگہ نہیں معلوم کہ کعبہ کس طرف ہے، نہ قبلہ نما پاس ہے، نہ کوئی بتانے والا ہے تو تحری کر لو، دل میں سوچو،

دل جس طرف کو گواہی دے کہ اس طرف کعبہ ہے تو اندازے سے جو رُخ کرلو گے نماز ہو جائے گی۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کی تفسیر

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ آپ سننے والے، جاننے والے ہیں۔ ان دو ناموں سَمِیْعٌ اور عَلِیْمٌ کے نزول کی وجہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی یہ دو صفات کیوں نازل فرمائیں؟ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی سَمِیْعٌ بِدَعْوَاتِنَا آپ ہماری دعا کو سن رہے ہیں وَعَلِیْمٌ بِنِیَّاتِنَا[۲۹] اور ہماری نیت سے آپ باخبر ہیں کہ ہم نے آپ ہی کے لیے یہ کعبہ بنایا ہے۔ سبحان اللہ! کتنی پیاری تفسیر کی۔

سَمِیْعٌ اور عَلِیْمٌ کا ربط

سَمِیْعٌ اور عَلِیْمٌ میں ایک خاص ربط ہے۔ دنیا میں آدمی بعض وقت سنتا تو ہے لیکن دل کے حال سے باخبر نہیں ہوتا۔ سمیع تو ہوتا ہے علیم نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کے سامنے اس کی خوب تعریف کر رہا ہے لیکن دل میں بغض رکھتا ہے تو دوسرا شخص سن تو رہا ہے لیکن دل کے بغض سے بے خبر ہے۔ سمیع تو ہے علیم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ محال ہے کیوں کہ وہ ہر ظاہر و باطن سے باخبر ہیں لہٰذا دونوں پیغمبروں نے سمیع کے بعد علیم فرمایا کہ آپ ہماری دعا کو سنتے بھی ہیں اور ہمارے دل کے حال سے بھی باخبر ہیں کہ ہم نے صرف آپ کے لیے کعبہ تعمیر کیا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ سے کیا مراد ہے؟

اس کے بعد دونوں پیغمبروں نے دعا مانگی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ سے کیا مراد ہے؟ کیوں کہ مسلمان تو وہ تھے ہی، کیوں کہ پیغمبر تو مسلمان ہی ہوتا ہے۔ وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ ہم کو مسلمان بنادیجیے بلکہ یہ معنیٰ ہیں کہ مسلمان تو ہم ہیں ہی، اے اللہ! ہم دونوں کو آپ اور زیادہ مطیع و فرماں بردار بنالیجیے، ہمارے اخلاص میں اور زیادہ ترقی عطا فرمائیے جو ایمان و یقین اور اطاعت واخلاص اس وقت ہمیں حاصل ہے اس سے اور زیادہ اعلیٰ درجہ کا عطا فرمادیجیے۔ یہاں یہ مراد ہے۔ اس لیے

---

۲۹ روح المعانی: ۱/۳۸۵، البقرۃ (۱۲۷)، دار احیاء التراث، بیروت

صرف ترجمہ دیکھنا کافی نہیں، ترجمہ کے ساتھ تفسیر دیکھنا بھی ضروری ہے اور تفسیر میں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو علماء سے پوچھنا چاہیے ورنہ آدمی بالکل غلط معنیٰ سمجھتا ہے، مسلمین کے بارے میں وہ سوچے گا کہ نبی تو مسلمان ہوتے ہی ہیں پھر وہ مُسْلِمَیْنِ لَکَ کی دعا کیوں کر رہے ہیں لیکن تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد اخلاص و اطاعت و فرماں برداری میں ترقی کی طلب ہے۔

تمام مناسکِ حج وحی سے بتائے گئے

وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا اور ہم کو حج کے احکام بھی بتلا دیجیے کہ حج کس طرح کیا جائے، طواف کس طرح کریں، منیٰ میں کب قیام کیا جائے اور وقوفِ عرفات کا دن اور وقت اور قیامِ مزدلفہ غرض حج کے پورے احکام اور طریقے ہمیں بتا دیجیے وَ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا میں تمام احکامِ حج شامل ہیں۔ اس لیے مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ حج میں جتنے کام کرتے ہیں یہ کوئی من گھڑت اور خیالی پلاؤ نہیں ہے بلکہ جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے حج کا پورا طریقہ اور احکام بتائے۔

کعبہ شریف زمین کے بالکل وسط میں ہے

اور کعبہ شریف جہاں واقع ہے وہ پورے عالم کا وسط ہے۔ آج دنیائے سائنس اور پوری دنیائے کفر حیران ہے کہ زمین کے بالکل بیچوں بیچ بالکل وسط میں کعبہ شریف کیسے بنایا گیا جب کہ اُس وقت پیمائش کے آلات نہیں تھے، سائنس کی ترقی نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتا دیا کہ یہاں کعبہ کی بنیاد رکھو جو وسط ہے دنیا کا۔

تفسیر تُبْ عَلَیْنَا

وَ تُبْ عَلَیْنَا اور ہم پر توجہ فرمائیے یعنی اپنی توجہ و مہربانی کو ہم پر قائم رکھیے۔ تُبْ عَلَیْنَا کی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اَیْ وَفِّقْنَا لِلتَّوْبَةِ[۳۰] یعنی ہم کو توفیقِ توبہ دیجیے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ سے مراد توفیقِ توبہ ہے، جس کو توفیقِ توبہ نہیں ہے وہ اللہ کی رحمت اور مہربانی سے بہت دور ہے، مقامِ بُعد میں مبتلا ہے۔

۳۰؎ روح المعانی:۱۱/۴۲،التوبۃ(۱۱۸)،دار احیاء التراث،بیروت

انبیاء علیہم السلام کی توبہ سے کیا مراد ہے؟

یہاں پر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اِشکال قائم کیا کہ پیغمبر سے تو گناہ کا ارتکاب نہیں ہو سکتا کیوں کہ نبی تو معصوم ہوتا ہے پھر یہاں دونوں پیغمبر کیوں توفیقِ توبہ مانگ رہے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا کہ عوام کی توبہ اور ہے خواص کی توبہ اور ہے اور یہاں نہ عوام کی توبہ مراد ہے نہ خواص کی بلکہ یہ اخص الخواص کی توبہ ہے یعنی عام مسلمانوں کی توبہ ہوتی ہے گناہوں سے اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْمَعْصِیَۃِ اِلَی الطَّاعَۃِ اور خواص امت کی توبہ ہوتی ہے غفلت سے اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَفْلَۃِ اِلَی الذِّکْرِ۔[۳۱] اور یہ توبہ اخصّ الخوّاص کی ہے یعنی پیغمبروں کی توبہ ہے جس کا ترجمہ ہو گا اور ہمیں توفیقِ توبہ دیجیے لِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ وَ التَّرَقِّیْ فِی الْمَقَامَاتِ یعنی ہم قرب کے جس مقام پر اب ہیں اس میں اور ترقی عطا فرمائیے اور ہم دونوں کے درجات اور بلند کر دیجیے ہمارے مقامِ قرب میں اور ترقی دیجیے۔ دیکھیے تفسیر روح المعانی۔ خوب سمجھ لیں کہ یہ توفیقِ توبہ گناہ سے نہیں ہے کیوں کہ نبی معصوم ہوتے ہیں، ان سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتے۔ اگر اکابر کی تفاسیر نہ دیکھی جائیں تو آدمی کو اشکال پیدا ہو جائے گا کہ پیغمبر آخر کس بات کی توبہ مانگ رہے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں اتنے بڑے اِشکال کو دو جملوں میں حل کر دیا کہ پیغمبروں کی توبہ لِرَفْعِ الدَّرَجَاتِ وَالتَّرَقِّیْ فِی الْمَقَامَاتِ ہے یعنی رفع درجات اور مقامِ قرب میں ترقی کی درخواست ہے۔[۳۲]

تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ کے تقدم و تأخر کے دو عجیب نکتے

اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ اور بے شک آپ تَوَّابٌ بھی ہیں، رَحِیْمٌ بھی ہیں یعنی آپ توجہ فرمانے والے، مہربانی فرمانے والے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تَوَّابٌ کو پہلے کیوں نازل کیا اور رَحِیْمٌ کو بعد میں کیوں نازل کیا؟ اس کا عجیب نکتہ بیان فرمایا جو قابلِ وجد ہے۔ دوستو! سن لو! پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ اس تقدم و تاخر کا راز یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اس کو پہلے توفیقِ توبہ دیتا ہے۔ تَوَّابٌ کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مقدم فرمایا کہ ہم جس پر رحمت نازل کرتے ہیں پہلے اس کو توفیقِ توبہ دیتے ہیں اور توبہ کے ساتھ ہی رحمت نازل فرماتے ہیں۔ توفیقِ توبہ اور نزولِ رحمت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ آگے

۳۱؎ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۰۶، باب اسماء اللہ تعالیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۳۲؎ روح المعانی: ۱/۳۸۶، البقرۃ (۱۲۸)، دار احیاء التراث، بیروت

آگے توفیقِ توبہ اور ساتھ ملا ہوا نزولِ رحمت، دونوں آپس میں ایک دوسرے کے جار اور جیران یعنی پڑوسی ہیں، ایک دم ملے ہوئے آتے ہیں، توفیقِ توبہ اور رحمت کا نزول ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جس نے اللہ سے معافی مانگ لی وہ سایۂ رحمت میں آگیا، ایک سیکنڈ کی دیر نہیں ہوتی۔ توفیقِ توبہ شروع ہوئی، بندہ نے اَسۡتَغۡفِرُاللّٰہَ کہا اور نزولِ رحمت ساتھ ساتھ شروع ہوگیا۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہوتی لیکن توفیقِ توبہ چوں کہ مقدم ہے خواہ ایک سیکنڈ ہی کے درجہ میں سہی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تَوَّابٌ کو مقدم کیا اور رَحِیۡمٌ کو مؤخر فرمایا۔

فرقۂ معتزلہ کا رد

دوسری وجہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ فرقۂ معتزلہ ایک گمراہ فرقہ ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی توبہ قبول کرنا قانوناً لازم ہے، اس کو معاف کرنا اللہ پر نعوذ باللہ فرض ہے۔ اس لیے چودہ سو برس پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ دو لفظ تَوَّابٌ اور رَحِیۡمٌ نازل فرمائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آیندہ ایک نالائق فرقۂ معتزلہ پیدا ہوگا جو ایسا بے ہودہ دعویٰ کرے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ تَوَّابٌ اور رَحِیۡمٌ کے اس تقدم و تأخر میں اللہ تعالیٰ نے معتزلہ کا رد فرمادیا کہ اے نالائقو! اگر میں تمہاری توبہ کو قبول کرلیتا ہوں تو یہ قانونی طور پر مجھ پر فرض نہیں ہے بلکہ میں رحیم ہوں، شانِ رحمت سے تمہاری توبہ کو قبول کرتا ہوں، شانِ قانون سے نہیں، شانِ ضابطہ سے نہیں۔ آہ! کیا بلاغت ہے اللہ تعالیٰ کے کلام میں، کیا بلاغت ہے ذرا دیکھو تو سہی بھلا کوئی انسانی کلام ایسا ہوسکتا ہے! اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ شانِ رحمت سے ہم بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

غَفُوۡرٌ اور وَدُوۡدٌ کا ربط

اسی طرح وَ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ میں ایک خاص ربط ہے۔ میں پھولپور کے تالاب میں اپنے حضرت شیخ کے کپڑے دھو رہا تھا، حضرت مسجد میں تلاوت کر رہے تھے، تلاوت کرتے کرتے حضرت دوڑ کر آئے اور فرمایا: حکیم اختر! جلدی آؤ۔ اس وقت ایک عجیب و غریب علم عطا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش کی صفت، غفور کی صفت کے بعد ودود کیوں نازل فرمایا کہ اے بندو! معلوم ہے کہ ہم تم کو بہت کیوں معاف کرتے ہیں؟ کیوں کہ ہم تم سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ دوسرا نام ودود جو نازل فرمایا یہ سبب ہے مغفرت کا۔ یعنی اے بندو! تمہیں ہم جلد معاف کیوں کرتے ہیں تو

حضرت نے اپنی پوربی زبان میں فرمایا تھا کہ مارے میا کے یعنی مارے محبت کے، میا کہتے ہیں پورب کی زبان میں محبت کو، مامتا کو۔ کیا عجب الہامی علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غفور کے بعد ودود نازل فرما کر یہ بتادیا کہ ہم تمہیں جو جلد معاف کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں تم سے بے حد محبت ہے، پالنے کی محبت ہے جو بلی پالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بلی کی بھی محبت دل میں ڈال دیتے ہیں، کتا پالتا ہے تو اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے اور ہم رب العالمین، تمہیں پالتے ہیں تو ہمیں تم سے محبت نہ ہو گی؟ جو ظالم توبہ ہی نہ کرے وہی خسارہ میں رہتا ہے۔

مقاصدِ بعثتِ نبوت

اس کے بعد دونوں پیغمبروں نے ایک دعا مانگی رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اے اللہ! ہماری اولاد اور خونی رشتوں میں ایک پیغمبر پیدا فرما یعنی سید الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما اور وہ رسول کیا کام کرے گا، اس کی بعثت کا کیا مقصد ہو گا؟ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ آپ کے کلام کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ اور آپ کی کتاب کی تعلیم دے۔

یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ اور یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ سے مکاتبِ قرآن اور دارالعلوم کا ثبوت

دونوں پیغمبر دعا فرما رہے ہیں رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ اے ہمارے رب! ایک ایسا پیغمبر بھیجیے یعنی نبی آخر الزماں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو آپ کے کلام کی تلاوت لوگوں کو سنائے وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ اور آپ کی کتاب کی تعلیم دے یعنی آپ کے کلام کے الفاظ کے معانی سمجھائے یُفَهِّمُهُمۡ اَلۡفَاظَهٗ قرآنِ پاک کے الفاظ کو سمجھائے وَ یُبَیِّنُ لَهُمۡ کَیۡفِیَّةَ اَدَائِهٖ[۳۳] اور ہر لفظ کی کیفیتِ ادا کو بھی سکھائے کہ یہ لفظ کیسے ادا کیا جائے گا یعنی تجوید و قراءت کی تعلیم دے۔ اس آیت سے مکاتبِ قرآن کے قیام کا ثبوت ملتا ہے جہاں تجوید و قراءت سکھائی جاتی ہے اور اسی آیت میں دارالعلوم کا ثبوت ہے جہاں کلام اللہ کی تفسیر ہوتی ہے۔ مقاصدِ بعثتِ نبوت کو اللہ تعالیٰ قرآن میں نازل فرما رہے ہیں کہ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ ہمارا نبی ہماری آیات لوگوں کو سناتا ہے جس سے مکاتبِ قرآن کا قائم کرنا ثابت ہوتا ہے اور وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ سے دارالعلوموں کے قیام کا ثبوت ہے کیوں کہ آپ آخری نبی ہیں لہٰذا آپ کی بعثت کے مقاصد کو جاری رکھنا اُمّت پر فرض ہے۔

۳۳؎ روح المعانی: ۳۸۶/۱، البقرۃ (۱۲۹)، دار احیاء التراث، بیروت

یُزَکِّیۡہِمۡ سے خانقاہوں کے قیام کا ثبوت

کعبہ کی تعمیر کے ساتھ دونوں پیغمبر علیہما السّلام یہ دعا بھی فرمارہے ہیں کہ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ اور وہ نبی ایسا ہو جو دلوں کا تزکیہ کرے، ان کو پاک کردے۔ کیا مطلب کہ اے اللہ! کعبہ تو ہم نے بنادیا لیکن اگر دلوں کا کعبہ صحیح نہیں ہوگا تو اس کعبہ کی، بیت اللہ کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔ آپ کے گھر کی عزت وہی کرے گا جس کا دل صاف ہوگا، جس کے دل میں خدا کا عشق اور محبت ہوگی۔ دیکھا آپ نے! دونوں نبی کعبہ بنانے کے بعد یہ دعا کیوں کر رہے ہیں؟ کیوں کہ مسلمان کا دل کعبہ ہے۔ پہلے اس کو غیر اللہ سے پاک کرو۔ اسی لیے کلمہ میں پہلے لا الٰہ ہے کہ دل کو لا الٰہ سے خالی کرو پھر الا اللہ کا نور ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو ساٹھ بتوں کو کعبہ سے نکال دیا مگر جب تک دل سے غیر اللہ کے بُت نہیں نکلیں گے اس وقت تک یہ دل اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کو، کعبہ کی عظمتوں کو نہیں پہچان سکے گا۔ اس لیے مزکّٰی و مصفّٰی اور گناہوں سے توبہ کرکے جو متقی بندے حج کرتے ہیں ان کو کعبہ شریف میں کچھ اور نظر آتا ہے، انہیں کعبہ کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے درخواست کی کہ ہماری اولاد میں سے ایسا رسول مبعوث فرمایئے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگوں کا تزکیہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے لیے دعا کرے کہ اے اللہ! آپ قیامت تک میری اولاد میں ایسے علماء ربانی پیدا فرمایئے جو آپ کے دیے ہوئے دین کے باغ کو پانی دیں اور اس کو ہرا بھرا رکھیں، ہمارے مکاتبِ قرآن کو اور ہمارے دار العلوموں کو قائم رکھیں۔ تو یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ سے مکاتبِ قرآن کا ثبوت ہے اور یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ سے مدارسِ علمیہ کے قیام کا ثبوت ہے اور یُزَکِّیۡہِمۡ سے خانقاہوں کے قیام کا ثبوت ہے۔ تزکیہ بھی مقصدِ بعثت نبوت ہے اور نبوت اب ختم ہو چکی لہٰذا یہ کارِ نبوت آپ کے سچے نائبین و وارثین کے ذریعہ قیامت تک جاری رہے گا۔ خانقاہوں میں دلوں کی صفائی ہوتی ہے، دلوں کو غیر اللہ کے کباڑ خانے اور کچرے سے پاک کیا جاتا ہے، اخلاص پیدا ہوتا ہے۔

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے ایک تبلیغی مرکز کے بہت بڑے اجتماع میں فرمایا کہ مدرسوں سے، تبلیغی جماعتوں سے اعمال کا وجود ملتا ہے اور خانقاہوں سے اعمال کا قبول ملتا ہے۔ اللہ والوں سے اخلاص ملتا ہے جس کی برکت سے اعمال قبول ہوتے ہیں ورنہ اعمال میں رِیا اور دِکھاوا ہو جائے گا۔ اسی لیے مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تبلیغ سے واپس آتے تھے تو اپنے بزرگوں کی خدمت میں جاکر دل کی ٹیوننگ اور صفائی کراتے تھے اور فرماتے تھے کہ مخلوق میں زیادہ خلط ملط سے دل میں

غبار سا آجاتا ہے جس کی صفائی میں خانقاہوں میں کراتا ہوں۔ جب موٹر زیادہ چلتی ہے تو پھر ٹیوننگ ضروری ہے یا نہیں؟ ورنہ گرد و غبار سے انجن خراب ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دل میں رِیا، دِکھاوا اور بڑائی آجاتی ہے جس کی صفائی خانقاہوں میں ہوتی ہے تو خانقاہوں کا ثبوت یُزَکِّیْہِمْ سے ہے۔

تعلیم اور تزکیہ کے تقدم و تاخر کے اسرارِ عجیبہ

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے پارہ میں تزکیہ موخر ہے تعلیمِ کتاب مقدم ہے، اس میں علومِ دینیہ کی عظمت و شرافت کا بیان ہے تاکہ صوفیاء کو علومِ دینیہ سے استغناء نہ ہو اور علمِ شریعت اور طریقت کو مغایر نہ سمجھیں اور پارہ ۴ اور پارہ ۲۸ میں تزکیہ کو مقدم فرما کر علمائے دین کو تنبیہ و ہدایت فرمادی کہ تزکیہ کی نعمت سے تغافل نہ کرنا اور حضرت نے اس کی تمثیل یہ بیان فرمائی تھی کہ جہاں تعلیم مقدم ہے وہاں تحلیہ کی شرافت مقصود ہے جیسے عطر کی شیشی صاف کرنے سے مقصود عطر ہے کہ اس شیشی میں عطر ڈالا جائے اور جہاں تزکیہ مقدم ہے وہاں تخلیہ کی اہمیت مقصود ہے کہ گندی شیشی میں عطر کی خوشبو ظاہر نہ ہوگی۔ اس مثال سے علمائے دین اور صوفیائے کرام دونوں کو ہدایت واضح ہوگئی کہ صوفیائے کرام زندگی بھر صرف قلب کی شیشی نہ دھوتے رہیں، علوم کی بھی فکر کریں جو مظروف ہے اور علمائے کرام علومِ دین کے لیے قلب کی شیشی کے تزکیہ و تطہیر کی فکر کریں، اس سے غافل نہ ہوں۔ سبحان اللہ! میرے شیخ کی یہ تقریر جامعِ شریعت و طریقت ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے فرمایا تھا کہ آپ حاملِ علومِ شریعت اور حاملِ علومِ طریقت ہیں۔

تعلیمِ کتاب میں حکمت کی اہمیت

اور وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معلّم ایسا ہونا چاہیے جو کتاب بھی پڑھائے اور حکمت بھی بتائے یعنی لوگوں کو خوش فہمی اور فہمِ دین کی تعلیم دے۔ اگر معلّم حکمت نہیں جانتا تو اس کی تعلیمِ کتاب ناقص ہے۔ معطوف علیہ معطوف مل کر یُعَلِّمُهُمْ ہوگا جو کتاب اللہ کو سمجھائے لیکن حکیمانہ انداز سے سمجھائے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ جو صاحبِ حکمت نہیں ہیں ان کی تعلیم ناقص ہے۔ خالی رٹا دینے سے، ترجمہ کرادینے سے تعلیمِ کتاب کا حق تھوڑی ادا ہوتا ہے۔

حکمت کی پانچ تفسیریں

حکمت کی پانچ تفسیریں یاد کر لیجیے۔ مفسرِ عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکمت کی پانچ تفسیریں ہیں:

۱) حَقَآئِقُ الْکِتَابِ وَدَقَآئِقُہٗ وہ معلم جو کتاب اللہ کے حقائق و اسرار و حِکَم اور اس کی باریکیاں بتائے۔

۲) طَرِیْقُ السُّنَّۃِ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کا طریقہ سکھائے اور سنّت کا ہر طریقہ حکیمانہ ہے۔

دخولِ مسجد کی دعا اور قعدہ میں تشہد کے رُموز

مثلاً مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت کی دعا ہے اور نکلتے وقت فضل کی دعا ہے۔ رحمت سے مراد وہی رحمت جو معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو التحیات کے جواب میں عطا فرمائی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ اے اللہ! میری تمام زبانی عبادتیں آپ پر فدا، میری ہر زبانی عبادت آپ ہی کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ سلام ہو آپ پر اے نبی! آپ قولی عبادت مجھ کو دے رہے ہیں، میری طرف سے قولی سلام لیجیے۔ پھر آپ نے فرمایا وَالصَّلَوَاتُ اے خدا! میری بدنی عبادتیں آپ کے لیے ہیں تو اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ اے نبی! آپ پر میری رحمتیں نازل ہوں۔ آپ نے بدنی عبادت مجھے پیش کی تو اس کا انعام لیجیے کہ میری رحمتیں آپ پر نازل ہوں گی یہ رحمت انعام ہے نماز کا، بدنی عبادت کا۔

بس جو رحمت معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ میری اُمت کو بھی عطا ہو جائے لہٰذا آپ نے مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا سکھا دی کہ کہو اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ [۳۴] تاکہ میری اُمت جو بدنی عبادت کے لیے آرہی ہے، نماز کے لیے آرہی ہے اس کو بھی وہ رحمت عطا ہو جائے جو مجھے معراج میں ملی اور میری اُمت اس رحمت سے محروم نہ رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَالطَّیِّبَاتُ اور میرا سب مال اے اللہ! آپ پر فدا ہو، میری مالی عبادتیں آپ ہی کے لیے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَبَرَکَاتُہٗ اے نبی! میری برکتیں آپ پر نازل ہوں جو ہم پر مال خرچ کرے گا ہماری

[۳۴] صحیح مسلم: ۲۴۸/۱، باب ما یقول اذا دخل المسجد، ایچ ایم سعید

برکتیں اس پر نازل ہوں گی۔ برکت کے معنیٰ کیا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ برکت کے معنی ہیں فیضانِ خیراتِ الٰہیہ کی بارش۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر خیر اور بھلائی کی بارش ہو جائے گی۔

مسجد سے نکلتے وقت روزی مانگنے کا راز

تو وَ بَرَکَاتُہٗ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان پر اللہ کی طرف سے برکات نازل ہوتی ہیں اور مسجد سے نکلتے وقت جو دعا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْۤ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ[۳۵] تو فضل سے مراد رزق ہے فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ[۳۶] جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو (ترجمہ بیان القرآن) اب دو کان کھولو، روزی تلاش کرو۔ فضل سے مراد یہاں روزی ہے جب رزق کا نام اللہ نے فضل رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا کہ جب عبادت کر کے مسجد سے نکلو تو اللہ میاں سے کہو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْۤ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے رزق کا سوال کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اے اللہ! باطن تو نور سے بھر گیا، عبادت کر کے آ رہے ہیں مگر آپ نے پیٹ بھی تو دیا ہے اب اس کے لیے کچھ چائے، ڈبل روٹی، انڈا، مکھن بھی دیجیے۔ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ سے اس دعا کا ایک خاص ربط ہے، نبی سے زیادہ اللہ کا مزاج شناس کوئی نہیں ہو سکتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ کے بعد اللہ تعالیٰ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ کے بعد اللہ تعالیٰ روزی کی تلاش کی اجازت دے رہے ہیں تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے نکلتے وقت یہ دعا سکھا دی کہ اب اللہ تعالیٰ سے روزی مانگو کہ اے اللہ! اب ہم مسجد سے نکل رہے ہیں ہم لوگوں کو روزی بھی دیجیے۔ تو حکمت کی پانچ تفسیروں میں دو تفسیریں ہو گئیں یعنی (۱) حَقَآئِقُ الْکِتَابِ وَ دَقَآئِقُہٗ (۲) طَرِیْقُ السُّنَّۃِ

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْۤ اُصَلِّیْ کی شرح اور طَرِیْقُ السُّنَّۃِ کی تعلیم

تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دعا مانگی کہ اے اللہ! وہ نبی سنّت کا طریقہ سکھائے مثلاً نماز تو فرض ہے مگر نماز کا پورا طریقہ قرآن شریف میں نہیں ہے۔ بتایئے قرآن شریف میں کہیں التحیات ہے؟ مغرب کی تین رکعات کہیں ہیں؟ قرآن پاک تو نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے لیکن کیسے پڑھیں؟ وہ ہے طریق السنّتہ۔ نبی کے

---

۳۵ صحیح مسلم: ۲۴۸/۱، باب ما یقول اذا دخل المسجد، ایچ ایم سعید

۳۶ الجمعۃ: ۱۰

طریقہ پر جو نماز ادا ہوگی وہ قبول ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ اے صحابہ! نماز ایسے پڑھو جیسے میں پڑھتا ہوں، ایسے نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آنکھوں کو شرف حاصل ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ نماز میں پایا ہے۔ صحابہ کے علاوہ کون ہے جس نے پیغمبر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہو خواہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں، کسی کو یہ شرف حاصل نہیں۔ یہ صحابہ کی قسمت تھی جنہوں نے کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ کا مقام پایا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جیسا تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو بس اس کی نقل کر دو، اس کی صورت بنا لو۔ نبوت کی نماز کی باطنی کیفیت تمہیں کہاں حاصل ہو سکتی ہے، مقامِ نبوت سے تمہاری نماز کہاں ہو سکتی ہے۔ بس تم میری نقل کر لو، جیسے میں نماز میں اُٹھتا بیٹھتا ہوں جیسے رکوع اور سجدہ کرتا ہوں، تم میرے قیام و قعود و رکوع و سجود کی نقل کر لو تو نقل کی برکت سے تمہیں سب انعام مل جائے گا، تمہاری نماز قبول ہو جائے گی۔ صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ جیسا تم مجھے دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں تم اس کی نقل کر دو، ورنہ وہ دل کہاں سے پاؤ گے جو پیغمبر کے سینہ میں ہے وہ مقامِ نبوت کہاں سے پاؤ گے لٰہذا تمہارا کام نقل سے بنے گا۔

حکمت کی تیسری تفسیر

حکمت کی تیسری تفسیر ہے اَلْفِقْهُ فِی الدِّیْنِ دین کی سمجھ ہو، بعض لوگ علم بہت رکھتے ہیں لیکن دین کی سمجھ نہیں ہے، تفقہ نہیں ہے۔ دین کی سمجھ بھی ہونی چاہیے۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیے۔ یک من علم را دہ من عقل باید۔ علم کے لیے عقل و فہم بھی چاہیے۔ بے وقوف انسان کو اگر مولوی بنا دو تو ہر جگہ طاقت استعمال کرے گا۔

مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ لندن میں ایک شخص نے گیراج میں موٹر پیش کی کہ اس کو ٹھیک کر دو، اس نے ایک چھوٹی سی ہتھوڑی اُٹھائی اور ایک پرزے پر ٹھک سے مار دیا اور کہا: لائیے دس پونڈ۔ جو یہاں کا پانچ سو روپیہ ہوا، موٹر والے نے کہا کہ میاں! ایک ہتھوڑا ٹھک سے مار دیا یہ کون سا کمال دِکھایا جو دس پونڈ مانگ رہے ہو، یہ محنت تو ایک پونڈ کے قابل بھی نہیں ہے۔ اس نے کہا: میں نے ہتھوڑی مارنے کا پیسہ تھوڑی لیا ہے، اس دماغ کا لیا ہے کہ ہتھوڑی کہاں ماری جائے، کس پرزہ پر ماری جائے، اس کا پیسہ لیا ہے اس کا نام حکمت ہے۔ اَلْفِقْهُ فِی الدِّیْنِ کے معنی ہیں کہ ہم دین کو کس طرح استعمال کریں، کیسے سمجھائیں؟

حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکمتِ دینیہ

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب سے ایک بدعتی مرید ہوا ارام پور میں، اس نے پوچھا کہ میں عہد نامہ، درود تاج، درود لکھی یہ سب پڑھتا ہوں، حضرت نے اس سے پوچھا کہ کتنی دیر تک پڑھتے ہو۔ کہا کہ پچیس منٹ، حضرت نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا درود زیادہ بہتر ہے یا علماء کا؟ اس نے کہا کہ علماء تو غلام ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے آقا ہیں۔ فرمایا کہ التحیات کے بعد جو درود شریف ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ ہے۔ لہٰذا تم اس درود کو پچیس منٹ پڑھ لیا کرو۔ اس بہانے سے اصلاح فرمادی۔ اگر کہہ دیتے کہ یہ سب حرام ہے ناجائز ہے، یہ ہے وہ ہے تو وہ فوراً کہتا کہ افوہ توبہ! توبہ! مولانا ہمیں کیا پتا تھا کہ تم کیا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو حکمت دیتا ہے، محبت سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور محبت ملتی ہے اہلِ محبت کی صحبت سے۔

حکمت کی چوتھی تفسیر

مَا تُکْمَلُ بِهِ النُّفُوْسُ مِنَ الْاَحْکَامِ وَ الْمَعَارِفِ یہ فعل مضارع مجہول ہے، وہ علوم کہ جن سے انسانوں کے نفس اللہ والے بن جاتے ہیں مِنَ الْاَحْکَامِ وَ الْمَعَارِفِ ایسے احکام ایسے علوم و معارف بیان کیے جائیں جس سے انسان کا نفس مجلّٰی، مصفّٰی، مزکّٰی ہو کر اللہ والا بن جائے وہ سب حکمت میں داخل ہیں مَا تُکْمَلُ بِهِ النُّفُوْسُ مضارع مجہول، یہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہو کر مرفوع ہو رہا ہے، اس پر پیش ہے مَا تُکْمَلُ بِهِ النُّفُوْسُ مِنَ الْاَحْکَامِ وَ الْمَعَارِفِ میں مِنْ بیانیہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس سے نفوس پاک ہوتے ہیں۔ اللہ کے احکام اور معارف کو محبت و عظمت کے ساتھ بیان کرو تاکہ معرفت حاصل ہو۔ معرفت سے محبت پیدا ہوگی اور محبت سے فرماں برداری کی توفیق ہوگی۔ اگر معرفت اور پہچان نہیں ہے تو پھر محبت بھی نہیں ہوگی۔ ناظم آباد میں میرے پاس دو شیخ الحدیث آئے۔ دونوں پاس بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں ساتھ پڑھے ہوئے تھے مگر پہچان نہیں تھی کیوں کہ چالیس سال کے بعد ملے تھے۔ دونوں اجنبی کی طرح میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے تعارف کرایا کہ یہ خیر المدارس کے محدث ہیں اور یہ ٹنڈو اللہ یار کے محدث ہیں، یہ سننا تھا کہ دونوں کھڑے ہوگئے اور ایک دوسرے کے سینہ سے لپٹ گئے کہ ارے! ہم دونوں تو ساتھ پڑھتے تھے تو محبت کب ہوئی جب معرفت ہوئی ورنہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اجنبی کی طرح۔ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے لیکن محبت کا جوش نہیں ہو رہا تھا۔ عدمِ معرفت سے عدمِ محبت تھی، جب میں نے تعارف کرایا تو دونوں

کھڑے ہو کر لپٹ گئے اور میرا شکریہ ادا کیا۔ اسی طرح جو مُعَرِّف بندے کی اللہ سے جان پہچان کرادے اس کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اگر چار سال کے بچے کو اس کا ابّا چھوڑ کر چلا جائے اور بیس سال کے بعد آئے تو وہ بچہ اپنے ابا کو نہیں پہچانے گا، اپنے ساتھ ایک بڑے میاں کو لے جائے گا کہ بڑے میاں! آپ میرے ابّا کو دیکھے ہوئے ہیں، پہچانتے ہیں چلیں آپ ایئرپورٹ۔ ایئرپورٹ پر ایک بڈھا کہتا ہے کہ بیٹا! بستر اٹھاؤ تو وہ کہے گا کہ کیا بیٹا بیٹا کر رہے ہو، میں اپنے ابّا کو ڈھونڈ رہا ہوں تو وہ بڈھا معرف کہتا ہے کہ ارے! یہی تو تیرا ابّا ہے۔ تب بے چارہ رو کر معافی مانگتا ہے کہ ابّا! مجھے معاف کر دیجیے، میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا تو ایسے ہی جب اللہ والوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو جاتی ہے تب وہ اللہ کی عبادت نماز، روزہ کرتا ہے اور نظر بچانے کی تکلیف اُٹھاتا ہے اور کہتا ہے: اللہ میاں! اب تک جو میں نے آپ کے احکام کے بوجھ نہیں اٹھائے، میری نالائقی تھی معاف فرما دیجیے۔

حکمت کی پانچویں تفسیر

اور پانچویں تفسیر ہے: وَضْعُ الْاَشْيَاءِ فِيْ مَحَالِّهَا،[۳۷] محل کی جمع محال ہے یعنی ہر چیز کو اس کے محل میں استعمال کیا جائے جس چیز کو جس کام کے لیے اللہ نے بنایا اس کو اسی کام میں استعمال کرو۔ آنکھیں کعبہ شریف دیکھنے کے لیے، والدین کو دیکھنے کے لیے ہیں، جو اپنے ماں باپ کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے اس کو ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔ ان آنکھوں کو وہاں خرچ کرو وَيَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ جو اپنے والدین کو دیکھے محبت سے نَظْرَةَ رَحْمَةٍ رحمت کی نظر سے دیکھے کہ ایک دن ہم چھوٹے سے تھے، ماں باپ نے ہم کو پالا تو اس نظرِ رحمت کے صدقے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک حج مقبول کا ثواب ملے گا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اگر ہم سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو رحمت سے دیکھیں تو کیا اللہ سو حج کا ثواب دے گا؟ فرمایا کہ اللہ پاک اس سے بھی زیادہ کریم ہیں وہاں کوئی کمی نہیں۔ تو یہ پانچویں تفسیر ہے کہ ہر چیز کو اس کے محل میں خرچ کرو۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے بنایا ہے اس میں استعمال کرو اور جس چیز سے منع فرما دیا ہے اس سے رک جاؤ، کانوں کو گانا سننے سے منع کیا گیا ہے، آنکھوں کو نامحرم کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، زبان کو حرام کھانے سے منع کیا گیا ہے، جن اعضاء کو جس کام کے لیے اللہ نے پیدا کیا ہے وہی کام ان سے لو، جس کام سے روکا ہے وہ کام ان اعضاء سے نہ لو، یہی ہے وَضْعُ الْاَشْيَاءِ فِيْ مَحَالِّهَا۔

۳۷؎ روح المعانی: ۱/۳۸۷، البقرۃ (۱۲۹)، دار احیاء التراث، بیروت

تفسیر اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

آخر میں فرمایا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ یا اللہ! یہ پیغمبر کا بھیجنا اور صحابہ کا ایمان لانا اور ان کے دلوں کا تزکیہ اس کے لیے آپ کی زبردست طاقت کی ضرورت اور مدد کی ضرورت ہے، آپ غالب القدرۃ ہیں۔ اَلۡعَزِیۡزُ کے معنی ہیں اَلۡقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّلَا یُعۡجِزُہٗ شَیۡءٌ فِی اسۡتِعۡمَالِ قُدۡرَتِہٖ ایسی طاقت والا جس کے استعمالِ قدرت میں کوئی چیز رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ یعنی اگر آپ ارادہ کرلیں گے کہ مجھے اس پیغمبر کو بھیجنا ہے تو وہ پیغمبر آکر رہے گا، اگر آپ ارادہ کرلیں کہ مجھے فلاں فلاں کو اپنے نبی کا صحابی بنانا ہے تو وہ بن کر رہیں گے۔ اگر آپ کسی کو ولی بنانے کا ارادہ کرلیں تو وہ ولی بن کر رہے گا۔ جب تک آپ کا ارادہ، آپ کی مشیت، آپ کی مدد شاملِ حال نہیں ہوگی۔ کوئی بندہ اللہ والا نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ آپ غالب القدرۃ ہیں اور آپ کی قدرت ایسی ہے کہ اگر کسی چیز کا آپ ارادہ کرلیں تو آپ کے ارادے کو مراد تک پہنچنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ جب آپ ایسے غالب القدرۃ ہیں تو آپ ہی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے دعا کی جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ابھی ارادہ کرلے کہ جتنے لوگ اشرف المدارس کی اس مسجد میں بیٹھے ہیں سب کو ولی اللہ بنانا ہے تو اسی وقت ہم سب کے سب ولی اللہ ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس آیت کی تفسیر کے صدقے میں ارادہ فرمالے، اے اللہ! آپ ارادہ فرما لیں اور ہم سب کو، ہماری اولاد کو، ہمارے خاندان کو، ہمارے احباب کو، غرض ہم سب کو، مجلّٰی، مصفّٰی، مزکّٰی کر اپنا ولی بنالیں، ہم سب کا تزکیہ ہوجائے اور آپ حَکِیۡم ہیں کہ آپ قدرت کا استعمال حکیمانہ کرتے ہیں اَلَّذِیۡ یَسۡتَعۡمِلُ قُدۡرَتَہٗ بِالۡحِکۡمَۃِ[۳۸] جو اپنی قدرت کو حکمت کے ساتھ استعمال کرے کیوں کہ ایک ریچھ تھا، وہ اپنے آقا کو پنکھا جھل رہا تھا، مالک نے اس کو سکھادیا تھا، وہ اپنی طاقت کو صحیح استعمال کررہا تھا، اتنے میں ایک مکھی آقا کی ناک پر بیٹھ گئی تو اس نے ہٹادیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیٹھ گئی، جب کئی دفعہ بیٹھی تو ریچھ کو غصہ آگیا اور وہ ایک پتھر لایا۔ اب جو مکھی بیٹھی تو مالک کی ناک پر پانچ کلو کا ایک بڑا پتھر لاکر ماردیا۔ نہ اس کی ناک رہی نہ مکھی، ناک بھی غائب، مکھی بھی غائب تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھالو نے طاقت تو استعمال کی مگر غیر حکیمانہ تو اے خدا! آپ جو طاقت استعمال فرماتے ہیں وہ حکیمانہ ہوتی ہے کہ

۳۸؎ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۶۳، باب قصۃ حجۃ الوداع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

جس سے بندوں کا نقصان نہیں ہوتا۔ لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا [۳۹] ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں آسکتی مگر جو آپ نے ہمارے فائدے کے لیے لکھ دی ہے، بعض وقت مصیبت سے بندے ولی اللہ ہو گئے۔

لیکن خدا سے عافیت مانگیے کیوں کہ اللہ قادر ہے کہ ہمیں عافیت سے اللہ والا بنادے۔ اس لیے مصیبت مانگنا جائز نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھیے یہی کہیے رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہمیں دنیا میں بھی آرام سے رکھیے، آخرت میں بھی آرام سے رکھیے لیکن اگر کوئی تکلیف آجائے تو سمجھ لو کہ اس میں ہمارا نفع ہے۔

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

آیتِ شریفہ کی شرح بعنوانِ دِگر

لوگ کہتے ہیں کہ آج کل مدارس کے مہتمم علماء یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! ہماری ذُرِّیات میں علماء پیدا فرما جو ہمارے مدرسوں کو چلاتے رہیں، یہ علماء تو مدرسوں کو موروثی جائیداد بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جو یہ کہتا ہے نادان ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگا تھا رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ اے اللہ! میری ذُرِّیات میں سے ایک پیغمبر پیدا فرما لٰہذا اپنی اولاد میں علمائے ربانیین پیدا ہونے کی دعا کرنا خلافِ اخلاص نہیں ہے ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا نہ مانگتے کہ اے میرے رب! میری ہی ذریات میں پیغمبر پیدا فرما۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں اس کی دو وجہ لکھی ہیں کہ اپنے خاندان میں جب نبی ہوگا تو اس کو اپنے خاندان والوں کی زیادہ فکر ہوگی کہ میرے خاندان والے جہنم میں نہ جائیں اور دوسری وجہ یہ کہ خاندان والے بھی اس کی اتباع کریں گے کہ یہ ہمارے ہی خاندان کا آدمی ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ سے سوال کیا تھا کہ میرے بیٹے مولانا رفیع اور مولانا تقی عالم ہیں لیکن اگر میں ان کو مدرسہ میں رکھتا ہوں تو قوم مجھے بدنام کرے گی کہ یہ اقرباء پروری کر رہا ہے۔ میرے شیخ نے فرمایا کہ آپ اس کی پرواہ نہ کریں، دونوں کو مدرسہ میں رکھیں۔ آپ کے بیٹوں کو جو مدرسہ کی قدر ہوگی کہ میرے باپ نے بڑے خون پسینہ سے دارالعلوم بنایا ہے وہ دوسرے کو نہیں ہو

---

[۳۹] التوبۃ:۵۱

سکتی کیوں کہ جو مفت کی پاتا ہے مفت میں اُڑاتا ہے، مالِ مفت دلِ بے رحم۔ مفتی صاحب حضرت کے مشورہ پر ہنس پڑے، خوش ہوگئے اور جاکر دونوں بیٹوں کو دارالعلوم میں اُستاذ مقرر کر دیا۔

مکاتبِ قرآنیہ کے قیام کا ثبوت

جو آیت تلاوت کی گئی اس سے بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین مقاصد ثابت ہوتے ہیں یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ ہمارے نبی صحابہ پر آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ چناں چہ ساری دنیا میں جہاں جہاں قرآنِ پاک کے مکاتیب ہیں، جہاں حفظ و ناظرہ اور قراءت و تجوید پڑھائی جاتی ہے سب اس آیت کے مظاہر ہیں اور ان سے مقصدِ بعثت نبوت کا ایک حق ادا ہو رہا ہے۔ تلاوت کے متعلق امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ قرآنِ پاک کے علاوہ جتنی کتابیں نازل ہوئیں توریت، زبور، انجیل ان کے ساتھ تلاوت کی لغت کا استعمال جائز نہیں ہے۔ دیکھ لو تفسیر مفردات القرآن۔ فرماتے ہیں کہ تلاوت کا لفظ صرف قرآنِ پاک کے لیے خاص ہے۔ یہ اس کلام اللہ کی عظمت ہے کیوں کہ اسے قیامت تک قائم رکھنا ہے، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ لہٰذا جو قرآن پاک کے مدرسے قائم کرتے ہیں، جو اپنے بچوں کو حافظ بناتے ہیں، جو ان مدارس سے جانی و مالی تعاون کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے سرکاری کام کے ممبر ہیں۔ پس قرآن مجید کی عظمتِ شان کے سبب تلاوت کا لفظ صرف قرآن پاک کے لیے خاص ہے، سابقہ کُتبِ آسمانی کے لیے جائز نہیں۔

مدارسِ علمیہ کے قیام کا ثبوت

یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ سے دارالعلوم کا حق ادا ہو رہا ہے، دارالعلوم یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ کے مظاہر ہیں جہاں کتاب کے معنی بتائے جاتے ہیں، تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ کی دو تفسیریں ہیں اَیۡ یُفَھِّمُھُمۡ اَلۡفَاظَہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ پاک کے الفاظ سکھاتے ہیں، اس کے معانی بتاتے ہیں۔ اس تفسیر کے مظاہر مدارسِ علمیہ ہیں جہاں قرآن کے معانی و تفسیر پڑھائی جاتی ہے اور یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ کی دوسری تفسیر ہے وَ یُبَیِّنُ لَھُمۡ کَیۡفِیَّۃَ اَدَاءِہٖ اور الفاظِ قرآنِ پاک کی کیفیتِ ادا بھی سکھاتے ہیں۔ اس تفسیر سے پتا چلا کہ جہاں قراءت و تجوید کے مکاتب ہیں، وہ اس آیت کا مظہر ہیں۔

تعلیمِ کتاب اور حکمت کا ربط

تعلیمِ کتاب کے ساتھ حکمت کو بیان فرما کر یہ تعلیم دے دی کہ معلّم کو حکیم ہونا چاہیے یعنی معلّم ایسا ہو جو کتاب کو حکمت کے ساتھ پڑھائے یعنی لوگوں کو فہمِ دین کی تعلیم دے اور حکمت کی پانچ تفسیریں ہیں:

۱۔ حَقَآئِقُ الْکِتَابِ وَدَقَآئِقُہٗ وہ معلّم کتاب اللہ کے حقائق واسرار ومعارف اور باریکیاں سمجھائے۔

۲۔ طَرِیْقُ السُّنَّۃِ وہ معلّم ایسا ہو جو سنّت کا طریقہ سکھائے۔ سنّت کا ہر طریقہ حکمت ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے پوری تفسیرِ قرآن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔

۳۔ اَلْفِقْہُ فِی الدِّیْنِ دین کی سمجھ پیدا ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی سنّت تحنیک ادا کرتے وقت دعا فرمائی تھی:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَحَبِّبْہُ اِلَی النَّاسِ

اے اللہ! حسن بصری کو دین کی سمجھ عطا فرما اور لوگوں میں محبوب کر دے۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کتنی جامع ہے اور دعا کے دونوں جملوں میں ایک خاص ربط ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو عطا فرمایا۔ دین کی سمجھ کے ساتھ لوگوں میں محبوبیت کیوں مانگی؟ اس لیے کہ اگر کسی میں دین کی سمجھ تو ہو لیکن لوگوں میں محبوب نہ ہو تو لوگ اس سے دین نہیں سیکھیں گے اور اگر لوگوں میں محبوب ہو لیکن فقیہ نہ ہو تو بدعت و گمراہی پھیلائے گا۔ محدثین لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لعابِ دہن کی کرامت ہے کہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے عالم ہوئے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی اپنے شاگرد خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جب بلاتے تھے تو فرماتے تھے یا مولانا الحسن، کبھی حسن نہیں کہا۔

۴۔ مَا تُکْمَلُ بِہِ النُّفُوْسُ مِنَ الْاَحْکَامِ وَالْمَعَارِفِ جس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نفوسِ صحابہ کی تکمیل فرماتے تھے۔

۵۔ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ[۴۰] ہر شے کو اس کے محل میں رکھنا۔

---

[۴۰] روح المعانی:۱/۳۸۷،البقرۃ(۱۲۹)،دار احیاء التراث،بیروت

یہ سکھایا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے، یہ تفسیر ہے حکمت کی، نوٹ کر لیجیے گا۔ یہ پکی پکائی کھچڑی کھالو۔ اس میں آسانی بھی ہے اور یہ طریقِ نبوت ہے۔ نبی کی زبان سے اور صحابہ کے کانوں سے علم چلتا ہے، لہٰذا سننے سے جو تقریر ذہن میں آتی ہے خود کتاب دیکھنے سے وہ بات نہیں پیدا ہوتی۔ بتا رہا ہوں یہ طریقِ صحابہ ہے۔ بتائیے! صحابہ نے کتاب پڑھی تھی یا زبانِ نبوت سے علم حاصل کیا تھا؟ بس سمجھ لو، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر علم ایسے ہی چلا آرہا ہے۔

خانقاہوں کے قیام کا ثبوت

اس کے بعد وَ یُزَکِّیۡہِمۡ کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کی تین تفسیریں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائیں۔ آج آپ سے کوئی پوچھے کہ تزکیۂ نفس کیا ہے؟ خانقاہوں میں کیا ہوتا ہے؟ تو بتا دیجیے کہ خانقاہ یُزَکِّیۡہِمۡ کا مظہر ہے۔ خانقاہ وہ ہے جہاں جاہ کا جیم اور باہ کی باء نکالی جائے اور خالص آہ رہ جائے تو آہ اور اللہ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے، ہماری آہ کو اللہ نے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ جہاں آہ کو جاہ اور باہ سے پاک کیا جائے یعنی جہاں جاہ و تکبر مٹایا جائے اور باہ و شہوت، بد نظری اور عشق غیر اللہ سے دل کو پاک کیا جائے اس کا نام خانقاہ ہے۔ خانقاہ نام حلوہ کھانے کا نہیں ہے جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ خانقاہ کی تعریف پر میرا شعر ہے ؎

اہلِ دل کے دل سے نکلے آہ آہ
بس وہی اخترؔ ہے اصلی خانقاہ

اور اگر یہ نہیں ہے تو پھر وہ خانقاہ نہیں ہے خواہ مخواہ ہے اور شاہ صاحب کیا ہیں سیاہ صاحب ہیں۔

تزکیہ کی اہمیت

تزکیہ بھی بعثتِ نبوی کا ایک اہم مقصد ہے۔ دل کا غیر اللہ سے پاک ہو جانا اور دل میں اخلاص پیدا ہو جانا اسی پر اعمال کا قبول موقوف ہے۔ میرے مرشد حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے تبلیغی جماعت کے ایک اجتماع میں فرمایا کہ مدارس و مکاتب سے اعمال کا وجود ملتا ہے، تبلیغی جماعتوں سے اعمال کا وجود ملتا ہے اور خانقاہوں سے، اللہ والوں سے اعمال کا قبول ملتا ہے، خانقاہ کے معنی ہیں "جائے بودنِ دُرویشاں" درویشوں کے رہنے کی جگہ۔ خانقاہوں میں بعثتِ نبوی کا ایک اہم مقصد پورا کیا جاتا ہے یعنی نفس کا تزکیہ۔

تزکیہ کی پہلی تفسیر

فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یُطَھِّرُ قُلُوۡبَ الصَّحَابَۃِ عَنِ الۡعَقَایِدِ الۡبَاطِلَۃِ وَعَنِ الۡاِشۡتِغَالِ بِغَیۡرِ اللّٰہِ[۴۱]

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے دلوں کو پاک کرتے ہیں باطل عقیدوں سے اور غیر اللہ کے ساتھ دل لگانے سے۔ شیخ اور مربی بھی علیٰ سبیل نیابت غیر اللہ سے دل لگانے سے پاک کرتا ہے۔ اصل تزکیہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر نبوت ختم ہوچکی لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائبین یعنی اولیاء اللہ، مشائخ اور بزرگانِ دین علیٰ سبیلِ نیابت قیامت تک یہ فریضہ انجام دیتے رہیں گے اور باطل عقیدوں اور غیر اللہ سے دلوں کو پاک کرتے رہیں گے۔ خانقاہوں میں یہی کام ہوتا ہے۔

تزکیہ کی دوسری تفسیر

قلوب کی طہارت کے بعد علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے نفوس کی طہارت بیان کی ہے فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یُطَھِّرُ نُفُوۡسَ الصَّحَابَۃِ عَنِ الۡاَخۡلَاقِ الرَّذِیۡلَۃِ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کے نفوس کو پاک کرتے ہیں گندے اخلاق سے۔ گندے اخلاق کیا ہیں؟ مثلاً کبر ہے، عجب ہے، حرص ہے، غصہ ہے، شہوت ہے، نہ دیکھا حلال نہ دیکھا حرام، جہاں دیکھا نمکین چہرہ وہیں کھالیا نمک حرام اور نمک حرامی شروع کردی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے نفوس کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتے تھے۔

تزکیہ کی تیسری تفسیر

فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یُطَھِّرُ اَبۡدَانَ الصَّحَابَۃِ عَنِ الۡاَنۡجَاسِ وَ الۡاَعۡمَالِ الۡقَبِیۡحَۃِ صحابہ کے بدن کو بھی پاک کرتے ہیں۔ کیسے؟ نجاستوں سے اپنے کو پاک رکھنا اور اعمالِ قبیحہ سے بچنا سکھاتے ہیں۔

بعثتِ نبوت کا ایک اہم مقصد تزکیۂ نفس ہے

تو یہ شعبہ تزکیۂ نفس بغیر شیخ و مزکی کے ناممکن ہے۔ عادت اللہ یہی ہے۔ آپ اپنے اکابر کی تاریخ

---

[۴۱] التفسیر المظہری: ۲/۱۶۶

دیکھ لیجیے کہ جو بھی ولی اللہ بنے ہیں کسی ولی کی صحبت سے بنے ہیں اگر شاذ و نادر کوئی واقعہ ہو تو اس میں بھی کسی ولی کی غائبانہ توجہ ہوتی ہے۔ ورنہ دستور یہی ہے کہ جو بھی ولی ہوا کسی ولی کی صحبت سے ہوا۔ ملّا علی قاری فرماتے ہیں کہ جو کسی اللہ کے ولی سے دوستی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب کو ہر وقت لطف و کرم سے دیکھتے ہیں۔ اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِ اَوْلِیَآءِہٖ بِاللُّطْفِ وَ الْکَرَمِ فَمَنْ کَانَتْ مَحَبَّتُہٗ فِیْ قُلُوْبِہِمْ جن جن کی محبت ان کے دلوں میں ہوتی ہے یَنْظُرُ اِلَیْہِمْ بِاللُّطْفِ وَالْکَرَمِ[۴۲] اللہ تعالیٰ کا کرم ان پر بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے آہستہ آہستہ وہ بھی ولی اللہ ہو جاتا ہے۔

تعلیم و تزکیہ کی تقدیم و تاخیر کے بعض عجیب اسرار

میرے شیخِ اوّل حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآنِ پاک میں بعض جگہ یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ مقدم ہے اور یُزَکِّیْہِمْ موئخر ہے اور بعض جگہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا کہ جہاں تعلیمِ کتاب مقدم ہے وہاں علومِ دینیہ کی عظمت کا بیان ہے تاکہ صوفیاء علومِ دینیہ سے مستغنی نہ ہوں اور شریعت و طریقت کو الگ الگ نہ سمجھیں اور جہاں تزکیہ مقدم ہے وہاں علمائے دین کو تنبیہ ہے کہ تزکیہ کی نعمت سے غافل نہ ہونا۔ اس کی حضرت نے عجیب مثال دی تھی کہ ظرف کی صفائی سے مقصود مظروف ہوتا ہے، شیشی کی صفائی سے مقصود عطر ہوتا ہے کہ صاف شیشی میں ڈالا جائے، تعلیمِ کتاب کے تقدم میں علم کی عظمت کا بیان ہے کہ صوفیاء عمر بھر قلب کی شیشی ہی نہ دھوتے رہیں، علومِ دین کی بھی فکر کریں اور تزکیہ کے تقدم میں علمائے کرام کو ہدایت ہے کہ قلب کی شیشی کی صفائی کی فکر کریں کہ گندی شیشی میں عطر کی خوشبو ظاہر نہ ہوگی۔ غیر مزکّی قلب سے فیضانِ علوم نہ ہوگا۔

اس کے بعد اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کا اس آیت سے کیا ربط ہے یعنی تزکیۂ نفس سے کیا ربط ہے؟ چوں کہ نفس سے لڑنا آسان نہیں ہے اس لیے اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ فرما کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہمیں سکھا دیا کہ اے اللہ! نفس سے مقابلہ مشکل ہے، آپ نے اس کو امارۃ بالسوء فرمایا ہے یعنی کثیر الامر بالسوء بہت زیادہ برائی کا حکم کرنے والا اور سوء اسمِ جنس ہے جو ساری دنیا کی برائیوں کو شامل ہے۔ یہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ السوء میں الف لام جنس کا ہے اور جنس وہ کلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہو۔ معلوم ہوا کہ قیامت تک جتنے گناہ ہوں گے سب اس السوء میں شامل ہیں۔

---

[۴۲] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۹۱ (۲۲۸۸)، باب اسماء اللہ تعالیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

نزولِ قرآن کے وقت جو گناہ تھے اور آج نئے نئے گناہ کے جو طریقے ایجاد ہو رہے ہیں سب اس میں شامل ہیں لیکن ان سے کیسے بچیں گے؟ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ[۴۳] یہ مَا کیا ہے؟ یہ مصدریہ، ظرفیہ، زمانیہ ہے۔ تین نام ہیں اس کے۔ اس لیے مفسرِ اعظم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ترجمہ میں بھی اس کی رعایت کی اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ یعنی جب ہمارے رب کی رحمت کا سایہ ہو گا تب ہی ہم اس ظالم نفس سے بچ سکتے ہیں، فِی سے ظرفیہ بنایا، وقت سے زمانیہ بنایا اور رحمۃ سے مصدر بنایا۔ لہٰذا یہ مَا ظرفیہ، زمانیہ اور مصدریہ بن گیا۔ جب تک اللہ کی رحمت کا سایہ ہو یہ نفس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اللہ کی رحمت کا سایہ کب ملتا ہے؟ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْٓ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ[۴۴] کی دعا سے ملتا ہے جس کا ترجمہ ہے کہ اے زندہ حقیقی، اے سنبھالنے والے! میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ میری ہر حالت کو درست فرما دیجیے اور پلک جھپکنے بھر بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کیجیے اور پھر اہل اللہ کی صحبت ہو کیوں کہ صحبتِ اہل اللہ میں خاصیت ہے کہ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ ان کے پاس بیٹھنے والا شقی یعنی بدبخت نہیں رہ سکتا اور جب شقاوت نہیں ہو گی تو رحمت مل جائے گی، شقاوت کے ساتھ لعنت لازم ہے۔ علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لعنت کے معنی ہیں خدا کی رحمت سے دوری اور برکت کے معنی کوئی پوچھے تو بتا دینا کہ برکت کے معنی ہیں فیضانِ رحمتِ الٰہیہ۔

اسمائے اعظم عَزِیْزٌ اور حَکِیْمٌ کا تزکیۂ نفس سے ربط

عَزِیْز کے معنٰی کیا ہیں؟

اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ

یعنی جو ہر شئی پر قادر ہو اور جس کے استعمالِ قدرت میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکے مثلاً سارا عالم مل کر کہے کہ میں اس کو ولی اللہ نہیں ہونے دوں گا مگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرمالیں کہ مجھے اپنے اس بندہ کا تزکیہ کرنا ہے، اس کو ولی اللہ بنانا ہے تو اللہ کے ارادہ پر مراد کا تخلّف محال ہے اور مراد حاصل ہونا لازم ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا کے فوراً بعد اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ فرما کر بندوں کے ضعف کا اعتراف کیا کہ اے اللہ! نفس کا تزکیہ تو مشکل ہے لیکن آپ ایسے قادرِ مطلق ہیں کہ آپ کے استعمالِ قدرت میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ آپ

---

[۴۳] روح المعانی: ۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

[۴۴] السنن الکبرٰی للنسائی: ۱۴۷/۶، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یقول اذا امسٰی

ہمارے تزکیۂ نفس کا اگر ارادہ فرمالیں کہ ہمیں اس بندہ کو اپنا بنانا ہے تو پھر اگر ہمارا نفس بھی چاہے کہ ہم اللہ والے نہ بنیں تو واللہ کہتا ہوں کہ اللہ کے ارادہ کو مراد تک پہنچنا لازم اور تخلف محال ہے۔ اس لیے تزکیۂ نفس کے ساتھ اس آیت کا جوڑ ہے۔ بعض بڑے بڑے سالکین جو اللہ کے راستے میں چلے، ذکر اللہ بھی کیا، اللہ والوں سے بھی رابطہ کیا لیکن اللہ کی صفت عزیز کا ظہور نہیں ہوا تو نفس نے ان کو گرادیا، کوئی جاہ سے گر گیا، کوئی شہوت اور باہ سے گر گیا، گناہوں میں مبتلا ہوگئے، اور اللہ تک نہ پہنچ سکے۔

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے آیت کا ربط یہ ہے کہ اے خدا! جو بندہ آپ کی راہ میں سلوک طے کرے، اپنے نفس کے تزکیہ کی فکر کرے، اللہ والوں کی صحبتوں میں جائے تو آپ بھی ارادہ فرمالیجیے کیوں کہ آپ ہر شئی پر قادر ہیں اور آپ کی قدرت ایسی ہے کہ سارے عالم کے شیاطین، سارے عالم کے نفوسِ خبیثہ آپ کے ارادے میں خلل انداز نہیں ہوسکتے۔ اس لیے جو بندہ تزکیۂ نفس کا ارادہ کرے آپ اس کی مدد فرمادیجیے۔

اور حَكِيْم کی تفسیر سن لیجیے کہ جب تک بندوں کا تزکیۂ نفس اور صفائی نہیں ہوگی اللہ اپنی نسبت عطا نہیں فرمائیں گے کیوں کہ نسبت کے معنیٰ ہیں کہ بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو اور اللہ تعالیٰ کا تعلق بندہ سے ہو۔ نسبت نام ہے تعلقِ طرفین کا۔ یک طرفہ تعلق کا نام نسبت نہیں ہے۔

ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے
دونوں جانب سے اشارے ہو چکے

لہٰذا فرمادیا کہ اے خدا! جب آپ تزکیۂ نفس فرمائیں گے تو پھر آپ کی حکمت کا تقاضا ہوگا وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّهٖ کا کیوں کہ حکیم کے معنیٰ ہی ہیں ہر شی کو اس کے محل میں رکھنے والا لہٰذا جب بندہ کا تزکیہ ہوگیا، دل پاک صاف ہوگیا تو اس کا محل اس قابل ہوگیا کہ اب آپ اپنی محبت، اپنا درد، اپنی نسبت اس کو عطا فرمادیں۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسمِ اعظم اَلْعَزِیْزُ لے کر اللہ تعالیٰ سے گویا عرض کردیا کہ ہم کمزور ہیں مگر آپ عزیز ہیں، صاحبِ قدرت ہیں، اگر آپ ہمارے تزکیۂ نفس کا ارادہ فرمالیں تو واللہ سارا عالم اگر کہے کہ اس کو ولی اللہ نہیں بننے دیں گے، یہاں تک کہ وہ ظالم خود بھی کہے کہ میں ولی اللہ نہیں بنوں گا لیکن آپ کے ارادے کے سبب یقیناً یقیناً یقیناً وہ اللہ کا ولی ہوجائے گا کیوں کہ اللہ کے ارادے پر مراد کا ترتب لازم اور تخلف محال ہے۔ لہٰذا یہاں لفظ اَلْعَزِیْزُ کے استعمال کا مدعا یہ ہے کہ ہم ضعیف ہیں، آپ اپنی

قدرتِ غالبہ، کاملہ، قاہرہ کو استعمال کیجیے کہ جو سالکینِ کرام ہیں اور آپ کی راہ میں تزکیہ چاہتے ہیں، ولی اللہ بنناچاہتے ہیں، آپ اپنی رحمت سے اپنی مدد ان کے شاملِ حال فرمادیجیے، صفتِ عزیز کا ان پر ظہور فرمادیجیے تاکہ ان کی کمزوریاں طاقت سے تبدیل ہو جائیں، ان کے ارادے مراد تک پہنچ جائیں۔

اور اسمِ اعظم اَلْحَکِیْمُ کیوں نازل ہوا؟ جب آپ تزکیہ عطا فرمادیں گے، دل کو پاک فرمادیں گے تو یہ دل عطائے نسبت کا محل ہو جائے گا کیوں کہ وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ یعنی کسی شی کو غیر محل میں رکھنا تو ظلم ہے اور آپ ظلم سے پاک ہیں اور وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ کسی شی کو اس کے محل میں رکھنا عین عدل ہے، عین کرم ہے۔ لہٰذا جب آپ کی صفت عزیز کے ظہور سے ان کا تزکیہ ہو جائے گا تو آپ کی حکمت خود متقاضی ہوگی کہ اس بندہ نے اتنی محنت کی اس کا دل مجلّٰی مصفّٰی ہو گیا لہٰذا اب اس کے دل کو اپنی نسبت بھی دے دوں، اس کو ولی اللہ بھی بنادوں اور اس کے دل میں اپنی نسبتِ خاصّہ کی تجلیات عطا فرمادوں۔

آیت نمبر ۵

فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ

ترجمہ: پس (ان نعمتوں پر) مجھ کو یاد کرو میں تم کو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری نعمت کی شکر گزاری کرو، میری ناسپاسی مت کرو۔[۴۵]

آیت فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کے لطائفِ عجیبہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نام میں لذّت رکھی ہے اور ہر شخص کے مجاہدہ اور قربانی کی مقدار کے مطابق لذّت اپنے قرب کی عطا فرمائی۔ فرماتے ہیں فَاذْکُرُوْنِیْٓ تم ہمیں یاد کرو، ہماری اطاعت کے ساتھ اَذْکُرْکُمْ ہم تمہیں یاد کریں گے اپنی عنایت کے ساتھ۔ جو لوگ عباداتِ مثبتہ یعنی ذکر و تلاوت و نوافل و عمرہ وغیرہ کا مزہ لیتے ہیں ان کی یہ عبادات ممزوج بالحلاوۃ ہیں، ممزوج بالعیش ہیں، عبادت میں مزہ آرہا ہے، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہوگی کیوں کہ فَاذْکُرُوْنِیْ پر اَذْکُرْکُمْ کا وعدہ ہے۔ لیکن عباداتِ منفیہ یعنی وہ عبادات جو مشقت و مجاہدہ

۴۵؎ البقرۃ: ۱۵۲

کی ہیں یہاں فَاذْكُرُوْنِیْ یہ ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے حرام قرار دیا تو اپنی رغبتِ شدیدہ کے باوجود دل پر غم اُٹھاکر میری فرماں برداری کرلو، جب کوئی حسین سامنے آجائے تو نظر بچالو، یہ عبادت ممزوج بالالم ہے اس پر اللہ کی عنایت کمّاً اور کیفاً زیادہ ہوگی۔ لہٰذا جو لوگ تقویٰ سے رہتے ہیں، گناہوں سے بچ کر غمِ تقویٰ اُٹھاتے ہیں ان کے قلب میں اللہ کی محبت کی مٹھاس، ان کے دردِ دل اور قرب کا عالم کچھ اور ہوتا ہے جیسا تمہارا فَاذْكُرُوْنِیْ ہوگا ویسا ہی میرا اَذْكُرْكُمْ ہوگا۔ جیسی تمہاری اطاعت ہوگی اسی کے بقدر میری عنایت تم پر ہوگی۔ ذکر و نوافل، تلاوت و عبادت سے جو تم نے ہمیں یاد کیا اس پر بھی ہم تمہیں جزا دیں گے اور اپنی عنایات سے تمہیں محروم نہیں کریں گے لیکن راستہ چلتے ان حسینوں سے، ان مٹی کے نقش و نگار سے تم نے نظر بچاکر جو غم اُٹھالیا، مجھ کو راضی کرنے کے لیے اپنی خوشیوں کو آگ لگادی، دل پر زخم کھایا یہاں ہمارا اَذْكُرْكُمْ کچھ اور رنگ کا ہوگا۔ نماز و تلاوت، نفلی حج و عمرہ میں ہمارا اَذْكُرْكُمْ تمہارے فَاذْكُرُوْنِیْ کے مطابق تو ہے لیکن رغبتِ شدیدہ کے باوجود نظر بچاکر جو مجاہدہ شدیدہ اُٹھاؤ گے تو ہمارے اَذْكُرْكُمْ کی کیفیت کچھ اور ہوجائے گی۔ تم نے میرے لیے غم اُٹھایا یہ میرے راستے کا غم ہے، میرے راستے کا کانٹا ہے لہٰذا ساری دنیا کی خوشیوں سے اور ساری دنیا کے پھولوں سے افضل ہے۔ میرے راستے میں اگر ایک کانٹا چبھ جائے تو یہ کانٹا اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا کے پھول اگر اس کو گارڈ آف آنر اور سلامی پیش کریں تو اس کانٹے کی عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر میرے راستے میں دل کو ایک ذرّۂ غم پہنچ جائے تو یہ ذرّۂ غم اتنا قیمتی ہے کہ اگر سارے عالم کی خوشیاں اس کو سلامِ احترامی پیش کریں تو اس ذرّۂ غم کی عظمت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک کا فَاذْكُرُوْنِیْ الگ ہے لہٰذا ہر ایک کے ساتھ میرا اَذْكُرْكُمْ الگ ہے، جیسے جس کے مجاہدات، جتنی جس کی قربانی اسی کے مطابق میری عنایات و مہربانی۔ جن کا ذکر ممزوج بالالم ہے، جو لوگ اللہ کے راستے میں غم اُٹھاتے ہیں، جہاز میں ایئر ہوسٹسوں سے اور بازاروں میں حسینوں سے نظر بچاتے ہیں، جن کی ہر سانس غم زدہ ہے، حسرت زدہ ہے، زخم زدہ ہے، جن کے قلب میں دریائے خون بہہ رہا ہے، یہ کوئی معمولی مجاہدہ نہیں ہے ان کا انعام اَذْكُرْكُمْ اللہ تعالیٰ کی عنایاتِ خاصّہ بھلا ان پر عظیم الشّان نہ ہوں گی؟ بھلا ان کے برابر کیسے ہوسکتی ہیں جن کے پاؤں میں کبھی ایک کانٹا بھی نہیں چبھا، اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں جو جتنی زیادہ قربانی پیش کرتا ہے اس کو اتنی ہی عظیم الشان عنایاتِ خاصہ سے نوازتے ہیں۔

آیت نمبر ۶

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ [۴۶]

ترجمہ: اور (دیکھو) ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے (جن کی یہ عادت ہے) کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال واولاد حقیقتاً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں اور ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہوگی۔ اور یہ ہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک رسائی ہوگئی)۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اور اس کے مخاطب صحابہ بھی ہیں اور قیامت تک آنے والی اُمتِ مسلمہ بھی۔ تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اوّل خطاب تو صحابہ سے ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ میں ضمیر كُمْ حاضر کی ہے، مگر صحابہ کے واسطے سے قیامت تک کے ایمان والوں کو خطاب ہے کہ ہم ضرور ضرور تمہارا امتحان لیں گے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کے معنیٰ امتحان لینے کے ہیں جیسا کہ سورۂ ملک میں فرمایا:

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا [۴۷]

---

[۴۶] البقرۃ: ۱۵۵، ۱۵۷

[۴۷] الملک: ۲

اے انسانو! تم کو زندگی ہم نے اس لیے دی ہے تاکہ ہم تمہیں آزمائیں کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور زندگی کے بعد موت دیتا ہوں تاکہ تم واپس آکر مجھے اپنا حساب کتاب پیش کرو۔

ابتلاء و امتحان کا مفہوم

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ حقیقتِ ابتلاء و حقیقتِ اختبار کا عام مفہوم تحصیلِ علم ہے کہ جس کا امتحان لیا جائے اس کے بارے میں علم حاصل کیا جائے کہ اس کے اندر کیا قابلیت ہے جیسے مدرسوں کے ممتحن اور مہتمم اسی لیے امتحان لیتے ہیں کیوں کہ ان کو خبر نہیں ہوتی کہ طالب علم میں کتنی قابلیت ہے، اس کو سبق یاد ہے یا نہیں اور یہ پاس ہوگا بھی یا نہیں۔ تو یہاں قابلیت کا علم حاصل کرنے کے لیے امتحان لیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف اس مفہوم کی نسبت کرنا محال ہے کیوں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ یہ علم حاصل کرنے کے لیے امتحان لیتے ہیں کہ کون کس درجہ کا صابر اور کس درجہ کا وفادار ہے اور یہ اللہ کے لیے محال ہے کہ وہ اپنے بندوں کی قابلیت سے بے خبر ہو کیوں کہ وَھُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ۔ وَھُوَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ وہ لطیف ہے، خبیر ہے، علیم ہے، ہمارے سینوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے لہٰذا یہاں امتحان کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی قابلیتِ صبر جاننے کے لیے امتحان لیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے امتحان کی کوئی ضرورت نہیں، وہ بغیر امتحان جانتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے، ہماری طاقتِ دست و بازو سے وہ باخبر ہے۔ لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ کا لفظِ امتحان اور ابتلاء استعمال فرمانا تحصیلِ علم کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کو استعارۂ تمثیلیہ کہتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ہم تو اپنے عاشقوں کے مقامات کو جانتے ہی ہیں کہ وہ ہر حال میں صابر اور میرے وفادار رہیں گے۔

عاشقانِ خدا کے امتحان کا مقصد

لیکن اس امتحان سے سارے عالم کو دِکھانا چاہتے ہیں، سارے عالم میں اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی تاریخ سازی کرتے ہیں کہ میرے عاشق ایسے باوفا ہوتے ہیں کہ مصائب میں بھی مجھ کو نہیں بھولتے اور نعمتوں میں بھی مجھے فراموش نہیں کرتے۔ لہٰذا یہاں امتحان سے تحصیلِ علم کا مفہوم محال ہے، یہ تو بندوں کے لیے ہے کیوں کہ ہم تو محتاج ہیں، ہم امتحان کے ذریعہ دوسروں کی قابلیت کا علم حاصل کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ امتحان سے بے نیاز ہے۔ وہ بغیر امتحان ہمیں خوب جانتا ہے۔ وَلَنَبۡلُوَنَّکُمۡ ضرور ضرور ہم تمہارا امتحان لیں

گے یعنی ان آزمائشوں سے، ان مجاہدات سے تمہیں گزاریں گے تاکہ سارے عالم میں اے ایمان والو! تمہاری وفاداری کی تاریخ روشن ہو جائے اور تمہاری وفاداری بھی ہمارے فضل سے ہو گی۔ ہماری امداد سے ہو گی:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ[۴۸]

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے تو اُمت کہاں سے صبر لائے گی۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ سے صبر مانگنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے امتحان کے منصوص پرچے

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ ہم ضرور ضرور تمہارا امتحان لیں گے مگر امتحان جو ہو گا بہت ہلکا ہو گا بِشَيْءٍ میں جو تنوین ہے وہ تقلیل کے لیے ہے۔ شَيْءٍ کے معنیٰ ہیں تھوڑا اور باء داخل کر دیا جس کے معنی ہوئے کہ شی ء کا بھی کچھ جز یعنی قلیل ترین بہت ہلکا پرچہ ہو گا لہٰذا زیادہ گھبر اؤمت اور کس چیز میں امتحان ہو گا؟ آگے پرچۂ مضمون بھی بتادیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اگر امتحان لینے والا سوالات کو پہلے ہی سے بتادے تو بتائیے کہ کتنا آسان پرچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امتحان کے پرچوں کو بتارہے ہیں کہ فلاں فلاں مضامین میں تمہارا امتحان ہو گا اس لیے امتحان کے پرچوں سے آگاہ فرمادیا اور تفسیر روح المعانی میں ایک وجہ اور بیان فرمائی کہ مصیبتِ فجائیہ یعنی جو مصیبت اچانک آ جاتی ہے وہ زیادہ محسوس ہوتی ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ یہ مصیبت آنے والی ہے تو اس کے لیے فیلڈ تیار ہو جاتی ہے، صبر آسان ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے آگاہ فرمادیا کہ فلاں فلاں مصیبت تم لوگوں کو آئے گی اور ان ان مصائب میں تمہارا امتحان ہو گا۔ تو پہلے سے علم ہو جانے سے پرچہ اور آسان ہو گیا اور اسی لیے اکثر مریض کافی دن تک بیمار رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کے متعلقین دھیرے دھیرے اس مصیبت کے لیے تیار ہو جائیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ میرے ماں باپ یا قریبی عزیز چارپائی پر پیشاب پاخانہ کر رہے ہیں تو جن کی موت سے ڈر رہا تھا وہ خود ہی دعا مانگنے لگتا ہے کہ یا اللہ! میرے امّاں ابّا کو یا بیوی کو یا شوہر کو یہ تکلیف نہ دیجیے، اب تحمل نہیں ہے کہ اگر اب زیادہ دن تک فالج رہے گا تو میرے ماں باپ کی کھالیں سڑ جائیں گی، زخمی ہو جائیں گی اور تمام بدن سڑ جائے گا۔ کروٹ نہ لینے سے بدن سڑ جاتا ہے۔ یہ حرکت جو ہے ہماری حفاظت ہے۔ جو ہم چلتے پھرتے رہتے ہیں اگر ایک طرح لیٹے رہیں تو کھال زخمی ہونے لگتی ہے۔

[۴۸] النحل: ۱۲۷

اللہ تعالیٰ کے امتحان کا پہلا پرچہ

تو اللہ تعالیٰ امتحان سے آگاہ فرمارہے ہیں وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ ہم تمہیں ضرور ضرور آزمائیں گے اور اس آزمائش اور امتحان کا پہلا پرچہ خوف ہے یعنی خوف میں ہم تمہارا امتحان لیں گے لیکن گھبرانا نہیں یہ پرچہ بھی بہت آسان اور ہلکا ہوگا۔ شیٔ کا استعمال بھی تقلیل کے لیے ہے اور تنوین بھی تقلیل کے لیے اور مِن بھی تبعیضیہ ہے یعنی بہت ہی قلیل خوف سے تمہاری آزمائش ہوگی جو دشمنوں سے یا نزولِ حوادث یا مصائب کی وجہ سے پیش آئے گا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلۡمُرَادُ بِالۡخَوۡفِ خَوۡفُ الۡعَدُوِّ[۴۹] خوف سے مراد دشمن کا خوف ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر مصائب کی وجہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ[۵۰]

ہر نبی کے لیے ہم نے دشمن بنایا۔ یہ جعل تکوینی ہے انبیاء کی ترقی درجات و تربیت کے لیے، پس جس کا کوئی دشمن نہ ہو سمجھ لو یہ شخص عَلٰی مَنۡهَجِ النُّبُوَّةِ نہیں ہے ورنہ اس کے بھی دشمن ہوتے اگرچہ اُمتی کا پرچہ نبیوں سے آسان ہوتا ہے کیوں کہ بڑے لوگوں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے۔ اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے مصائب مجھے دیے گئے کسی نبی کو ان مصائب سے نہیں گزارا گیا کیوں کہ آپ سید الانبیاء تھے لہٰذا ؎

جن کے رُتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اسی طرح صحابہ کو دشمنوں کا خوف رہتا تھا:

بَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ[۵۱]

یہاں تک کہ بعض وقت کلیجے منہ کو آگئے:

---

[۴۹] روح المعانی:۲۲/۲،البقرۃ (۱۵۵)،داراحیاءالتراث،بیروت

[۵۰] الفرقان:۳۱

[۵۱] الاحزاب:۱۰

وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا [۵۲]

اور سخت زلزلے میں ڈالے گئے ان کو ہلا دیا گیا لیکن پھر بھی وہ حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ کہتے تھے کہ ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ غرض وہ خوف میں مبتلا کیے گئے۔

اولیاء اللہ پر مصائب کی وجہ

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنا مقبول بناتا ہے، بڑے درجہ کی عزت دیتا ہے تو اس کو ذرا خوف سے بھی گزارا جاتا ہے تاکہ اس کا دل مضبوط ہو جائے اور اتنا غم پہنچایا جائے کہ جب اس کو ساری دنیا میں عزت اور خوشی ملے تو اس کے سابقہ غم تکبر سے اس کی محافظت کریں۔ اس کی عبدیت کا زاویہ قائمہ ۹۰ ڈگری قائم رہے۔ ایسا نہ ہو کہ چاروں طرف سے واہ واہ ہو تو اس کی آہ ختم ہو جائے۔ جس متبعِ سنّت بندے کو اللہ تعالیٰ بڑا رتبہ دینا چاہتے ہیں اس کو اتنا غم دیتے ہیں کہ اس کی آہ نہ باہ سے ضایع ہوتی ہے نہ جاہ سے ضایع ہوتی ہے اور نہ واہ واہ سے ضایع ہوتی ہے۔ سارا عالم اس کی تعریف کرے لیکن اس کی بندگی اور اس کی عاجزی، اس کی آہ و زاری، اس کی اشکباری ہمیشہ قائم اور تابندہ درخشندہ اور پایندہ رہتی ہے۔ اس لیے غم سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ایسے حالات سے اللہ تعالیٰ گزار دیتا ہے دیکھو صحابہ کو خطاب ہو رہا ہے وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ اور جنگِ بدر وغیرہ میں کیسے کیسے مصائب سے گزرے لیکن انبیاء کو جو مصائب دیے جاتے ہیں وہ ان کی بلندیٔ درجات کے لیے ہوتے ہیں۔ انبیاء کو عجب و کبر سے حفاظت کے لیے نہیں دیے جاتے کیوں کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ اس کے اندر پیدا ہی نہیں ہو سکتے اس لیے انبیاء کے مصائب ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ درجات کے لیے ہوتے ہیں لیکن اولیاء اللہ کو خوف اور مصیبت جو پیش آتی ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عجب و کبر سے ان کی حفاظت رہے۔

امتحان کا دوسرا پرچہ

اور خوف کے بعد دوسرے امتحان سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ وَ الۡجُوۡعِ تمہارے امتحان کا دوسرا پرچہ بھوک ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں بھوک سے مراد قحط ہے، اصل میں بھوک مسبب ہے اس کا سبب قحط ہے لہٰذا اس کی تفسیر قحط سے کی کہ بارش نہیں ہوگی تو غلہ کم ہو جائے گا۔ اور روٹی نہیں ملے

۵۲؎ الاحزاب:۱۱

گی تو بھوک لگے گی تو یہ تسمیۃ السبب باسم المسبب ہے۔ اس کو بلاغت کے علم میں ''مجاز مرسل'' کہتے ہیں۔ اس نبی اُمی کی زبان سے ''مجاز مرسل'' کا استعمال جس نے کبھی مکتب کا منہ دیکھا ہو نہ مختصر المعانی پڑھی ہو نہ مجاز مرسل کا نام ہی سنا ہو یہ دلیل ہے کہ یہ نبی اپنی طرف سے کلام نہیں بناتا۔ بکریاں چرانے والا پیغمبر اپنی بلاغت سے تمام عالم کو عاجز کر رہا ہے۔ اس اُمی کی زبان سے ایسا فصیح و بلیغ کلام جاری ہونا خود دلیل ہے کہ یہ نبی کا کلام نہیں بلکہ سینۂ نبوت پر کلام اللہ نازل ہو رہا ہے اور کلام اللہ کو آپ کے قلب مبارک میں جمع کرنے اور آپ کی زبان مبارک سے پڑھوانے اور بیان کرانے کی ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے لی۔ جب قرآن مجید نازل ہوتا تھا تو آپ ڈر کی وجہ سے جلدی جلدی دُہراتے تھے کہ کہیں بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آیت نازل فرمائی کہ اے نبی! نزولِ وحی کے وقت آپ جلدی جلدی دُہرایا نہ کیجیے کیوں کہ آپ کے قلب مبارک میں اس کا جمع کرادینا اور آپ کی زبانِ مبارک سے پڑھوادینا ہمارے ذمہ ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ [۵۳]

پھر لوگوں کے سامنے اس کا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ لہٰذا آپ کیوں گھبراتے ہیں۔

امتحان کا تیسرا پرچہ

تو امتحان کے دو پرچے ہوگئے۔ پہلا پرچہ خوف اور دوسرا پرچہ بھوک اور تیسرا پرچہ ہے وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ اور کبھی کبھی تمہارے مال میں بھی نقصان ہوگا اور کس طرح سے ہوگا؟ کبھی تجارت میں گھاٹا ہوگا اور صاحبِ تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں کہ کبھی باغات میں پھل نہیں آئیں گے تو پھلوں کی کمی سے مال کی کمی ہوجائے گی۔

امتحان کا چوتھا پرچہ

اور چوتھا پرچہ ہے وَ الۡاَنۡفُسِ اور کبھی کبھی تمہارے پیاروں کی ہم جان لے لیں گے یعنی اِنَّ ذَهَابَ الۡاَحِبَّةِ لِسَبَبِ الۡقَتۡلِ وَالۡمَوۡتِ کسی کا قتل ہوگا، کسی کو موت آئے گی اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہوگا۔ موت چاہے قتل سے ہو یا طبعی ہو کبھی تمہارے پیارے اٹھائے جائیں گے تو اس میں بھی تمہارا امتحان ہوگا۔

۵۳؎ القیامۃ:۱۹

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پرچہ آؤٹ کرکے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتادیا کہ یہ مصیبت اچانک نہیں ہوگی کیوں کہ ہم تو پہلے ہی بتاچکے ہیں کہ ان مضامین میں تمہارا امتحان ہوگا۔ مصیبت آنے والی ہو تو آدمی اس کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور پھر بتانے والا اللہ، جہاں تخلف نہیں ہوسکتا، جہاں جھوٹ کا امکان نہیں ہے۔

امتحان کا پانچواں پرچہ

اور پانچواں امتحان ہے وَ الثَّمَرٰتِ اور کبھی اللہ تعالیٰ پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے۔ اس کی تفسیر بعضوں نے یہ بھی کی ہے کہ اس سے مراد اولاد کا انتقال ہے کہ اولاد ماں باپ کے لیے پھل ہوتے ہیں۔ بہر حال ظاہر تفسیر یہی ہے کہ باغات میں پھل نہیں آئیں گے۔[۵۴]

مصیبت اور لفظ بشارت کا ربط

کیوں صاحب! اگر مصیبتیں، بلائیں اور تکالیف بُری چیز ہیں تو کیا بری چیز پر بھی بشارت دی جاتی ہے؟ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے، خوشخبری سنا دیجیے۔ کسی کو تکلیف ہو اور آپ کہیں: مبارک ہو! تو اس کو کس قدر غم ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! اس امتحان میں جب کوئی مبتلا ہو تو آپ بشارت دے دیجیے، کس کو بشارت دیجیے؟ صبر کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ مؤمن کے لیے مصیبت اگر بُری چیز ہوتی تو یہاں اللہ تعالیٰ لفظ بشارت نازل نہ فرماتے اور بشارت دینے والا ارحم الراحمین ہے اور جس کے ذریعہ بشارت دلا رہے ہیں وہ رحمۃ للعالمین ہے یعنی سب سے بڑے پیارے نے مخلوق میں سب سے بڑے پیارے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بشارت دلوائی ہے لہٰذا یہ بشارت بھی کتنی پیاری ہے، یہ بشارت دلیل ہے کہ یہ مصیبت زحمت نہیں، رحمت ہے، نعمت ہے اور کوئی عظیم الشان چیز ملنے والی ہے جیسے کوئی کسی سے موٹر سائیکل چھین لے اور مرسڈیز دے دے تو بتائیے کیا یہ مصیبت ہے؟ پس مصیبت مؤمن کے لیے بری چیز نہیں کیوں کہ صبر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو مل جاتے ہیں اور؎

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

پس صبر اتنی بڑی نعمت ہے جس پر معیتِ الٰہیہ کا انعامِ عظیم ملتا ہے۔

[۵۴] روح المعانی: ۲۲/۲، البقرۃ (۱۵۵)، دار احیاء التراث، بیروت

صبر کی تین قسمیں

صبر کے تین معنیٰ ہیں:

اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِیْبَۃِ مصیبت میں صبر کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہے، دل سے شکایت اور اعتراض نہ کرے۔ حکیم الامّت مجددِ ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، حج فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، جہاد فرض ہے اتنا ہی اللہ کی مرضی پر راضی رہنا بھی فرض ہے جس کا نام رضا بالقضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہنا یہ صرف سنّت اور مستحب اور واجب نہیں، بلکہ فرض ہے کہ دل میں اعتراض نہ پیدا ہو اور دل سے شکایت نہ کرے گو آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔ اشکبار ہونا اور غم کا اظہار کرنا یہ صبر اور رضا بالقضا کے خلاف نہیں۔ میرا ایک شعر ہے ؂

حسرت سے میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں
دل ہے کہ ان کی خاطر تسلیم سر کیے ہے

بعض نادان کہتے ہیں کہ دیکھو اتنے بڑے عالم ہو کر رو رہے ہیں۔ وہ نادانی سے سمجھتے ہیں کہ رونا خلافِ سنّت ہے۔ حالاں کہ خلافِ سنّت تو کیا ہوتا عین اتباعِ سنّت ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ صحابہ کے سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دلیلِ رحمت ہے، یہ بے صبری نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اپنے پیاروں کے انتقال پر رونا خلافِ صبر لہٰذا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے اس نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت ادا کی۔ بعض لوگوں نے ضبط کیا اور نہیں روئے۔ ”آہ“ بھی نہیں کی تو کیا ہوا کہ برداشت نہ کر سکے اور حرکتِ قلب بند ہو گئی لہٰذا اتباعِ سنّت میں ہماری حیات ہے، ہماری زندگی کی ضمانت ہے۔ اس لیے غم میں کچھ آہ کر لو، کچھ رو لو، کچھ مرنے والے کا تذکرہ بھی کر لو۔ یہ دلیلِ رحمت ہے دلیلِ تعلق ہے اور اس سے دل ہلکا ہو جاتا ہے یہ خلافِ صبر نہیں۔ بے صبری یہ ہے کہ اعتراض کرنے لگے یا زبان سے شکوہ کرے کہ میرے عزیز کو ابھی سے کیوں اُٹھالیا وغیرہ۔

اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَۃِ طاعت پر صبر کرنا، یہ صبر کی دوسری قسم ہے۔ یعنی جو نیک اعمال کرتا ہے، دین کا جو کام کرتا ہے جیسے نماز، روزہ، ذکر و تلاوت سب پر قائم رہے، فرماں برداری و طاعت پر قائم رہنا بھی صبر ہے۔

اَلصَّبۡرُ عَنِ الۡمَعۡصِيَةِ گناہوں سے صبر کرنا جب گناہ کا تقاضا ہو تو نفس کو گناہ سے روکنا اور نفس پر کنٹرول رکھنا اور اس گناہ سے رُکنے میں دل پر جو غم اور دُکھ آئے اس کو برداشت کرنا یہ صبر سب سے اعلیٰ ہے، یہ وہ صبر ہے جس سے انسان ولی اللہ بن جاتا ہے، جس کا دل گناہ کے لیے بے چین ہو رہا ہو، جو شخص گناہوں کے شدید تقاضے دل میں رکھتا ہو اگر کوئی حسین شکل سامنے آجائے تو اسے دیکھنے کا شدید تقاضا ہوتا ہے مگر یہ تقاضے پر عمل نہیں کرتا اور چوں کہ تقاضا شدید ہے اس کی وجہ سے اس کے بچنے میں اس کو مجاہدہ شدید ہو گا اور جب مجاہدہ شدید ہو گا تو اس کو مشاہدہ بھی شدید ہو گا یعنی اللہ کی تجلی اس کے قلب پر قوی تر ہو گی۔ پس جو شخص صبر کی مذکورہ تینوں قسموں پر عمل کرے گا تو پھر:

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ [۵۵]

یعنی اللہ تعالیٰ کی معیتِ خاصہ کا انعام ہے اور صبر کی بدولت ہی ولایت کا سب سے اعلیٰ مقام، مقامِ صدیقیت نصیب ہوتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

صبر بگذیدند و صدیقیں شدند

انہوں نے صبر اختیار کیا اور مقامِ صدیقیت تک پہنچ گئے، یہ نہیں کہ مصیبت پر صبر کر لیا، طاعت پر بھی صبر کر لیا لیکن شراب وزِنا اور بدمعاشی جاری ہے، معیتِ خاصہ کا انعام جب ملتا ہے جب صبر کی تینوں قسموں پر عمل ہو خصوصاً جو اَلصَّبۡرُ عَنِ الۡمَعۡصِيَةِ یعنی گناہوں کے تقاضوں پر صبر نہیں کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی ولایتِ علیا سے محروم رہے گا، ولایتِ عامہ تو ہر مؤمن کو حاصل ہے مگر میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ جو چاہے کہ میرے قلب میں شکستگی آجائے، میرا دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں جلا بھنا کباب ہو اور میرے قلب پر تجلیاتِ الٰہیہ متواترہ، مسلسلہ، بازغہ، وافرہ عطا ہوں تو وہ گناہوں سے بچنے کا غم اُٹھالے۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی خوشبو دو سو میل حجازِ مقدس تک گئی جب کہ رسولِ خدا حالتِ سفر میں تھے اور خدا کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا:

اِنِّیۡ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ قِبَلِ الۡیَمَنِ [۵۶]

---

۵۵ البقرۃ: ۱۵۳

۵۶ مرقاۃُ المفاتیح: ۴۶/۱، کتابُ المناقب، باب ذکر الیمن والشام

یمن سے مجھے اللہ تعالیٰ کے قرب کی خوشبو آرہی ہے۔ مشک میں اتنی طاقت کہاں کہ دو سو میل تک اس کی خوشبو جائے؟ یہ حضرت اویس قرنی کے قلب کی خوشبو تھی جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں جل رہا تھا۔

ہمت سے کام لو تو اللہ تعالیٰ امتحان میں صبر کرنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بشارت دِلا رہے ہیں اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اے نبی! آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجیے جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کی مِلک ہیں اور ان ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

استرجاع کی سنّت

اور مصیبت کی چار تفسیریں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ ذیل مواقع پر صبر فرمایا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ ان چار مقامات پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کو ہدایت کر دی کہ چھوٹی سی چھوٹی مصیبت پر بھی اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ یعنی معیتِ خاصہ کی دولت حاصل کر لو، وہ کیا ہے؟

۱) عِنْدَ لَدْغِ الشَّوْکَۃِ: کانٹا چبھ جانے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا ہے، آیت اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ کی تفسیر میں صاحبِ تفسیر روح المعانی لکھتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار مواقع پر اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر عمل کا راستہ کھول دیا تاکہ تمہارے اندر فہم پیدا ہو کہ کہاں کہاں پڑھنا چاہیے۔

۲) وَعِنْدَ لَسْعِ الْبَعُوْضَۃِ اور جب مچھر کاٹ لیتا تھا تب بھی آپ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھتے تھے۔ یہ راستہ مل رہا ہے کہ چھوٹی مصیبت پر بھی فضیلت مل رہی ہے۔ ہے تو چھوٹی مصیبت مگر بڑی فضیلت لے لو، چھوٹے عمل پر اجرِ عظیم لے لو اور اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کی معیتِ خاصہ حاصل کر لو۔ اور آپ نے یہ خاموشی سے نہیں پڑھا ذرا بلند آواز سے پڑھا جب ہی تو صحابہ نے سنا، بس صحابہ کا سننا دلیل ہے کہ آپ نے زبانِ نبوت سے جہراً پڑھا جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے یا بیٹھ کر تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے قرآن شریف میں نہیں پڑھا:

وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا [۵۷]

خطبہ کی حالت میں آپ قائم یعنی کھڑے تھے جب اونٹوں کا قافلہ دیکھ کر گندم لینے کے لیے بعض صحابہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے، معلوم ہوا کہ آپ کھڑے ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا میں قائماً حال ہے اور فعل حال سے مقید ہوتا ہے یعنی اس حالت میں آپ کو چھوڑا کہ آپ کھڑے ہوئے تھے تو ایسے ہی صحابہ کا اِنَّا لِلّٰهِ سننا دلیل ہے کہ آپ نے جہراً پڑھا۔ اور تیسرا موقع جب آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھا۔

۳) وَعِنْدَ انْطِفَآءِ الْمِصْبَاحِ: اور جب چراغ بجھ جاتا تھا تو بھی آپ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھتے تھے۔ اس زمانے میں جب کبھی بجلی فیل ہو جائے تو اس سنّت کو ادا کر لیا کریں۔ یہ نہیں کہ اب ہمارے پاس چراغ تو نہیں ہے۔ چراغ نہیں ہے تو بجلی تو ہے لہٰذا یہ سنّت ادا کرو۔ ایک دفعہ بجلی فیل ہو گئی تو حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بجلی تو فیل ہوئی مگر دل میں تجلی تو ہے۔ اور چوتھا موقع جب آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھا وہ یہ ہے:

۴) وَعِنْدَ انْقِطَاعِ الشِّسْعِ: جب چپل کا فیتہ ٹوٹ جائے تب بھی پڑھو اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ یہ چار مثالیں ہیں۔

تعریفِ مصیبت بزبانِ نبوت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت دیکھیے کہ ان چار مثالوں پر عمل کر کے اُمت کو دکھا دیا لیکن پھر آخر میں ایک قاعدۂ کلیہ بھی بتا دیا چوں کہ ہر شفیق اور مہربان استاد چند جزئیات کے بعد ایک کلیہ بیان کر دیتا ہے تاکہ شاگرد اس پر قیاس کر سکے، لہٰذا رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کلیہ بیان فرما دیا تاکہ قیامت تک آنے والی اُمت اپنی ہر حالت کو اس پر منطبق کر سکے اور قیاس کر سکے کہ اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنے کے کیا مواقع ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے کلیہ کے طور پر مصیبت کی تفسیر بیان فرما دی کہ:

كُلُّ مَا يُؤْذِى الْمُؤْمِنَ فَهُوَ مُصِيْبَةٌ لَّهٗ وَ اَجْرٌ [۵۸]

ہر وہ چیز جو مؤمن کو تکلیف پہنچا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے اور اس پر اجر ہے۔ اور ایک بات اور بھی سن لو

---

۵۷ الجمعة: ۱۱

۵۸ روح المعانی: ۲/۲۳، البقرة (۱۵۶)، دار احیاء التراث، بیروت

کہ اگر دس سال پہلے کی مصیبت یاد آجائے جیسے دس سال پہلے کسی کا انتقال ہوا اور آج اس کا خیال آگیا اور دل میں تھوڑا سا غم آگیا تو پچھلی مصیبتوں پر بھی جو اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ پڑھے گا اس کو بھی اجر ملے گا۔

اس اُمّت کی ایک امتیازی نعمت

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت کو ایک ایسی چیز دی گئی جو سابقہ اُمتوں میں سے کسی اُمت کو نہیں دی گئی اور وہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت تم اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ کہو لہٰذا ہم سب کو اپنی قسمت پر شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل میں وہ نعمت دی جو پچھلی امتوں میں کسی کو بھی نہیں دی اور فرمایا کہ اگر پہلے کسی کو یہ نعمت دی جاتی تو سب سے زیادہ حق حضرت یعقوب علیہ السلام کا تھا کہ جب اُن کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام گم ہو گئے تو اس وقت وہ کہتے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ لیکن چوں کہ یہ نعمت کسی نبی کو نہیں دی گئی اس لیے بیٹے کے گم ہونے پر آپ کو جو غم پہنچا تو آپ نے کہا:

یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ [۵۹]

ہائے یوسف افسوس! لہٰذا اس امت کو اِنَّا لِلّٰهِ مابہ الامتیاز نعمت ہے جو سارے عالم میں ہم کو امتیازی شرف دیتی ہے، اُممِ سابقہ سے ممتاز کرتی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے کرم ہمیں عطا ہوئے۔

حقیقی صبر کیا ہے؟

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ صبر صرف زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنے کا نام نہیں، سنّت اِسترجاع یعنی اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنے کی سنّت حقیقی معنوں میں اس وقت ادا ہوگی جب زبان کے ساتھ دل بھی شامل ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مِلک ہیں، ملکیت ہیں مملوک ہیں اور مالک کو اپنی ملک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا ہمارے گھر میں مولانا مظہر سلمہ کی والدہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت تھیں۔ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی چیز کو جہاں چاہے رکھے اور جب تک چاہے رکھے اور جہاں چاہے اُٹھا کر رکھ دے۔ اِنَّا لِلّٰهِ

---

[۵۹] یوسف: ۸۴

سے مراد یہی ہے کہ ہم ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور مالک کو ہم پر ہر طرح کے تصرف کا حق حاصل ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ اور یہ جدائی عارضی ہے، ہم لوگ بھی وہیں جانے والے ہیں۔ یہ دو جملے ہیں ان سے بڑھ کر کائنات میں صبر کا کوئی کلمہ نہیں ہوسکتا۔ مصیبت میں اس کلمہ سے زیادہ مفید و لاجواب موتی کا کوئی مُفرح خمیرہ نہیں پیش کرسکتا۔

پہلی بشارت...رحمتِ خاصّہ

صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بشارت دی جارہی ہے وہ کیا ہے؟ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ صَلَوٰتٌ جمع ہے صَلٰوۃٌ کی، معنٰی خاص خاص رحمتیں یعنی اللہ تعالیٰ کی صبر کرنے والوں پر خاص خاص رحمتیں یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں پر خاص خاص رحمتیں نازل فرمائے گا لیکن آگے وَرَحۡمَۃٌ نازل فرما کر بتادیا کہ میں رحمتِ عامہ سے بھی اپنے صبر کرنے والے بندوں کو محروم نہیں کروں گا، یہ تعمیم بعد التخصیص ہے کہ صابرین پر خاص خاص رحمتیں تو اللہ تعالیٰ برسائے گا ہی، مگر رحمتِ عامہ بھی دے گا یعنی رحمتِ خاصہ کے آبشار کے تسلسل کے ساتھ رحمتِ عامہ بھی ملے گی، پے در پے صلوات اور رحمت پہ رحمت نازل ہوگی۔ یہ تفسیر بیان القرآن ہے جو پیش کررہا ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صلوات سے مراد خاص خاص رحمتیں ہیں۔

دوسری بشارت...رحمتِ عامہ

اور جو بعد میں وَرَحۡمَۃٌ ہے یہ تعمیم بعد التخصیص ہے یعنی رحمتِ عامہ مراد ہے اور اس کی وجہ حضرت نے عجیب بیان فرمائی کہ چوں کہ حکم صبر پر عمل کرنے میں تمام صابرین مشترک ہیں اس لیے اس کا بدلہ رحمتِ عام ہے لیکن چوں کہ ہر صابر کے صبر کی کیفیت و خصوصیت و کمیت جدا ہے لہٰذا ان خصوصیات کا صلہ بھی جُدا جُدا خاص عنایتوں سے ہوگا۔ جتنا جس کا صبر ہوگا اتنی ہی عنایتِ خاصہ اس پر مبذول ہوگی اور یہ نزولِ رحمت تمہارے رب کی طرف سے بدونِ واسطۂ ملائکہ ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست رحمتیں نازل ہوں گی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ فرمایا کہ تمہارا رب براہِ راست تم پر رحمت نازل کرے گا۔ دیکھو کوئی دوست کسی کو براہِ راست کوئی چیز دے اور خود نہ دے بلکہ کسی کے ذریعہ سے دے تو فرق ہے یا نہیں؟ تو مِّنۡ رَّبِّہِمۡ سے اللہ تعالیٰ نے مزہ بڑھادیا اور صبر کو میٹھا کردیا کہ تمہارے رب کی طرف سے بدونِ واسطۂ ملائکہ رحمتِ خاصہ بھی ملے گی اور رحمتِ عامہ بھی۔

تیسری بشارت... نعمتِ اہتداء

وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ بھی دکھایا اور مطلوب تک بھی پہنچا دیا یعنی اس حقیقت تک ان کی رسائی ہوگئی کہ حق تعالیٰ ہی ہمارے مالک اور نقصان کا تدارک کرنے والے ہیں۔ ہدایت کے دو معنی ہیں: ایک تو اِرَآءَۃُ الطَّرِیْقِ یعنی راستہ دِکھانا اور دوسرے اِیْصَالٌ اِلَی الْمَطْلُوْبِ یعنی مطلوب تک پہنچا دینا۔ اِرَآءَۃُ الطَّرِیْقِ یہ ہے کہ جیسے کوئی راستہ دکھا دے کہ وہ نیپا چورنگی ہے اور اِیْصَالٌ اِلَی الْمَطْلُوْبِ یہ ہے کہ نیپا چورنگی تک پہنچا دیا پس صبر کی دو برکات ہیں: ایک تو اللہ کا راستہ نظر بھی آئے گا اور دوسرے اللہ تعالیٰ تک رسائی بھی ہوگی۔ یہ ہے مُھْتَدُوْنَ کا ترجمہ کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں کہ جن کو اپنے مِلک ہونے اور حق تعالیٰ کے مالک ہونے کا یقین آگیا اور جو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقصان کا تدارک فرما دیتے ہیں۔

آیتِ شریفہ کی مزید تشریح

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی جلد ۲، صفحہ ۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مصیبت عام ہے جو تکلیف بھی انسان کو پہنچے اس کے نفس کو یا مال کو یا اہل و عیال کو قلیل ہو وہ ناگوار بات یا کثیر ہو یہاں تک کہ کانٹا چبھ جانا، مچھر کا کاٹنا، جوتے کا تسمہ ٹوٹ جانا، چراغ بجھ جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مواقع پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچے وہ مصیبت ہے اور اس کے لیے اجر ہے۔ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ میں اِذَا سے اشارہ ہے کہ اِنَّ الْاَجْرَ لِمَنْ صَبَرَ وَقْتَ اِصَابَتِھِمْ یعنی اجر اس شخص کے لیے ہے کہ جب تکلیف پہنچے اس وقت صبر کرے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: اَلصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی[۶۰] جزیں نیست کہ صبر اوّل مصیبت کے وقت ہے (کیوں کہ دن گزرنے سے تو صبر سب ہی کو آجاتا ہے) اسی لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ رضاء بالقضاء کی تعریف کی ہے اَلرِّضَآءُ وَ ھُوَ سُرُوْرُ الْقَلْبِ بِمُرُوْرِ الْقَضَآءِ دل کا مسرور ہونا قضا کے ورود کے وقت، لیکن اس رضا کا نام رضائے طبعی ہے جو غلبۂ اُنس اور غلبۂ شوق میں نصیب ہوتا ہے، جس کا بندہ مکلف نہیں، جس رضا کا درجہ فرض ہے وہ رضائے عقلی ہے۔

---

[۶۰] صحیح البخاری: ۸۳/۲، باب الصبر عند الصدمۃ الاولٰی، دار طوق النجاۃ

تعریف رضائے عقلی جو حضرت حکیم الامت تھانوی نے بیان فرمائی ہے وہ قضا پر عدم اعتراض ہے وَهُوَ تَرْكُ الْاِعْتِرَاضِ عَلَى الْقَضَآءِ نیز فرمایا کہ رضائے عقلی میں الم کا احساس ہوتا ہے اور رضائے طبعی میں احساسِ الم باقی نہیں رہتا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر صرف زبان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھ لینے کا نام نہیں بلکہ صبر زبان سے بھی ہو اور قلب سے بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو یاد کرے جو اُن سے کہیں زیادہ ہیں جو حق تعالیٰ نے اس سے واپس لی ہے۔ اس سے صبر کرنا آسان ہو گا اور تسلیم کی شان پیدا ہو گی اور استرجاع یعنی اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھنا اس امت کے لیے خاص انعام ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ میری اُمت کو ایک چیز ایسی دی گئی ہے جو کسی امت کو نہیں دی گئی سابقہ اُمتوں میں سے اور وہ یہ کہ مصیبت کے وقت تم اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہو اور اگر کسی کو یہ استرجاع دیا جاتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیا جاتا جس وقت کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی جدائی میں فرمایا تھا يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ ہائے یوسف افسوس!

سنّت اِسترجاع کی تکمیل

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسنون یہ ہے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے بعد یہ کہے اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اے اللہ! مجھے اجر عطا فرما میری مصیبت میں اور اس سے بہتر کوئی نعمت مجھے عطا فرما۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سُنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی بندے کو مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھ لے یعنی اِنَّا لِلّٰهِ سے خَيْرًا مِّنْهَا تک تو حق تعالیٰ شانہ اس کو اجر عطا فرماتے ہیں اور اس سے بہتر نعمت عطا فرماتے ہیں۔ پس جب ابو سلمہ (ان کے شوہر) کی وفات ہوئی تو انہوں نے اس کو پڑھا اور حق تعالیٰ نے ان سے بہتر عطا فرمایا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا ؏

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا ہے جس میں اشارہ ہے اِنَّ نُزُوْلَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں اللہ تعالیٰ کی خاص و عام رحمتوں کا صابرین پر نزول ہوتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اس اشارہ کی تائید بھی ہوتی ہے جس کو روح المعانی میں اسی مقام پر درج کیا گیا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا مَرْفُوْعًا مَّنِ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُصِیْبَۃِ جَبَرَ اللہُ تَعَالٰی مُصِیْبَتَہٗ وَاَحْسَنَ عُقْبَاہُ وَجَعَلَ لَہٗ خَلَفًا صَالِحًا یَّرْضَاہُ[۶۱]

ترجمہ: جس شخص نے مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اللہ تعالیٰ شانہ اس کی مصیبت کے نقصان کی تلافی فرماتے ہیں اور اس کے عقبیٰ کو احسن کر دیں گے اور اس کو ایسا نعم البدل عطا فرمائیں گے جس سے وہ خوش ہو جائے گا۔

آیتِ شریفہ کی تشریح بعنوانِ دگر

جس کے یہاں کوئی صدمہ اور غم پہنچ جائے وہاں حاضر ہونا اور کچھ تسلی کے کلمات پیش کرنا اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنّت قرار دیا ہے۔ تعزیت کے معنی ہیں تسلی دینا۔ اس لیے تعزیت سنّت ہے اور سنّت کی برکت سے اللہ تعالیٰ غم زدہ دلوں پر سکون و تسلی کا مرہم عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر رحم فرماتے ہوئے ایسے وقت ایک دوسرے کے گھر جانا اور تسلی دینا سنّت قرار دے دیا اور تسلی (تعزیت) کو تین روز تک کے لیے سنّت قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین دن کے بعد غم گھٹنے لگتا ہے، تین دن تک غم اپنے جوش پر ہوتا ہے لہٰذا تین روز تک تسلی دینا سنّت ہے، اس کے بعد مسنون نہیں، تین دن کے بعد یہ غم آہستہ آہستہ ہلکا ہوتے ہوئے سال دو سال کے بعد آپ کو یاد بھی نہیں آئے گا کہ دل پر کیا سانحہ گزرا تھا، تصور میں تو آئے گا کہ میری ماں نہیں ہے لیکن ایسا غم نہیں ہوگا جیسا اُس وقت تھا۔

میری والدہ کا ناظم آباد میں جب انتقال ہوا تقریباً پندرہ سال پہلے تو مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ بس ان کی کوئی چیز دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، ان کی چارپائی دیکھ کر، ان کا پاندان دیکھ کر دل رونے لگتا تھا۔ لہٰذا میں اپنے دوستوں میں دل بہلانے کے لیے ٹیکسلا چلا گیا لیکن آج غم کا کوئی ایک ذرّہ معلوم نہیں ہوتا۔ بس ایک ہلکا سا خیال تو ہوتا ہی ہے ماں باپ کا، ماں باپ کی محبت کو تو کوئی شخص بھول سکتا ہی نہیں۔ اس لیے ماں باپ کے لیے اللہ تعالیٰ دعا سکھا رہے ہیں۔ قرآن مجید میں آیت نازل کر دی کہ تم اللہ سے یوں کہو:

رَبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا[۶۲]

---

[۶۱] المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰/۳۹۷، (۱۲۸۵۲)، مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاھرۃ

[۶۲] بنی اسرآءِیل: ۲۴

اے میرے رب! میرے ماں باپ پر رحمت نازل فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔ اللہ تعالیٰ سکھا رہے ہیں کہ اپنے ماں باپ کے لیے دعا کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ نے غم زدہ دلوں کے لیے ارشاد فرمایا کہ جب تم کو کوئی صدمہ اور غم پہنچے، جب کوئی مصیبت کا واقعہ پیش آ جائے تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ایسے لوگوں کو بشارت دے دیجیے، خوش خبری سنا دیجیے جو کسی مصیبت کے وقت میں اپنے رب کی مرضی پر راضی رہتے ہیں اور ان کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے کوئی اعتراض اور شکایت نہیں ہوتی اور کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ میں زبردست تسلی کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ اس آیت میں دو جملے ہیں: ایک اِنَّا لِلّٰہِ دوسرا وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔

اِنَّا لِلّٰہِ کے معنی ہیں کہ ہم سب اللہ کے مملوک ہیں، غلام ہیں، لام ملکیت کے لیے آتا ہے یعنی ہم اپنی ذات کے مالک نہیں ہیں، اگر اپنی ذات کے مالک ہوتے تو خودکشی جائز ہوتی کیوں کہ اپنی چیز میں آدمی کو تصرف کا حق ہے، اگر ہم اپنی چیز ہوتے تو گلے میں پھندا ڈالنا جرم نہ ہوتا لیکن خودکشی اس لیے حرام ہے کہ تم اپنے مالک نہیں ہو، تم ہماری امانت ہو، ہماری چیز ہو، تمہیں اپنا گلا گھونٹنے کا کیا حق ہے؟ یعنی خودکشی کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم خود اپنے مالک نہیں ہیں، ہمارے جسم و جان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ کے معنی ہیں کہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں لہٰذا اس جملے میں ایک تسلی تو یہ ہے کہ جب ہم مملوک اور غلام ہیں تو مالک کو ہمارے اندر ہر تصرف کا حق حاصل ہے، جو چیز چاہے ہم کو دے جس کو چاہے ہم سے لے لے کیوں کہ صدمہ کے وقت میں دو خیال آتے ہیں: ایک تو یہ کہ ہماری ماں، باپ یا شوہر کو جلدی بلا لیا، ہم سے چھین لیا۔ اس کا جواب اِنَّا لِلّٰہِ ہے کہ تمہاری ماں، باپ، شوہر یا بیٹا بھی ہماری ملکیت، تم بھی ہمارے غلام۔ اور مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک عمر ساتھ رہنے سے محبت ہو جاتی ہے، اب اس عزیز کی جدائی سے جو غم ہو رہا ہے اس کا کیا علاج ہے۔ تو اس کے لیے تسلی کا دوسرا مضمون اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ میں نازل فرما دیا کہ اللہ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ جدائی دائمی تھوڑی ہے، عارضی جدائی ہے۔ آج تمہاری ماں گئی ہے ایک دن تم بھی ہمارے پاس واپس آ جاؤ گے ؎

آج وہ، کل ہماری باری ہے

اور وہاں سب اعزاء و اقرباء پھر مل جائیں گے اور پھر کبھی جدائی نہ ہو گی لہٰذا کیوں گھبراتے ہو؟

غم زدہ دلوں کے لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تسلی کا زبردست مضمون نازل فرمایا ہے اور اس سے قبل ہی صبر کرنے والوں کو یہ بشارت بھی سنا دی کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ یعنی ہم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ پس کسی کے انتقال پر یا مصیبت پر جو اجر و ثواب ہم نے تمہارے لیے رکھا ہے وہ تو ہے ہی لیکن اگر تم سے تمہاری کوئی چیز کھو گئی، تمہاری اولاد، ماں باپ، بیوی یا شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس کے بدلے میں ہم تمہیں اپنی معیتِ خاصہ، اپنا قربِ خاص عطا کرتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

آپ سوچیے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوں اس کی کیا قسمت ہے۔ اور اس کے لیے کتنی بڑی دولت کی بشارت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مکہ کے نو مسلم قریش نوجوانوں کو کچھ بکریاں کچھ بھیڑ کچھ اُونٹ زیادہ دے دیے تو شیطان نے بعض انصاری نوجوانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ دیکھو ابھی تک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ والوں سے زیادہ اُنس ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ مکہ والوں کو دیا اور ہم لوگوں کو نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان کے اس خطرناک زہریلے مکر سے مطلع فرمایا۔ آپ نے سارے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ اے مدینہ کے انصار! تمہیں شیطان نے بہکانے کی کوشش کی ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ! یہ نہ سمجھو کہ چند بھیڑ اور بکریاں اہلِ قریش کو دینے کی وجہ سے میری محبت تمہارے ساتھ کم ہے، جو نو مسلم ہیں، ابھی اسلام لائے ہیں، میں نے ان کی دلجوئی اور ان کو خوش کرنے کے لیے یہ چند بھیڑیں اور بکریاں دے دی ہیں لیکن خوب غور سے سن لو! یہ قریشِ مکہ ابھی جب مکہ شریف کو واپس ہوں گے تو میری دی ہوئی چند بھیڑیں، چند بکریاں اور چند اونٹ لے کر جائیں گے اور اے مدینہ والو! تم جب مدینہ واپس ہو گے تو اللہ کے رسول کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے۔ میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ ہے، رسولِ خدا کی عظمت و قیمت تمہارے قلوب میں کیا ہے۔ بس صحابہ اس خوشی میں اتنا روئے کہ آنسو ان کی داڑھیوں سے بہہ رہے تھے۔[۶۳]

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بشارت دی کہ اگر تم سے کوئی چیز چھن گئی، تمہارے باپ چھن گئے، بیٹے کا انتقال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ تو تمہارے ساتھ ہے، جس پر ہزاروں جانیں قربان ہوں، اولاد قربان ہو، ایسی ذاتِ پاک نے کیسی بشارت دی ہے۔

اور جدائی کا طبعی غم تو ہوتا ہی ہے ظاہر بات ہے کہ ساتھ رہنے سے محبت ہو جاتی ہے جس سے ہم

۶۳؎ صحیح البخاری: ۲/۶۲۰-۶۲۱، باب قول النبی انا بك لمحزونون - سیرۃ المصطفٰی: ۲/ بحوالۃ التاریخ لابن ۶۷، اثیر

رونے لگتے ہیں اور رونے کی اجازت بھی ہے مگر ایسی بات نہ نکالے کہ ہائے میری ماں کیوں مر گئی اور اللہ نے کیوں اٹھالیا۔ ''کیوں'' نہ لگاؤ بس یہ کہو کہ اے اللہ! مجھے اپنی ماں کی جدائی کا غم ہے، یہ کہنا بھی سنّت ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے کا جب انتقال ہوا تو فرمایا اے ابراہیم! تمہاری جدائی سے نبی غمگین ہے۔[۶۴] اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے تو معلوم ہوا کہ آنکھوں سے آنسو بہہ جانا بھی سنّت ہے اور اظہارِ غم بھی سنّت ہے کہ مجھے اپنی والدہ کا صدمہ ہے اور یہ کہہ کر اگر آنسو بہہ جائیں تو یہ سنّت کے خلاف نہیں بلکہ رولینا چاہیے کیوں کہ بعض لوگوں نے بہت ضبط کیا تو ان کو ہمیشہ کے لیے دل کی بیماری لگ گئی پھر کوئی خمیرہ کام نہ آیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر رحمت فرمائی کہ رونے کی اجازت عطا فرمادی کیوں کہ تھوڑا سا رولینے سے دل کا غم پانی بن کر بہہ جاتا ہے، ایسے وقت میں بعض لوگوں نے سوچا کہ ہم کو نہیں رونا چاہیے یا تو ان کو سنّت کا علم نہیں تھا یا کسی حال کا غلبہ ہو گیا۔ ایک دم آنسوؤں کو ضبط کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہارٹ فیل ہو گیا۔ اس لیے یہ تھوڑا سا رولینا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سکھایا خود رو کر۔ اب نبی سے بڑھ کر کون صبر والا ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں ورنہ سنّت کیوں ہوتا؟

موت سے آدمی فنا نہیں ہوتا، دنیا سے آخرت میں منتقل ہوتا ہے۔ موت دراصل انتقال ہے، پردیس سے اپنے وطن کی طرف جہاں وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

آیت نمبر ۷

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[۶۵]

ترجمہ: اور جو مؤمن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جملہ خبریہ سے یہ آیت نازل فرمائی وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ مجھ پر ایمان لانے والوں کے دل میں، میرے ماننے والوں کے دل میں میری محبت تمام محبتوں سے اشد ہے۔ اس آیت کی تفسیر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ نبوت سے بصورت جملہ انشائیہ یعنی بصورتِ دعا مانگ کر فرمائی جس میں اشد محبت کے حدود اور اشد محبت کا معیار آپ نے اللہ سے مانگا کہ:

۶۴؎ سنن ابی داؤد: ۹۰/۲، باب فی البکاء علی المیت، ایچ ایم سعید

۶۵؎ البقرۃ: ۱۶۵

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ[۶۶] یہ جملہ انشائیہ صورتاً توجملہ انشائیہ ہے حقیقتاً خبر ہے۔ علماء حضرات جانتے ہیں کہ عربی قواعد کی رو سے دعا انشاء میں شامل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ توجملہ خبر یہ ہے لیکن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ خبر یہ کی تفسیر جملہ انشائیہ سے کیوں فرمائی؟ اختر زندگی میں آج پہلی دفعہ یہ مضمون بیان کررہاہے۔ یہ اللہ کی عطااور بھیک یہاں راستے میں قونیہ سے واپسی پر بہ طفیل مولانا جلال الدین رومی مل رہی ہے۔ ان کا فیض میں محسوس کررہاہوں۔

توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ خبر یہ کے بجائے جملہ انشائیہ دعائیہ کیوں استعمال کیا؟ جواب یہ ہے کہ ازراہِ بندگی، ازراہِ عبدیت جملہ انشائیہ استعمال فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمالِ بندگی اور اپنی عبدیتِ کاملہ پیش کی کہ اے اللہ! اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کے جملہ خبر یہ کے مصداق ہم کہاں ہوسکتے ہیں، اتنی اشد اور عظیم محبت ہم کہاں سے لائیں گے لہٰذا ہم جملہ انشائیہ دعائیہ کے ذریعہ آپ کے جملہ خبر یہ کی تکمیل کا راستہ اختیار کرتے ہیں تاکہ احتیاج اور بندگی کے راستے سے ہم آپ کی اشد محبت کو مانگ لیں اور جب آپ عطا فرمائیں گے تو اشد محبت کا معیار ہمیں حاصل ہوجائے گا اور آپ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ، اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَھْلِیْ اور اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ ہوجائیں گے یعنی آپ ہمیں جان سے زیادہ، اہل و عیال سے زیادہ اور شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ پیارے ہوجائیں گے اور اس وقت آپ کے کرم سے ہم اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کے جملہ خبر یہ کے مصداق ہوجائیں گے۔

توحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ انشائیہ حقیقت میں جملہ خبر یہ ہے یعنی جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اشد محبت آتی ہے اس کو محبت کے یہ تین معیار حاصل ہوجاتے ہیں اور یہی اشد محبت کے حدود ہیں کہ اللہ اس کے دل میں جان سے زیادہ، اہل و عیال سے زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب ہوجاتا ہے لیکن جملہ خبر یہ کے بجائے جملہ انشائیہ استعمال فرمانا اس میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہارِ عبدیتِ کاملہ و اظہارِ احتیاج بندگی ہے۔ جملہ خبر یہ میں دعویٰ ہوجاتا کہ ہم لوگ اس مقامِ محبت پر فائز ہیں۔ لہٰذا جملہ انشائیہ دعائیہ سے آپ نے اس مقامِ محبت کو مانگا اور آپ کو تو یہ مقام حاصل تھا اُمت کو سکھادیا کہ اس طرح مانگو اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ اے اللہ! آپ ہمیں اپنی محبت اتنی دے دیجیے کہ ہم اپنی جان سے زیادہ آپ سے محبت

---

۶۶ جامع الترمذی: ۱۸۷/۲، باب من ابواب جامع الدعوات، ایچ ایم سعید

کریں۔ ہر لمحہ آپ پر فدا رہیں، اپنے دل کو توڑ دیں، آپ کے قانون کو نہ توڑیں۔ آپ کو ناخوش کر کے اپنے دل کو خوش نہ کریں وَمِنْ اَهْلِیْ اور اپنے بال بچوں سے زیادہ آپ سے محبت کریں۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی بچوں کو خوش کرنے کے لیے ہم آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر بیٹھیں اور وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ اور حالتِ پیاس میں ٹھنڈے پانی سے جتنا مزہ آتا ہے کہ رگ رگ میں جان آجاتی ہے اے اللہ! اس سے زیادہ ہم آپ سے محبت کریں۔ جو اللہ کے عاشق ہیں جب وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی رگ رگ میں جان آجاتی ہے اور ان کی جان میں کروڑوں جان آجاتی ہے۔ اللہ کے عاشق اللہ کے نام سے زندگی پاتے ہیں جیسے پیاسا پانی پی کر اپنی جان میں جان محسوس کرتا ہے، جو اللہ کے پیاسے ہیں وہ اللہ کے نام کا شربتِ ایمان افزا، شربتِ محبت افزا، شربتِ یقین افزا، شربتِ احسان افزا پیتے ہیں۔ ہمدرد کا شربت روح افزا اس کے سامنے بھلا کیا حقیقت رکھتا ہے۔

یہ حدیث تو بخاری شریف کی ہے۔ مولانا جلال الدین رومی کی قبر کو اللہ نور سے بھر دے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جملہ انشائیہ کی وجہ بیان کرتے ہیں دیوان شمس تبریز میں ہے کہ ؏

بجز چیزے کہ دادی من چہ دارم

اے اللہ! جو آپ ہمیں دیں گے وہی تو ہم پائیں گے، اگر آپ ہی ہمیں نہ دیں گے تو ہم کہاں سے لائیں گے، ہم تو آپ کے بھک منگے ہیں، آپ کے فقیر ہیں۔ لہٰذا جو آپ نے دیا ہے وہی تو ہمارے پاس ہے ؏

چہ می جوئی ز جیب و آستینم

آپ میری جیب و آستین میں کچھ نہیں پائیں گے۔ اس میں کیا رکھا ہے، جو بھیک آپ دیں گے وہی تو ہم پائیں گے لہٰذا پہلے محبت کی بھیک آپ ہم کو دے دیجیے پھر ہم سراپا محبت بن جائیں گے۔ جملہ انشائیہ کی وجہ مولانا نے عاشقانہ انداز میں بیان کی کہ اے اللہ! ہم آپ سے آپ کے فضل کی بھیک مانگتے ہیں کہ اشد درجے کی محبت آپ ہمیں دے دیں تاکہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کے ہم مصداق ہو جائیں۔ اسی اشد محبت کو عارف رومی دوسری جگہ اس طرح مانگتے ہیں۔

برکفِ من نہہ شراب آتشیں
بعد ازیں کرّ و فرِّ مستانہ بیں

اے خدا! پہلے خوب تیز والی اپنی محبت کی شراب مجھ کو پلا دیجیے پھر میری عاشقی کا تماشا دیکھیے۔

جس آیتِ مبارکہ کا انتخاب کیا ہے اس کا موضوع صرف یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی محبت بندوں

کے ذمے کس قدر متعین ہے یعنی کتنی محبت اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتے ہیں اور کس قدر محبت ہو تو انسان اللہ کا پورا فرماں بردار ہو سکتا ہے۔ دنیا کی محبت جائز، ماں باپ کی، بال بچوں کی، کاروبار کی، مال و دولت کی، ان چیزوں کی محبت شدید بھی جائز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت بیان فرمائی ہے:

وَ اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ[۷۸]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کسی جنگ کی فتح کا مالِ غنیمت جب مسجدِ نبوی میں آیا اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مال کا ڈھیر لگ گیا اس وقت آپ نے فرمایا کہ یا اللہ! یہ مالِ غنیمت دیکھ کر میرا دل خوش ہوا اور محبت اس کی ہے مگر آپ اپنی محبت کو دنیا کی تمام محبتوں پر غالب فرما دیجیے تو معلوم ہوا کہ محبت شدید بھی جائز ہے اور محبت حبیب بھی جائز ہے یعنی اس کو حبیب بنا لینا بھی جائز ہے۔ تو حبیب کا اطلاق یہاں مخلوق کے لیے ہے لیکن اَحبّ اور اشد محبت اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے، اگر اللہ تعالیٰ کی محبت احب اور اشد نہیں ہے تو پھر بندہ پورا فرماں بردار نہیں ہو سکتا۔ دل سے بھی زیادہ، جان سے بھی زیادہ، اہل و عیال سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ ہمیں پیارے ہونے چاہئیں چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محبت کو اس عنوان سے طلب فرمایا ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَ اَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ یا اللہ! اپنی محبت میرے اندر میری جان سے زیادہ عطا فرما دیں اور اہل و عیال سے بھی زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ یعنی پیاسے کو جتنا ٹھنڈا پانی عزیز ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ اے اللہ! آپ مجھے محبوب ہوں تو معلوم ہوا یہ خطوط اور حدود ہیں محبت کے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کے اس آخری جز کا اپنے ایک شعر میں گویا ترجمہ کر دیا ہے، یہیں کعبہ شریف میں غلافِ کعبہ پکڑ کر عرض کیا۔

پیاسا چاہے جیسے آبِ سرد کو
تیری پیاس اس سے بھی بڑھ کر مجھ کو ہو

جس طریقہ سے ایک پیاسے کو ٹھنڈا پانی پی کر رگ رگ میں سیرابی اور ایک نئی جان عطا ہوتی ہے خدا تعالیٰ کے عاشقوں کو اللہ کا نام لے کر ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔

---

[۷۸] العٰدیٰت:۷

آیت کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ سے تا قیامت اولیاء کے وجود کا استدلال

درد ہو، پیاس ہو، طلب ہو تو آج بھی قطب و ابدال نظر آ جائیں کیوں؟ اس لیے کہ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کی آیت قیامت تک کے لیے ہے۔ صالحین متقین کاملین کی صحبت میں خدا بیٹھنے کا حکم دے اور کاملین نہ پیدا کرے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی باپ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں سے کہے کہ بیٹو! روزانہ آدھا سیر دودھ پیا کرو تا کہ طاقتور ہو جاؤ اور دودھ کا انتظام نہ کرے پس جب اللہ تعالیٰ نے کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کا حکم قیامت تک کے لیے نازل فرما دیا تو معلوم ہوا کہ قیامت تک اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

پس یہ کہنا کہ اب اولیاء اللہ نہیں رہے یہ نفس کا بہت بڑا دھوکا ہے۔ واللہ! میں حدودِ حرم میں کہتا ہوں کہ آج بھی خدا تعالیٰ کی ولایت کے تمام راستے کھلے ہوئے ہیں، آج بھی اللہ کی دوستی کا دروازہ کھلا ہوا ہے، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے سینوں میں جیسی اللہ کی ولایت تھی آج بھی اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے، صرف نبوت کا دروازہ بند ہوا ہے، آج بھی ہم اور آپ اللہ کے فضل سے ولی بن سکتے ہیں یہاں تک کہ صدیقیت کا مقام بھی کھلا ہوا ہے، اللہ نے قرآن میں جمع کا صیغہ صدیقین استعمال فرمایا ہے، صدیق کلی مشکک ہے، اس کے اندر متفاوت درجات ہیں، صدیق اکبر تنہا صدیق نہیں تھے البتہ صدیق اکبر جیسا کوئی صدیق نہیں ہو سکتا، وہ اس صدیقیت کی کلی کے فردِ کامل تھے، اکمل ترین تھے لیکن یہ ہماری غفلت ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ اب ہم حاجی امداد اللہ نہیں بن سکتے۔

دوستو! قیامت تک اولیاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے، ولایت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور ولایتِ علیا کے بھی، یہ نہیں کہ اب چھوٹی موٹی ولایت ہی مل سکتی ہے اور اب اولیاء اللہ گھٹیا درجہ کے پیدا ہوں گے ہر گز یہ عقیدہ نہ رکھیے، یہ غلط عقیدہ ہے۔

آیت اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سے اہل اللہ سے تعلق پر استدلال

ایک عالم کے سامنے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر شخص کو کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرنا ضروری ہے تو انہوں نے کہا کہ صاحب! ضروری کیوں ہے؟ فرمایا کہ فرضِ عین ہے، اس لیے کہ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ یہ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کا بدل ہے اور بدل کی چار قسموں میں سے بدل الکل ہے اور بدل ہی مقصود ہوتا ہے تو اللہ کا راستہ منعم علیہم کا ہاتھ پکڑنے سے طے ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۸

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ[۶۸]

ترجمہ: اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

شیطان اور نفس کا فرق

نفس اور شیطان یہ ہمارے دو دشمن ہیں، لیکن دونوں میں کیا فرق ہے؟ شیطان وہ دشمن ہے جو شقی ازلی اور مردودِ دائمی ہے، یہ کبھی ولی نہیں ہو سکتا اور شیطان خارجی دشمن ہے، نفس داخلی دشمن ہے۔ شیطان خارج سے دل میں گناہ کا وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے پھر داخلی دشمن بار بار گناہ کا تقاضا کرتا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیطانی وسوسہ اور نفسانی وسوسہ میں یہی فرق بتایا ہے کہ اگر ایک بار گناہ کا وسوسہ آئے تو شیطان کی طرف سے ہے اور اگر بار بار گناہ کا تقاضا ہو تو سمجھ لو کہ یہ نفس ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ چوں کہ شیطان مردودِ ازلی ہے اس کی دشمنی بھی دائمی ہے اور نفس کی دشمنی عارضی ہے اگر اس کی تہذیب و تزکیہ و اصلاح کرلی جائے تو یہ ولی بھی ہو جاتا ہے۔ پھر یہ امارہ سے لوامہ اور لوامہ سے مطمئنہ اور پھر راضیہ اور مرضیہ ہو جاتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ[۶۹] وَقَالَ تَعَالٰی: وَ لَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ[۷۰] وَقَالَ تَعَالٰی: یٰۤاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً[۷۱] نفس میں حصولِ ولایت کی صلاحیت ہے اور شیطان اس صلاحیت سے محروم ہے، یہ کبھی ولی نہیں ہو سکتا۔

یہ فرق زندگی میں پہلی بار بیان کیا اس سے پہلے کبھی دل میں یہ بات نہیں آئی۔ یہ میرے بزرگوں کی کرامت ہے جن کی اختر نے غلامی کی ہے کہ ہر وقت نئے نئے علوم عطا ہو رہے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

۶۸؎ البقرۃ: ۱۶۸

۶۹؎ یوسف: ۵۳

۷۰؎ القیٰمۃ: ۲

۷۱؎ الفجر: ۲۸،۲۷

جو آسکتا نہیں وہم و گماں میں
اسے کیا پا سکیں لفظ و معانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے
مجھے خود کردیا روح المعانی

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے مجھے مفسر نہیں بلکہ سراپا تفسیر بنادیا۔ اس شعر کی یہ تشریح بھی عجیب ہے جو اگر اللہ کا کرم نہ ہو تو ذہن میں نہیں آسکتی۔

آیت نمبر ۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ [۲۷]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔

روزہ کی فرضیت میں شانِ رحمت کا ظہور

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے رمضان کی فرضیت کو کس طرح سے بیان فرمایا یہ بھی اللہ کے اللہ ہونے کی دلیل ہے کہ وہ حاکمِ محض نہیں ہے، ارحم الراحمین بھی ہے۔ جو حاکم ہوتا ہے وہ تو مارشل لاء کی سی بات کرے گا کہ روزہ رکھنا پڑے گا، خبردار! کھال کھنچوادوں گا، بھوسہ بھروادوں گا لیکن اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے کتنے پیارے انداز میں فرمایا کہ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ گھبرانا مت تم سے پہلے بھی روزہ فرض تھا، پہلے انسانوں نے بھی روزہ رکھا ہے یعنی یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ پچھلے لوگوں پر روزہ کے فرض ہونے کا تذکرہ کرنا یہ اپنے غلاموں پر روزہ کو آسان کرنے کی تدبیر ہے کہ روزہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے کہ

[۲۷] البقرۃ: ۱۸۳

سحری سے لے کر غروب تک خالی پیٹ رہنے سے کوئی مر جائے گا۔ تم سے پہلے بھی لوگ روزہ دار رہے ہیں، روزہ بھی رکھا اور زندہ بھی رہے۔ لہٰذا اے میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت! تم پریشان نہ ہونا۔ تھوڑی سی مشقت ہے لیکن اس کا انعام کیا ہے۔ انعام اتنا بڑا ہے کہ جس کو دنیا میں بڑا انعام مل جائے تو بڑی سے بڑی مشقت اُٹھانے کو تیار ہو جاتا ہے مثلاً جون کا مہینہ ہے، گرمی شدید ہے، لو چل رہی ہے اور حکومت نے اعلان کر دیا کہ جو اس وقت کیماڑی تک پیدل جائے گا اس کو پیٹرول پمپ کا ایک پلاٹ ملے گا جو پچاس لاکھ کا ہو گا اور مفت میں ملے گا تو اس وقت کتنے لوگ اے سی میں بیٹھے ہوئے اے سی سے کہیں گے تیری ایسی تیسی۔

روزہ اور صحبتِ اہل اللہ کا ایک انعامِ عظیم

اللہ تعالیٰ نے روزے کا انعام بیان فرمایا **لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** کہ تم روزے کی برکت سے میرے دوست بن جاؤ گے، ولی اللہ بن جاؤ گے صاحبِ تقویٰ بن جاؤ گے، میں تمہاری غلامی کے سر پر اپنی دوستی کا تاج رکھ دوں گا اور یہی انعام اللہ تعالیٰ نے اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کے لیے رکھا ہے **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ** اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو یعنی میرے دوست بن جاؤ کیوں کہ **اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ**[۳۷] متقی ہی میرے دوست ہیں مگر تقویٰ مشکل ہے اس کو آسان کرنے کے لیے **وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** نازل فرمایا کہ اہلِ تقویٰ کی صحبت میں رہو، جیسی صحبت میں آدمی رہتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔

میرے مرشد شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایک شخص سردی سے کانپ رہا ہے کہ گرم گرم چائے کی ایک پیالی پی لی اور سردی کم ہو گئی تو جب چائے کی پیالی میں سردی دور کرنے کی خاصیت موجود ہے تو کیا اللہ والوں کے ایمان کی گرمی کی وجہ سے ہمارا ایمان گرم نہیں ہو سکتا؟ کیا چائے کی پیالی اولیاء اللہ سے بڑھ جائے گی؟ ان کے پاس رہ کے تو دیکھو، شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کئی گھنٹے عبادت کے بعد دہلی کی مسجد فتح پوری سے نکلے کہ ایک کتے پر نظر پڑ گئی۔ وہ کتا دہلی کے تمام کتوں کا شیخ بن گیا۔ دہلی کے سارے کتے اس کے پاس ادب سے بیٹھتے تھے۔ تجربہ کی بات کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے اللہ والوں کی جوتیاں اُٹھائیں، ان کی خدمت کی، مخلوق نے اُن کو پیار کیا اور اللہ نے اُن کو اپنا ولی بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اللہ والوں کی نظر میں کرامت رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت نعمتِ مکانی ہے اور رمضان شریف نعمتِ زمانی ہے۔ اللہ والوں

---

[۳۷] الانفال: ۳۴

کے ساتھ رہائش ہو اور رمضان کا مہینہ ہو تو جب زمان اور مکان کے دو دو انجن لگ جائیں گے تو اللہ کے قرب کا راستہ جلد طے ہو گا۔ اسی لیے اکثر بزرگوں نے مریدوں کو رمضان المبارک میں اپنے ہاں اکٹھا کیا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی بڑے بڑے علماء رمضان میں پہنچ جاتے تھے لیکن جس کو لالچ ہوتی ہے وہی پہنچتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا[۸۴]

لوگ سو رہے ہیں لیکن جب موت آئے گی تب جاگیں گے موت ان کو جگائے گی۔

روزہ کی ایک حکمت

آگے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ کی فرضیت میں میری شانِ رحمت کا ظہور ہے، تم کو تکلیف دینے کے لیے روزہ فرض نہیں کررہا ہوں بلکہ روزہ اس لیے فرض ہو رہا ہے تاکہ تم میرے دوست بن جاؤ۔ جب تم ایک مہینہ تک جائز نعمتوں سے اور ہماری جائز مہربانیوں سے اپنے نفس کو بچاؤ گے کہ دن بھر رزقِ حلال بھی نہ کھاؤ گے، نہ پیو گے تو اس مشق اور ٹریننگ کے بعد اُمید ہے کہ بعد رمضان تم حرام چھوڑنے میں کامیاب ہو جاؤ گے، اس کے علاوہ رمضان شریف کی ایک اور فضیلت بیان کرتا ہوں۔ یوں تو روزہ کا بہت ثواب ہے کہ جنّت واجب ہو جاتی ہے اور اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو ایماناً اور احتساباً روزہ رکھتا ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ[۸۵] احتساب کا ترجمہ مولانا علی میاں ندوی دامت برکاتہم نے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا تھا کہ احتساب کے معنی ہیں ثواب کی لالچ۔ اللہ والوں کے ترجمہ میں کیا مزہ ہے۔ ایماناً یعنی اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اور احتساباً یعنی ثواب کی لالچ رکھتے ہوئے۔

ماہِ رمضان میں تقویٰ سے رہنے کی برکات

دل میں پہلے ایک مہینہ کا معاہدہ تو کرو ایسا نور آئے گا کہ رمضان کے بعد بھی ان شاء اللہ اس نور سے

۸۴؎ مرقاۃ المفاتیح: ۴/۴۵۴، کتاب فضائل القرآن، دار الفکر بیروت

۸۵؎ صحیح البخاری: ۱/۱۰(۳۸)، باب صوم رمضان احتسابا من الایمان، المکتبۃ المظھریۃ

محروم ہونے کو دل نہ چاہے گا۔ جو بڑی روشنی میں رہ لیتا ہے مثلاً ایک ہزار پاور کے بلب میں تو پھر چالیس پاور کے بلب میں اس کو لوڈ شیڈنگ معلوم ہوگی۔ بس ایک مہینہ تقویٰ کے بڑے بلب میں رہ لو۔ ایک مہینہ کے لیے نفس کو آسانی سے منالو کہ بھئی! معاہدہ کرتے ہیں کہ نہ بدنظری کریں گے، نہ جھوٹ بولیں گے، نہ غیبت کریں گے اور خواتین یہ معاہدہ کرلیں کہ ہم ایک مہینہ بے پردہ نہیں نکلیں گی، برقعہ سے نکلیں گی اور جھوٹ بھی نہیں بولیں گے، کسی کی غیبت بھی نہیں کریں گے اور گھر میں وی سی آر، ٹیلی وژن بھی نہیں چلنے دیں گے۔ ایک مہینہ کا معاہدہ کرلو اور ہر روز اللہ تعالیٰ سے کہو کہ اے اللہ! ہم یہ مہینہ تقویٰ سے گزار رہے ہیں آپ اس مہینہ کا تقویٰ قبول کرکے گیارہ مہینہ کے لیے بھی ہمیں متقی بنادیجیے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ جس کا رمضان جتنا بہتر گزرے گا، جتنا زیادہ تقویٰ سے گزرے گا تو اس کے گیارہ مہینے بھی پھر ویسے ہی گزریں گے اور جو رمضان میں بھی گناہ کرے گا اس ظالم کے گیارہ مہینے بھی تباہ ہوجائیں گے۔ جیسے بزرگوں نے فرمایا کہ حج میں حرمین شریفین جاکر جو آپس میں لڑجائیں تو ان کی کبھی دوستی نہیں ہوسکتی، وہ اپنے ملکوں میں بھی آکر لڑتے رہیں گے اِلَّا مَنْ تَابَ مگر جو معافی مانگ لے۔ حرم کی خطا کی توبہ بھی حرم میں ہی کرلیجیے۔ حدودِ حرم میں جو دم واجب ہوتا ہے وہ حدودِ حرم ہی میں دینا پڑتا ہے۔ اپنے ملکوں میں آکر بکرا دے دو تو دم ادا نہیں ہوگا اسی طرح حدودِ حرم کی خطاؤں کی تلافی حدودِ حرم ہی میں کرلو اور ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ جاؤ کہ بھائی! مجھ سے غلطی ہوگئی، حاجی صاحب! مجھے معاف کردو۔ حدودِ حرم کی خطا کو وہیں معاف کرالو، حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ ہو۔ بس اس مہینہ کا حق میرے دل میں آج یہی آیا ہے کہ میں آپ حضرات کو رمضان کے مبارک مہینہ کے لیے آج ہی سے مستعد کردوں اور نفس کے گھوڑوں کی لگام زبردست ٹائٹ کردی جائے کہ یہ ایک مہینہ اللہ کے نام پر فدا رہو۔ ایک مہینہ کے لیے ان شاء اللہ نفس مان جائے گا کہ کوئی بات نہیں چلو مولوی صاحب کی بات مان لو، ایک مہینہ کا معاملہ ہے۔ اس کا اثر ان شاء اللہ یہ ہوگا کہ ایک مہینہ جب تقویٰ کے نور میں رہیں گے تو رمضان کے بعد بھی گناہ کی ہمت نہیں ہوگی۔ اندھیروں سے مناسبت ختم ہوجائے گی اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ احترامِ رمضان کے صدقے میں تقویٰ فی رمضان کی برکت سے تقویٰ فی کل زمان ہمیں دے دیں۔ جیسے حرمین شریفین میں جن لوگوں نے نظر کو بچایا اللہ نے ان کو عجم میں بھی تقویٰ دے دیا کہ تقویٰ فی الحرم ذریعہ بن گیا تقویٰ فی العجم کا۔ ایسے ہی تقویٰ فی رمضان کو اللہ تعالیٰ سبب بنادیں تقویٰ فی غیر رمضان کے لیے بھی وفی کل زمان کے لیے بھی۔

آیت نمبر ۱۰

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [۶۷]

ترجمہ: اور بعضے آدمی (جو کہ مؤمن ہیں) ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجیے اور آخرت میں بھی بہتری دیجیے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچائیے۔

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً کے معانی

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً کی تفسیر میں لکھا ہے کہ دنیا میں کیا کیا چیزیں حسنہ ہیں جن کو اللہ نے مانگنے کو سکھایا ہے کہ تم ہم سے یہ مانگو کہ یا اللہ! ہم کو دنیا میں حسنہ دے اور آخرت کی بھی بھلائی اور حسنہ دے۔ تو دنیا کی حسنہ میں یہ چیزیں من جملہ حسنات میں شامل ہیں:

۱)... اَلْعَافِيَةُ وَالْكَفَافُ عافیت و غیر محتاجی۔

۲)... اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ نیک بیوی۔

۳)... اَلْاَوْلَادُ الْاَبْرَارُ نیک اولاد۔

۴)... اَلْمَالُ الصَّالِحُ حلال روزی، حلال مال۔

۵)... اَلْعِلْمُ وَالْعِبَادَةُ دین کا علم حاصل ہونا اور اس پر عمل یعنی توفیقِ عبادت۔

۶)... ثَنَآءُ الْخَلْقِ مخلوق میں تعریف و نیک نامی۔

۷)... اَلصِّحَّةُ وَالْكِفَايَةُ صحت و کفایت۔

۸)... اَلنُّصْرَةُ عَلَى الْاَعْدَآءِ دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد۔

---

[۶۷] البقرۃ:۲۰۱

۹)...وَالْفَهْمُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ کتاب اللہ کی فہم۔

۱۰)...صُحْبَۃُ الصّٰلِحِیْنَ اللہ والوں کی صحبت۔

فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کی تفسیر

اب حسنہ کی سات تفاسیر روح المعانی سے پیش کرتا ہوں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً یعنی اے ہمارے رب! دنیا میں ہمیں بھلائیاں عطا فرمائیے۔ حسنہ سے کیا مراد ہے؟

۱) اَلْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ نیک بیوی۔

۲) اَلْاَوْلَادُ الْاَبْرَارُ نیک بچے، لائق اولاد وہ ہے جو ربّا کا بھی لائق ہو اور ابّا کا بھی لائق ہو۔ یہ نہیں کہ ابّا کی ٹانگ دباتا ہے لیکن نہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے۔ یہ نالائق ہے، لائق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا بھی فرماں بردار ہو۔

۳) اَلْعِلْمُ وَالْعِبَادَۃُ دین کا علم اور اس پر عمل یعنی توفیقِ عبادت بھی حسنہ ہے، غیر عالم اس سے محروم ہے، علمِ دین سیکھو چاہے اردو کتاب سے مثلاً بہشتی زیور سے سیکھو یا علماء سے پوچھ پوچھ کر حاصل کرو۔

۴) وَالْفَهْمُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ یعنی اَلْفِقْهُ فِی الدِّیْنِ دین کی سمجھ۔ بعض میں علمِ دین تو ہے لیکن اس کی سمجھ نہیں ہے، اس کا صحیح استعمال نہیں کرتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہتھیار تو بہت عمدہ منگوالیا پر چلانا نہیں جانتا۔ علمِ دین کو صحیح موقع پر استعمال کرنا اور اللہ کے لیے استعمال کرنا اور اس کو پیٹ پالنے کا ذریعہ نہ بنانا یہ ہے تفقہ فی الدین۔ تفقہ فی الدین کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہو کر دیتے تھے یا بیٹھ کر؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس آیت کو نہیں پڑھتے وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا قحط کی وجہ سے مدینہ میں غلّے کی سخت کمی تھی۔ بعض صحابہ جن کا اسلام ابھی نیا تھا، جن کی ابھی تربیت مکمل نہیں ہوئی تھی غلہ کے اونٹوں کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ خطبہ میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا اور آپ کو کھڑا ہوا تنہا چھوڑ دیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کھڑے ہو کر دیتے تھے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ دس بارہ صحابہ رہ رہ گئے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ دس بارہ صحابہ نہ ہوتے تو نبی کے ساتھ بے ادبی کی وجہ سے مدینہ پر آگ برس جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا اور صحابہ سے راضی ہو گئے

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ، اللہ تعالیٰ صحابہ سے خوش ہوگیا اور صحابہ اللہ سے خوش ہوگئے۔ جب اللہ خوش ہوجائے اور معاف کردے تو کسی خبیث کو اجازت اور اختیار نہیں کہ وہ اپنی عدالت میں جرح اور تنقید کے لیے ان کا تذکرہ کرے۔ سمجھ رہے ہیں آپ؟ جب اللہ تعالیٰ خوش ہوجائے اور کہہ دے کہ ہم نے معاف کردیا، ہم راضی ہیں تو تم کون ہو ان پر تنقید کرنے والے؟ یہ وہی شخص ہے جو اولیاء اللہ کے بارے میں کیڑے نکالتا ہے اور جب کیڑے نہیں ملتے تو کیڑے ڈالتا ہے۔ یہ ڈبل مجرم ہے۔

۵)حسنہ کی پانچویں تفسیر ہے اَلْمَالُ الصَّالِحُ رزقِ حلال۔

۶)چھٹی تفسیر ثَنَآءُ الْخَلْقِ مخلوق میں اس کی تعریف ہو۔ آج کل جاہل صوفی گھبراجاتا ہے کہ ہائے میری تعریف ہورہی ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ میں تسبیح لیتا ہوں تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ لوگ مجھے کہیں نیک نہ سمجھنے لگیں تو میرے شیخ حضرت ابرار الحق صاحب نے فرمایا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کو بدمعاش کہیں۔ ارے بھئی! اگر لوگ نیک کہتے ہیں تو شکر کرو بس تم اپنے کو نیک مت سمجھو۔ مخلوق میں اگر تعریف ہوتی ہے تو ہونے دو، اپنی نظر میں حقیر ہونا مطلوب ہے اور مخلوق میں عظمت اور جاہ اور عزت مطلوب ہے اس کی دعا سکھائی گئی ہے۔ مخلوق میں تعریف ہو تو یہ حسنہ کی تفسیر ہے، پس جب مخلوق تعریف کرے تو سن کر اللہ کا شکر کرے کہ اے اللہ! تو نے میرے عیبوں کو چھپادیا اور بھلائیاں ظاہر کردیں اور لوگوں کی نگاہوں میں میری تقریر یا تحریر کو اچھا دِکھادیا۔ ایسے وقت میں شکر کرنے سے تکبر سے بچ جائے گا کیوں کہ تکبر سببِ بُعد ہے، اللہ سے دوری کا سبب ہے اور شکر سببِ قرب ہے، اللہ سے قرب کا سبب ہے اور سببِ قرب اور سببِ بُعد دونوں میں تضاد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے۔ پس جب تک تشکر کی کیفیت ہوگی کبھی تکبر پاس نہیں پھٹکے گا کیوں کہ تشکر کبھی سببِ بُعد نہیں ہوسکتا۔ تکبر اللہ کی رحمت سے دور کرتا ہے، متکبر کو اللہ کی طرف دھیان نہیں رہتا، اپنے اوپر نظر ہوتی ہے کہ یہ میرا کمال ہے اور تشکر میں اپنے کمالات کی نسبت کا غلبہ اللہ کی طرف ہوتا ہے۔ تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ! یہ آپ کا کرم ہے کہ آپ نے مجھے یہ سلیقہ عطا فرمایا کہ آج مخلوق میں میری تعریف ہورہی ہے، یہ آپ کی عطا اور آپ کا کرم ہے، میرا کمال نہیں۔

۷)ساتویں تفسیر ہے اَلْعَافِیَۃُ وَالْکَفَافُ یعنی عافیت اور غیر محتاجی اور عافیت کے معنی ہیں اَلسَّلَامَۃُ فِی الدِّیْنِ مِنَ الْفِتْنَۃِ وَالسَّلَامَۃُ فِی الْبَدَنِ مِنْ سَیِّیءِ الْاَسْقَامِ وَالْمِحْنَۃِ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عافیت کے معنی ہیں کہ دین فتنہ سے محفوظ ہو اور بدن برے امراض اور محنتِ شاقہ سے محفوظ ہو اور

کسی کی محتاجی نہ ہو یہ بھی حسنہ ہے۔

۸)آٹھویں تفسیر ہے اَلصِّحَّۃُ وَ الْکِفَایَۃُ صحت ہو اور کفایت ہو کہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔

۹)نویں تفسیر ہے اَلنُّصْرَۃُ عَلَی الْاَعْدَآءِ دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے۔

۱۰)اور آخری تفسیر سن لو یعنی دسویں صُحْبَۃُ الصّٰلِحِیْنَ[۷۷] یعنی اللہ والوں کی صحبت۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے پیاروں کی صحبت نصیب ہو اور اللہ توفیق دے اپنے پیاروں کے پاس بیٹھنے کی تو یہ دلیل ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو اپنا پیارا بنانا چاہتے ہیں۔ جس دیسی آم کو لنگڑے آم کی صحبت نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ ہو گیا کہ اس دیسی آم کو لنگڑا آم بنادیں گے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی کو اہل اللہ کی صحبت نصیب فرمائے تو سمجھ لو یہ بھی اہل اللہ ہونے والا ہے۔

آیت نمبر ۱۱

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ[۷۸]

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے
اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔

اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ مضارع سے نازل فرمایا اور مضارع میں دو زمانے ہوتے ہیں: حال اور مستقبل۔ تو ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتے ہیں موجودہ حالت میں بھی اور اگر آیندہ بھی تم سے کوئی خطا ہو جائے گی تو ہم تمہاری توبہ قبول کر کے تمہیں معاف کر دیں گے اور صرف معاف ہی نہیں کریں گے محبوب بھی بنالیں گے اور تمہیں اپنے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہونے دیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حال اور مستقبل دونوں کے تحفظ کی ضمانت دے رہے ہیں کہ توبہ کی برکت سے حالاً و استقبالاً ہم تم سے پیار کریں گے۔ ہم ایک دفعہ جس سے پیار کرتے ہیں ہمیشہ کے لیے پیار کرتے ہیں، ہم بے وفاؤں سے پیار ہی نہیں کرتے کیوں کہ ہمیں مستقبل کا بھی علم ہے کہ کون آیندہ ہم سے بے وفائی کرے گا اور کون باوفا رہے گا۔ ہم پیار اسی کو کرتے ہیں جو ہمیشہ باوفا رہتا ہے یا

۷۷؎ روح المعانی: ۲/۹۰-۹۱،البقرة(۲۰۱)،دار احیاء التراث،بیروت

۷۸؎ البقرة: ۲۲۲

اگر کبھی بوجہ بشریت کے اس کی وفاداری میں کوئی کمزوری بھی آئے گی اور اس سے کوئی خطا بھی ہو جائے گی تو وہ پھر توبہ کرکے باوفا ہو جائے گا۔ توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اور یہ بات دنیا کی ہر محبت کے مشاہدات میں بھی موجود ہے جیسے بچہ ماں کی چھاتی پر پاخانہ پھِر دیتا ہے تو کیا ماں اس کو دھو کر پھر پیار نہیں کرتی؟ اور کیا پھر وہ دوبارہ پاخانہ نہیں پھرتا؟ ماں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ پھر پھِرے گا مگر وہ اپنی شفقت سے نہیں پھرتی حالاں کہ یقین سے جانتی ہے کہ یہ ہگتا رہے گا مگر محبت کی وجہ سے عزم رکھتی ہے کہ میں دھوتی رہوں گی۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کی محبت ماں کی محبت سے بھی کم ہے۔ ماؤں کو محبت کرنا تو انہوں نے ہی سکھایا ہے لہٰذا ہمیں حکم دے دیا اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ تم اپنے رب سے بخشش مانگتے رہو۔ کیوں؟ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا[۹] کیوں کہ تمہارا رب بہت بخشنے والا ہے، غَافِرٌ نہیں ہے غَفَّارٌ ہے کَثِیۡرُ الۡمَغۡفِرَۃِ ہے۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ہم سے خطائیں ہوں گی ورنہ معافی کا حکم کیوں دیتے۔ اگر ہم معصوم ہوتے تو اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ نازل نہ ہوتا۔ چوں کہ صدورِ خطا کا معاملہ یقینی تھا اس لیے استغفار کا حکم نازل ہوا۔ لہٰذا ماضی کے گناہوں سے معافی مانگو اور آیندہ کے لیے توبہ اور عزمِ مصمّم کرو کہ آیندہ کبھی یہ گناہ نہ کروں گا۔ لاکھ بار خطائیں ہو جائیں لیکن جو توبہ کرتا رہتا ہے یہ علامت ہے کہ یہ بندہ حال میں بھی محبوب ہے اور مستقبل میں بھی اللہ کا محبوب رہے گا۔ جو مستقبل میں بے وفائی کرنے والے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ محبوب ہی نہیں بناتے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو مرتد ہوئے وہ پہلے ہی سے خدا کے مبغوض تھے اگرچہ حالتِ اسلام ظاہر کر رہے تھے لیکن اللہ کے علم میں تھا کہ وہ مرتد ہو جائیں گے لہٰذا وہ اللہ کے دائرۂ محبوبیت میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے اس لیے خطاؤں سے مایوس نہ ہو۔ کوشش تو کرو، جان کی بازی لگا دو کہ کوئی خطا نہ ہو لیکن بر بنائے بشریت اگر کبھی پھسل جاؤ تو فوراً توبہ کرکے ان کے دامنِ رحمت اور دامنِ محبوبیت میں آ جاؤ اور اگر شیطان ڈرائے کہ آیندہ پھر یہی خطا کروگے تو کہہ دو کہ میں پھر توبہ کرلوں گا۔ ان کی چوکھٹ موجود ہے اور میرا سر موجود ہے، میری جھولی باقی ہے اور ان کا دستِ کرم باقی ہے۔ یہ میرا سر سلامت رہے جو ان کی چوکھٹ پر پڑا رہے اور میرا دستِ سوال سلامت رہے جس سے میری جھولی بھرتی رہے۔ کیا یہ الفاظ اور یہ زبان زمین کی زبان ہے، یہ آسمان سے عطا ہوتی ہے۔ میرا ایک شعر ہے؎

میرے پینے کو دوستو سن لو
آسمانوں سے مے اُترتی ہے

---

[۹] نوح: ۱۰

خطا ہونا تو تعجب کی بات نہیں کیوں کہ انسان مجموعۂ خطا و نسیان ہے لیکن خطا کے بعد توبہ نہ کرنا اور خطا پر قائم رہنا یہ بات تعجب اور خسارہ کی ہے لہٰذا فوراً توبہ کرو اور اگر شیطان ڈرائے کہ تم پھر یہی خطا کرو گے تو اس سے کہہ دو کہ میں توبہ کر رہا ہوں اور میرا توبہ توڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر آیندہ توبہ ٹوٹ جائے گی تو پھر توبہ کروں گا۔ پھر رو رو کے ان کو منالوں گا۔ خوب سمجھ لیجیے کہ توبہ کی قبولیت کے لیے اتنا کافی ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، عزمِ مصمم ہو کہ آیندہ ہرگز ہرگز یہ گناہ نہ کروں گا۔ بوقتِ توبہ ارادۂ شکستِ توبہ نہ ہو تو اس کی توبہ قبول ہے۔ جس کو یہ علم ہو گا شیطان اس کو مایوس نہیں کر سکتا۔

آیتِ شریفہ کی تفسیر بعنوانِ دگر

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ [۸۰]

اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ایک راستہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے اور آیندہ بھی محبت کرتا رہے گا۔ جب تک تم توبہ کے کیمیکل اور توبہ کے فعل کا اہتمام رکھو گے، جب تک تم دائرۂ توبہ میں رہو گے، تب تک میرے دائرۂ محبوبیت میں رہو گے لیکن جو توبہ چھوڑ دے گا تو محبوبیت کے دائرہ سے اس کا خروج ہو جائے گا اس لیے ماضی میں جو غلطیاں کر چکے ان سے توبہ کر لو تو میرے محبوب ہو جاؤ گے لیکن آیندہ کے لیے اگر شیطان وسوسہ ڈالے کہ تم پھر یہ خطا کرو گے کیوں کہ تمہاری تو بہت پرانی عادت پڑی ہوئی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں امید دلا دی کہ ہم ایسا صیغہ نازل کر رہے ہیں یعنی مضارع جس میں حال بھی ہے اور مستقبل بھی لہٰذا تم گھبرانا مت کہ اگر آیندہ بھی تم سے خطا ہو گی اور تم معافی مانگو گے تو ہم تمہاری توبہ کو قبول کریں گے اور دائرۂ محبوبیت سے تمہارا خروج نہیں ہونے دیں گے۔ ہم تمہاری خطاؤں کی معافی کے ذمہ دار اور کفیل ہیں کیوں کہ توبہ کرنے والوں سے ہم محبت کرتے ہیں۔ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ فرمایا یَرۡحَمُ التَّوَّابِیۡنَ نہیں فرمایا، یَغۡفِرُ التَّوَّابِیۡنَ نہیں فرمایا، یَرۡزُقُ التَّوَّابِیۡنَ نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ کے جتنے صفاتی نام ہیں سب کو نظر انداز فرما کر صرف صفتِ محبت کا ارشاد ہوا کہ ہم تم سے محبت کرتے ہیں اور آیندہ بھی محبت کرتے رہیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ محبت میں سب کچھ ہے، کسی نعمت کا اس سے خروج نہیں

۸۰؎ البقرۃ: ۲۲۲

ہے، ہر نعمت اس میں شامل ہے، اس میں رحمت بھی شامل ہے، مغفرت بھی شامل ہے، رزّاقیت بھی شامل ہے۔ جو آدمی پیارا ہو جاتا ہے تو ہر ایک اپنے پیارے کو سب کچھ دیتا ہے، پیارے کو پیاری چیز دیتا ہے اور ہر غیر پیاری چیز سے بچاتا ہے۔ یُحِبُّ فرمایا کہ محبت میں سب نعمتیں شامل ہیں کہ توبہ کی برکت سے ہم تم کو تمام نعمتوں سے نوازیں گے اور جو چیزیں نقصان دہ ہیں یا زوالِ نعمت کے اسباب ہیں ان سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ پیاروں کو پیاری چیز دیں گے اور غیر پیاری سے بچالیں گے۔ لیکن توبہ کب قبول ہے؟ قبولِ توبہ کی چار شرائط ہیں:

۱) اَنْ یُّقْلِعَ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ توبہ کی قبولیت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ اس گناہ سے ہٹ جاؤ۔ یہ نہیں کہ توبہ توبہ کر رہے ہیں اور دیکھے بھی جا رہے ہیں کہ صاحب! کیا کروں مجبور ہو جاتا ہوں، موہنی شکل دل موہ لیتی ہے، خوب سمجھ لیں کہ ارتکابِ گناہ کے ساتھ توبہ قبول نہیں۔ پہلے گناہ سے الگ ہو جاؤ پھر توبہ کرو خواہ نفس کتنا ہی الگ نہ ہونا چاہے۔ جس طرح بکری بھوسی دیکھ کر اس پر گرتی ہے جب تک کان پکڑ کر الگ نہ کرو، اسی طرح خود اپنا کان پکڑ کر الگ ہو جاؤ۔ نفس پر سوار رہو، نفس کی سواری مت بنو۔

۲) اَنْ یَّنْدَمَ عَلٰی فِعْلِھَا اس گناہ پر دل میں ندامت پیدا ہو جائے اور ندامت کے کیا معنیٰ ہیں۔ صاحبِ روح المعانی فرماتے ہیں اَلنَّدَامَۃُ ھِیَ تَأَلُّمُ الْقَلْبِ قلب میں الم اور دُکھ پیدا ہو جائے کہ آہ! میں نے کیوں ایسی نالائقی کی اور جس کو اپنی نالائقی اور کمینہ پن کا احساس نہ ہو وہ ڈبل کمینہ ہے۔ ندامت نام ہے کہ دل دُکھ جائے، دل میں غم آجائے اور توبہ کر کے رونے بھی لگو تاکہ نفس میں جو حرام مزہ آیا ہے وہ نکل جائے جیسے چور چوری کا مال تھانے میں جمع کر دے اور آیندہ کے لیے ضمانت دے کہ اب کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا تو سرکار اس کو معاف کر دیتی ہے۔ اشکبار آنکھوں سے استغفار کرنا گویا سرکار میں اپنا حرام مال جمع کرنا ہے، جو حرام لذّت آئی تھی اس کو گویا واپس کر دیا کہ اے اللہ! معاف فرما دیجیے۔

۳) اور تیسری شرط ہے اَنْ یَّعْزِمَ عَزْمًا جَازِمًا اَنْ لَّا یَعُوْدَ اِلٰی مِثْلِھَا اَبَدًا پکا ارادہ کرے کہ اب دوبارہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔[۸۱]

۴) فَاِنْ کَانَتِ الْمَعْصِیَۃُ تَتَعَلَّقُ بِاٰدَمِیٍّ فَلَھَا شَرْطٌ رَابِعٌ وَھُوَ رَدُّ الظُّلَامَۃِ اِلٰی صَاحِبِھَا اَوْ تَحْصِیْلُ الْبَرَاءَۃِ مِنْہُ[۸۲]

۸۱؎ شرح مسلم للنووی: ۲۵/۱۷، باب التوبۃ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم: یایھا الناس توبوا الی اللہ، دار احیاء التراث، بیروت

۸۲؎ شرح مسلم للنووی: ۳۴۶/۲، باب بیان النقصان فی الایمان، دار احیاء التراث، بیروت

اگر اس معصیت کا تعلق کسی آدمی سے ہے تو توبہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ اہلِ حق کو اس کا حق واپس کرے یا اس سے معاف کرائے۔ یہ نہیں کہ مسجد کے وضوخانے سے گھڑی اُٹھالی اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ! میاں! معاف کر دو، آیندہ کبھی چوری نہیں کروں گا لیکن یہ سوئیٹزرلینڈ کی گھڑی ہے، سٹیزن ہے، یہ مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، اس کو واپس نہیں کروں گا، اس بار معاف کردو۔ تو ہرگز معافی نہیں ہوگی، مال واپس کرو۔

توبہ کی یہ چار شرطیں ہیں، تین شرطیں اللہ کے حقوق ہیں اور چوتھی شرط بندوں کا حق ہے۔ ان شرطوں کے ساتھ توبہ کرنے سے آپ اللہ کے محبوب ہوجائیں گے۔

آیتِ شریفہ میں دوبارہ یُحِبُّ نازل ہونے کا راز

تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ کہ اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں تَوَّابِیۡنَ کو اور محبوب رکھتے ہیں مُتَطَهِّرِیۡنَ کو یعنی توبہ کرنے والوں کو بھی اللہ محبوب رکھتا ہے اور طہارت میں مبالغہ کرنے والوں، نجاستوں سے خوب احتیاط کرنے والوں کو بھی محبوب رکھتا ہے۔ عربی گرامر کے لحاظ سے یہاں عطف جائز تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَالۡمُتَطَهِّرِیۡنَ دوبار یُحِبُّ نازل کرنا ضروری نہیں تھا مگر اس میں زبردست معنویت اور اللہ تعالیٰ کا زبردست پیار ہے کہ دوبارہ یُحِبُّ کو داخل کیا۔ یہ حق تعالیٰ کے کلام کا کمالِ بلاغت ہے کہ محبت کی فراوانی اور دریائے محبت میں طغیانی کے لیے ایک یُحِبُّ کی نسبت تَوَّابِیۡنَ کی طرف فرمائی کہ اللہ تَوَّابِیۡن کو محبوب رکھتا ہے اور دوسرے یُحِبُّ کی نسبت مُتَطَهِّرِیۡنَ کی طرف فرمائی کہ اللہ مُتَطَهِّرِیۡن کو بھی محبوب رکھتا ہے۔ اپنے بندوں کو توابیت اور متطہریت ان دو اداؤں پر ان کو اپنا محبوب بنانے کا عمل نازل کرتا ہوں۔ یہ وجہ ہے دوبار یُحِبُّ نازل کرنے کی۔ سبحان اللہ! واہ رے محبوب تعالیٰ شانہ کیا شان ہے آپ کی!

ایک مسئلۂ سلوک کا استنباط

مُتَطَهِّرِیۡنَ بابِ تفعل سے نازل فرمایا۔ اس کے اندر ایک مسئلۂ تصوف بھی ہے جو حق تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی تفسیر میں ہے یا نہیں لیکن سارے علماء اور مفسرین ان شاء اللہ! اس کو تسلیم کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الطَّاهِرِیۡنَ نہیں فرمایا کہ ہم محبوب رکھتے ہیں پاک رہنے والوں کو بلکہ

مُتَطَهِّرِيْنَ فرمایا جو بابِ تفعّل سے ہے جس میں خاصیت تکلّف کی ہوتی ہے اور تکلّف کے معنی ہیں کہ تکلیف اٹھا کر کسی کام کو کرنا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ گناہوں کی نجاستوں سے پاک رہنے میں تم کو تکلیف اُٹھانی پڑے، کلفت پیش آئے تو اس سے دریغ نہ کرنا۔ جی نہیں چاہتا گناہ سے بچنے کو، جی نہیں چاہتا حسینوں سے نظر ہٹانے کو مگر تم میری راہ میں تکلیف اٹھالو۔ اگر لیلاؤں کو دیکھو گے تو پریشانی آئے گی اور یہ تکلیف راہِ لیلیٰ کی ہوگی لیکن مجھے خوش کرنے کے لیے تکلیف اُٹھاؤ گے تو یہ تکلیف راہِ مولیٰ میں داخل ہوگی۔ اب تم خود فیصلہ کرلو کہ کس کی راہ میں تکلیف اٹھانے میں فائدہ ہے۔ تمہارے مزاج میں اگرچہ گناہ پسندی اور حسینوں کی طرف نظر بازی اور ذوقِ حسن بنی ہے لیکن ان سے بچنے میں تمہاری روح کو تو سکون ملتا ہے مگر تمہارا نفس "تل" کے لیے تلملاتا ہے اور "بل" کے لیے بلبلاتا ہے لہٰذا اس کو تلملانے دو اور بلبلانے دو، تکلیف اُٹھاؤ۔ گناہ چھوڑنے میں جو تکلیف ہوگی تمہارے نفس کو ہوگی، روح کو خوشی ہوگی اور تم روح سے زندہ ہو، نفس سے زندہ نہیں ہو۔ تمہاری گناہ کی جفاکاریاں اور بیوفائیاں سب روح کی بدولت ہیں۔ اگر میں تمہاری روح قبض کرلوں تو تم کوئی گناہ نہیں کرسکتے۔ تمہارا سببِ حیات روح ہے تو تم سببِ حیات کی کیوں فکر نہیں کرتے۔ جب تم اللہ کی نافرمانی سے بچو گے تو کتنی حیات تم پر برس جائیں گی۔

محبوبِ الٰہی بنانے والی دعا

تو مُتَطَهِّرِيْنَ بابِ تفعّل سے نازل ہونے کا یہ علمِ عظیم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا لیکن اس میں ایک علمِ عظیم اور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ تَوَّابِيْنَ اور مُتَطَهِّرِيْنَ کو محبوب رکھتے ہیں تو آپ کی رحمت متقاضی ہوئی کہ وضو کے آخر میں یہ دعا اپنی اُمت کو سکھادی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ [۸۳]

دیکھیے: جو اسلوب نزولِ قرآنِ پاک کا ہے اسی اسلوب پر یہ دعا سکھائی گئی اور قرآنِ پاک میں جو دو لفظ تَوَّابِيْنَ اور مُتَطَهِّرِيْنَ نازل ہوئے وہ اس دعا میں آگئے۔ اس وقت قرآنِ پاک کی آیت اور ایک حدیث کا ربط پیش کر رہا ہوں اور یہ بھی اللہ کا انعام ہے ورنہ قرآنِ پاک کی آیت کہیں ہے اور حدیث پاک کہیں ہے۔ اگر اللہ کا کرم نہ ہو تو ذہن اس طرف نہیں جاسکتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسانِ عظیم ہے، شفقت اور رحمت کا اُمّت پر

۸۳؎ جامع الترمذی: ۱۸/۱، باب فی ما یقول بعد الوضوء، ایچ ایم سعید

نزول ہے کہ وضو کے آخر میں یہ دعا سکھادی کہ تم اب اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے والے ہو اے میری اُمّت کے لوگو! نماز میں جب تم اپنے مولیٰ کے سامنے کھڑے ہو تو یہ دعا پڑھ کر حاضری دو تاکہ حالتِ محبوبیت میں تمہاری پیشی ہو اور میری اُمت کا کوئی فرد اس دعا کی بدولت اس دعا کی برکت سے محروم نہ رہے، نہ توابیت سے محروم رہے، نہ متطہریت سے محروم رہے۔ دونوں نعمتوں سے مالامال ہو جائے۔

آیتِ شریفہ کی تفسیر بعنوانِ دگر

آیت یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ باب تَفَعُّل سے نازل ہونے کا راز

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

اس میں ایک علمی سوال ہوتا ہے کہ یُحِبُّ کو دو دفعہ کیوں نازل کیا جب کہ عربی قاعدہ سے عطف ممکن تھا یعنی یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَالْمُتَطَهِّرِیْنَ نازل کرسکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فَضْلًا وَّ رَحْمَةً یُحِبُّ دوبار نازل کیا کہ اس میں ڈبل انعام ہے یعنی جس طرح سے میں توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہوں اسی طرح مُتَطَهِّرِیْنَ یعنی جو بہ تکلف گناہ سے بچتے ہیں، گناہ سے بچنے میں تکالیف اُٹھاتے ہیں، گناہ چھوڑنے کا دل پر غم برداشت کرتے ہیں، اپنی حرام خواہش کا خون کرنے کی مشقت جھیلتے ہیں ان کو بھی میں اپنا محبوب بنالیتا ہوں اس لیے یُحِبُّ مستقل نازل کیا، عطف نہیں کیا تاکہ بندوں کو میرا محبوب بننے کی لالچ میں تکلیف اُٹھانا اور میری محبت کے نام پر جان کی بازی لگانا آسان ہو جائے۔

جان دے دی میں نے ان کے نام پر
عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

یہ میرا ہی شعر ہے۔ اللہ کا محبوب بننا معمولی بات ہے؟ نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اسی لیے مُتَطَهِّرِیْنَ بابِ تَفَعُّل سے نازل کیا۔ اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے کہ جو گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف اُٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو محبوب بنالیتا ہے لیکن اس میں جملہ انشائیہ ہے کہ اگر تم اللہ کا محبوب بننا چاہتے ہو تو گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف برداشت کرو۔ اس جملہ خبریہ میں یہ انشائیہ ہے ورنہ بابِ تفعُّل کے بجائے کوئی دوسرا صیغہ بھی نازل کرسکتے تھے۔ یُحِبُّ الطَّاهِرِیْنَ فرمادیتے کہ میں پاک رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہوں لیکن نہیں تَطَهُّر بابِ تَفعُّل سے نازل کیا

اور بابِ تفعل میں تکلف کی خاصیت ہے۔ اللہ اکبر! کیا عظیم الشّان کلام ہے جو اللہ کا کلام ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ وہ اپنے بندوں کی طبیعت کو جانتے ہیں اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ بھلا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا۔ وہ جانتے تھے کہ گناہوں سے بچنے میں بندوں کو تکلیف ہوگی اس لیے تَطَهُّر بابِ تَفَعُّل سے نازل کیا کہ پرانے پاپ چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا لیکن مُتَطَهِّرِیۡن وہ بندے ہیں جو اللہ کو راضی کرنے کے لیے گناہ کو چھوڑ کر دل کا خون کر لیتے ہیں اگرچہ گناہوں کی ان کو چاٹ پڑی ہوئی ہے، بدمعاشیوں کی عادت پڑی ہوئی ہے لیکن پرانی سے پرانی عادت کو چھوڑنے کے لیے مشقتیں اٹھاتے ہیں، تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ جس کو گناہوں کی عادت پڑ جاتی ہے اس سے پوچھو کہ گناہ چھوڑنے میں کتنی تکلیف ہوتی ہے، دل کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ دل کیا چیز ہے، بندہ ہے کیوں کہ بندے کا ہر جز بندہ ہے، جب ہم اللہ کے غلام ہیں تو ہمارا ہر جز اللہ کا غلام ہے پھر دل اللہ کی غلامی سے کیسے نکل سکتا ہے لہٰذا دل کو بہ تکلف زبردستی اللہ کی فرماں برداری پر مجبور کرتے ہیں۔ لہٰذا بابِ تفعل نازل کر کے اللہ تعالیٰ بہ تکلف گناہوں سے بچنے کی تکلیف اُٹھانے والوں کی تعریف فرما رہے ہیں۔

(احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے خلیفہ مولانا یونس پٹیل صاحب جو افریقہ سے آئے تھے اس تقریر کے وقت موجود تھے، انہوں نے عرض کیا کہ متطہرین باب تفعل سے نازل ہونے کا یہ راز نہ انہوں نے کسی عالم سے سنا نہ کسی کتاب میں پڑھا۔)

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ وضو کے بعد کی جو مسنون دعا ہے اَللّٰهُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ مِنَ التَّوَّابِیۡنَ وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنَ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ کہ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں بنا دیجیے اور گناہوں کی نجاست سے پاک رہنے کی تکلیف اُٹھانے والوں اور گناہوں سے بچنے اور گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف برداشت کرنے والوں میں مجھے بنا دیجیے۔ یہی طہارتِ حقیقیہ ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طہارت کی حقیقت ہے طَهَارَةُ الۡاَسۡرَارِ مِنۡ دَنَسِ الۡاَغۡیَارِ یعنی غیر اللہ کے میل کچیل سے دل کا پاک ہو جانا۔ جب کسی حسین یا حسینہ، نمکین یا نمکینہ، دِلکین یا دِلکینہ، رنگین یا رنگینہ، معشوق یا معشوقہ کی محبت سے دل پاک ہو جائے تو سمجھ لو طہارتِ باطنی حاصل ہو گئی۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وضو کے بعد جو یہ دعا تعلیم فرمائی گئی اس میں یہ حکمت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کر رہا ہے کہ اے اللہ! وضو کر کے میں نے جسم تو دھو لیا، ظاہری طہارت تو حاصل کر لی یہی میرے اختیار میں تھا لیکن دل تک میرا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا آپ اپنی قدرتِ قاہرہ سے میرے دل کو پاک کر دیجیے یعنی گناہوں کے ذوق، گناہوں کے شوق، گناہوں کے طوق یعنی طوقِ لعنت سے مجھے پاک کر دیجیے۔

اور ایک نکتہ یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت نے جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ تَوَّابِیْنَ کو اور مُتَطَهِّرِیْنَ کو محبوب رکھتے ہیں تو اُمت کو یہ دعا سکھادی کہ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں اور بہ تکلف گناہوں کو چھوڑنے کی تکلیف اُٹھانے والوں میں اور غیر اللہ کی محبت سے دل کو پاک کرنے کی مشقت جھیلنے والوں میں بنادیجیے تاکہ اس دعا کی برکت سے امت کو مذکورہ طہارتِ باطنی کی توفیق ہوجائے اور اُمت محبوب ہوجائے۔

آیت نمبر ۱۲

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[۸۴]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (یا بچا کر) نور (اسلام) کی طرف لاتا ہے۔

ضرورتِ مرشد پر فائدۂ علمیہ برائے اہلِ علم

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کی تفسیر یُخْرِجُهُمْ سے ہے یعنی حق تعالیٰ شانہٗ جس کو اپنا ولی بناتے ہیں اس کو اندھیرے سے نور کی طرف نکالتے رہتے ہیں۔ مضارع کے صیغے سے یہ انعام عطا فرمایا ہے جس میں خاصیت تجدّدِ استمراری کی ہے۔ ایسے حالات کو ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

ہم نے طے کیں اس طرح سے منزلیں
گر پڑے گر کر اُٹھے اُٹھ کر چلے

یعنی حق تعالیٰ شانہ اپنے دوستوں کو توفیقِ توبہ سے پاک فرماتے رہتے ہیں اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[۸۵]

اے موسیٰ! اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ۔ حضرت حکیم الامت تھانوی تحریر فرماتے

۸۴؎ البقرۃ: ۲۵۷

۸۵؎ ابراھیم: ۵

ہیں کہ ایک مقام پر حق تعالیٰ شانہ نے تاریکیوں سے نکالنے کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف فرمائی:

اِسْنَادُ الْاِخْرَاجِ اِلَی النَّبِیِّ مَعَ کَوْنِ الْمُخْرِجِ الْحَقِیْقِیِّ هُوَ اللهُ تَعَالٰی هٰذَا اَقْوٰی دَلِیْلٍ عَلٰی اَنَّ لِلشَّیْخِ مَدْخَلًا عَظِیْمًا فِیْ تَکْمِیْلِ الْمُرِیْدِ[۸۶]

باوجود اس کے کہ مُخرِجِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے پھر اخراج کی نسبت نبی کی طرف کرنا قوی دلیل ہے اس بات کی کہ تکمیلِ مرید میں شیخ کو عظیم دخل ہے۔

ولی کس کو کہتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام ولی بھی ہے اَلْوَلِیُّ اَیِ الْمُحِبُّ لِاَوْلِیَاءِهٖ وَالنَّاصِرُ لَهُمْ عَلٰی اَعْدَاءِهِمْ[۸۷] ولی وہ ہے جو اپنے دوستوں سے محبت کرتا ہو اور مدد کرتا ہو ان کی دشمنوں پر۔ اللہ تعالیٰ جس کو اپنا ولی بناتے ہیں اس کو ظلمات سے انوار کی طرف نکالتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے اَللهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ علامہ قشیری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو ولی بناتے ہیں اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ

أَنْ یُّدِیْمَ تَوْفِیْقَهٗ حَتّٰی لَوْ أَرَادَ سُوْءًا أَوْ قَصَدَ مَحْظُوْرًا عَصَمَهٗ عَنِ ارْتِکَابِهٖ، وَلَوْ جَنَحَ إِلٰی تَقْصِیْرٍ فِیْ طَاعَتِهٖ أَبٰی إِلَّا تَوْفِیْقًا لَهٗ وَتَایِیْدًا، وَهٰذَا مِنْ أَمَارَاتِ السَّعَادَةِ، وَعَکْسُ هٰذَا مِنْ أَمَارَاتِ الشَّقَاوَةِ، وَمِنْ أَمَارَاتِ وِلَایَتِهٖ أَنْ یَّرْزُقَهٗ مَوَدَّةً فِیْ قُلُوْبِ أَوْلِیَائِهٖ فَإِنَّ اللهَ یَنْظُرُ إِلٰی قُلُوْبِ أَوْلِیَائِهٖ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ فَإِذَا رَأٰی فِیْ قُلُوْبِهِمْ لِعَبْدٍ مَحَلًّا یَنْظُرُ إِلَیْهِ بِاللُّطْفِ وَإِذَا رَأٰی هِمَّةَ وَلِیٍّ مِّنْ أَوْلِیَائِهٖ لِشَأْنِ عَبْدٍ أَوْسَمِعَ دُعَاءَ وَلِیٍّ فِیْ شَأْنِ شَخْصٍ یَأْبٰی إِلَّا الْفَضْلَ وَالْاِحْسَانَ إِلَیْهِ أَجْرٰی بِذٰلِكَ سُنَّتَهُ الْکَرِیْمَةَ، وَسَمِعْتُ الشَّیْخَ أَبَا عَلِیِّ الدَّقَّاقَ رَحِمَهُ اللهُ یَقُوْلُ لَوْ أَنَّ وَلِیًّا مِّنْ أَوْلِیَاءِ اللهِ مَرَّ بِبَلْدَةٍ لَنَالَ بَرَکَةَ مُرُوْرِهٖ أَهْلُ تِلْكَ الْبَلْدَةِ حَتّٰی

۸۶؎ بیانُ القرآن: ۳/۶ مسائل السلوک، ابرٰهیم (۵)، ایچ ایم سعید

۸۷؎ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۹۱، باب اسماء اللہ تعالیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

يَغْفِرَ اللهُ لَهُمْ، وَمِنْ خُصُوْصِيَّاتِ الْوِلَايَةِ أَنَّ أَهْلَهَا مُنَزَّهُوْنَ عَنِ الذُّلِّ فَأَوْلِيَاءُ اللهِ تَعَالٰى دَائِمًا مُسْتَغْرَقُوْنَ فِيْ عِزِّمَوْلَاهُمْ فِيْ دُنْيَاهُمْ وَأُخْرَاهُمْ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَجَعَلَنَا مِنْهُمْ بِمَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ[۸۸]

ترجمہ: ولی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کے ساتھ اپنی طرف سے خاص توفیق شاملِ حال رکھتے ہیں جس کا فیض یہ ہے کہ اگر وہ ارادہ بھی کرے کسی برائی یا غیر شرعی فعل کا تو اس کی حق تعالیٰ حفاظت رکھتے ہیں اس اس کے ارتکاب سے اور اگر عبادت و ذکر میں سستی کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سستی سے روک دیں گے اپنی خاص توفیق اور تائید سے۔ یہ تو علاماتِ سعادت ہیں اور اس کے برعکس علاماتِ شقاوت ہیں۔ اور ولی کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے اولیاء کے قلوب میں اس کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے قلوب پر ہر وقت نظرِ عنایت رکھتے ہیں۔ پس جب کسی بندہ کے ساتھ تعلق اور محبت اس میں دیکھتے ہیں تو اس کو بھی نگاہِ لطف سے نواز دیتے ہیں۔ اور جب کسی اپنے ولی کی توجہ کو کسی بندہ پر دیکھتے ہیں یا کسی بندہ کے لیے اپنے ولی کی دعا کو سنتے ہیں تو اس پر اپنے فضل و احسان کو جاری فرما دیتے ہیں اور یہی ان کی سنّت جاریہ ہے۔

اور میں نے شیخ ابو علی دقاق سے سنا ہے کہ اگر کوئی ولی اللہ تعالیٰ کا کسی شہر سے گزر جاوے تو اس بستی کے لوگ اس کے فیض سے محروم نہ رہیں گے اور اس کے مرور (گزرنے) کی برکت سے بخش دیے جائیں گے۔

اور حق تعالیٰ کی ولایت کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اولیاء کو ذلّت سے بچاتے ہیں کیوں کہ حق تعالیٰ کی عظمتوں میں وہ غرق رہتے ہیں پھر ان کو ذلّت کیسے چھو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہم کو بھی ان ہی کے زُمرہ میں شامل فرما دیں اپنے احسان و کرم سے۔

ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ

حضرت حکیم الامت تھانوی بحوالہ روح المعانی اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ مرتبۂ اولیٰ میں جو ولایتِ عامہ تھی بشرطِ ایمان وہی مرتبۂ ثانیہ میں تقویٰ کی شرط سے ولایتِ خاصہ پر فائز ہو جاتی ہے، اس کو ولایتِ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔

سورۂ یونس میں ارشاد ہے کہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ جو ایمان

۸۸؎ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۹۱(۲۲۸۸)، باب اسماء اللہ تعالیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی معاصی سے پرہیز کرتے ہیں یعنی ایمان اور تقویٰ سے اللہ کا قرب عطا ہوتا ہے اور خوف اور حزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لیے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی من جانب اللہ خوف اور حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ[۸۹]حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ بزرگی اور ولایت کا مدار ایمان اور تقویٰ پر ہے نہ کہ کشف و کرامت پر۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَلْاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ كَرَامَةٍ[۹۰]استقامت ایک ہزار کرامات سے افضل ہے۔

آیت نمبر ۱۳

وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ[۹۱]

ترجمہ: اور درگزر کیجیے ہم سے اور بخش دیجیے ہم کو اور رحم کیجیے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں (اور کارساز طرف دار ہوتا ہے) سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے گناہ گاروں کے لیے ایک ایسی سواری بھیجی ہے جو عجیب و غریب ہے، اللہ تعالیٰ اپنے ایسے گناہ گار بندوں کے لیے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے بہت دور جا پڑے ہیں اور اس مایوسی کے قریب جا پہنچے ہیں جس کے سبب مساجد میں جانا اور نیک عمل کرنا بھی چھوڑ دیا ہے، شیطان نے انہیں اللہ سے مایوس کر کے غفلت میں دور پھینک دیا ہے کہ اب وہ یہی سمجھتے ہیں کہ میری مغفرت کیا ہوگی لیکن وہ اگر توبہ کی سواری میں بیٹھ جائیں تو ایک لمحہ میں ان کی دوری حضوری سے تبدیل ہو جائے اور وہ اللہ کے پیارے ہو جائیں۔

اب میں آیتِ کریمہ کی تفسیر عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے معافی کا سرکاری مضمون نازل کیا ہے۔ یہ بتائیے کہ اگر کسی مجرم کو وقت کا بادشاہ یا وزیر اعظم یہ کہہ دے کہ اس قسم کا مضمون معافی نامہ کا لکھ کر دے

---

۸۹ یونس: ۶۴

۹۰ مرقاۃ المفاتیح: ۸۴/۱، کتاب الایمان، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

۹۱ البقرۃ: ۲۸۶

دو تو میں معاف کر دوں گا۔ تو کیا اس میں کسی کو شبہ ہو گا؟ پھر سلطان السلاطین، احکم الحاکمین، معافی کا جو مضمون خود نازل فرما دیں اس کی مقبولیت میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ شانہٗ جن کو حساب لینا ہے وہ معافی کا مضمون نازل کر رہے ہیں کہ کہو وَاعْفُ عَنَّا اے اللہ! ہم کو معاف کر دے وَاغْفِرْ لَنَا اور ہم کو بخش دیجیے وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما دیجیے اَنْتَ مَوْلٰنَا آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔ اب اس کی تفسیر عرض کرتا ہوں۔

وَاعْفُ عَنَّا کے کیا معنی ہیں؟ مفتیٔ بغداد علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وَاعْفُ عَنَّا کے معنی ہیں اُمْحُ اٰثَارَ ذُنُوْبِنَا[۹۲] ہمارے گناہوں کے نشانات اور گواہوں کو مٹا دیجیے کیوں کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو چار گواہ تیار ہو جاتے ہیں:

۱) جس زمین پر گناہ کرتا ہے وہ زمین قیامت کے دن گواہی دے گی۔ سورۂ زلزال میں ہے یَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا[۹۳] اللہ پاک فرماتے ہیں کہ زمین خود بولے گی کہ اس زمین پر اس نے عورتوں کو دیکھا تھا، اس زمین پر اس نے فلاں گناہ کیا تھا۔

۲) دوسری گواہی خود اپنے اعضاء کی ہو گی کہ جس عضو سے گناہ کیا تھا وہ عضو ہاتھ یا پیر گواہی دیں گے۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ[۹۴] اللہ تعالیٰ قیامت کے دن منہ سیل کر دیں گے اور ہاتھ پیر بولنے لگیں گے، ہونٹ کہیں گے کہ ہم نے حرام بوسے لیے تھے، کان کہیں گے ہم نے گانے سُنے تھے، آنکھیں کہیں گی کہ ہم دوسرے کی ماں، بہن، بیٹی کو دیکھتے تھے اس طرح سب اعضاء بولنے لگیں گے۔

۳) تیسرے گواہ فرشتے ہیں كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ﴿۱۱﴾ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ[۹۵] کراماً کاتبین تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔

۴) اور چوتھی گواہی اعمال نامہ ہے وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ[۹۶]

---

۹۲ روح المعانی: ۳/۱۷، البقرۃ (۲۸۶)، دار احیاء التراث، بیروت

۹۳ الزلزال: ۴

۹۴ یٰس: ۶۵

۹۵ الانفطار: ۱۱-۱۲

۹۶ التکویر: ۱۰

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَ اعۡفُ عَنَّا کہو تو میں تمہارے گواہوں کی گواہی مٹادوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اِذَا تَابَ الۡعَبۡدُ اَنۡسَی اللہُ الۡحَفَظَةَ ذُنُوۡبَهٗ کہ بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے اس کے گناہوں کو خود بھلا دے گا، ان کی یاد داشت کی رِیل صاف کردے گا۔ فرشتوں کو بھی یاد نہیں رہے گا کہ اس شخص نے کیا کیا گناہ کیے تھے۔

وَ اَنۡسٰی ذٰلِكَ جَوَارِحَهٗ اور اس کے ہاتھ پیر سے جو گناہ ہوا ہے ان کی رِیل بھی صاف کردے گا۔ وَ مَعَالِمَهٗ مِنَ الۡاَرۡضِ اور جس زمین پر گناہ ہوا ہے اس زمین کی رِیل بھی صاف کردے گا۔ حَتّٰی یَلۡقَی اللہَ وَلَیۡسَ عَلَیۡهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللہِ بِذَنۡبٍ[۹۷] یہاں تک کہ وہ بندہ اس حال میں اللہ سے ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی گواہ نہ رہے گا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے نشانات اور شہادتیں فرشتوں سے مٹوائیں گے یا خود مٹادیں گے؟ تو مفسرِ عظیم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود مٹائیں گے۔ اگر فرشتوں سے مٹواتے تو فرشتے ہم کو طعنہ دیتے کہ تم لوگ تو نالائق تھے۔ یہ ہم نے مٹایا ہے۔ کیا کرم ہے اللہ کا، ایسے کریم مولیٰ پر کیوں نہ فدا ہوں جنہوں نے غلاموں کی آبرو رکھ لی اور ہمارے جرائم کو خود ہی مٹادیا۔ اب جو لوگ گناہوں سے توبہ کرلیں گے اور پھر نیک اعمال کرنے لگیں گے، حج، عمرے، روزہ، نماز وغیرہ تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کی جگہ نیکیاں لکھ دیں گے۔ فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللہُ سَیِّاٰتِهِمۡ حَسَنٰتٍ[۹۸] اور لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللہِ[۹۹] اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، اس کی رحمت غیر محدود ہے۔

جب مخلوق میں یہ قدرت ہے کہ ذرا سا بارود پہاڑوں کو اُڑا دیتا ہے تو اللہ کی رحمت میں یہ قدرت نہ ہوگی کہ گناہوں کے پہاڑوں کو اُڑا دے۔ وَاغۡفِرۡ لَنَا اور ہم کو بخش دیجیے۔ کس طرح؟ بِاِظۡهَارِ الۡجَمِیۡلِ وَسَتۡرِ الۡقَبِیۡحِ ہماری نیکیاں ظاہر کردیجیے اور گناہوں پر پردہ ڈال دیجیے۔ وَارۡحَمۡنَا یہ رحم کیا ہے؟ جب کہ معافی اور بخشش ہوگئی تو مفسر عظیم علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَیۡ تَفَضَّلۡ عَلَیۡنَا بِفُنُوۡنِ الۡاٰلَآءِ مَعَ اسۡتِحۡقَاقِنَا بِاَفَانِیۡنِ الۡعِقَابِ اے خدا! اب طرح طرح کی نعمتیں بھی ہم کو دیجیے۔ جو شخص طرح طرح کے عذابوں کا مستحق تھا اس پر طرح طرح کی نعمتیں اور عنایتیں برسا دیجیے اَنۡتَ مَوۡلٰنَا،

---

۹۷ کنز العمال: ۲۰۹/۴ (۱۰۱۷۹)، باب فضل التوبة والترغيب فيها، مؤسسة الرسالة

۹۸ الفرقان: ۷۰

۹۹ الزمر: ۵۳

اَیْ اَنْتَ سَیِّدُنَا وَ مَالِکُنَا آپ ہمارے آقا ہیں، ہمارے مالک ہیں۔ وَ مُتَوَلِّیْ اُمُوْرِنَا[1] اور آپ ہمارے تمام اُمور کے متولّی ہیں۔

آیتِ شریفہ کی مزید تشریح

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا

آیت وَاعْفُ عَنَّا کی تفسیر

وَاعْفُ عَنَّا کے معنٰی ہیں اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معافی دے دے اور ان کے نشانات کو بھی مٹا دے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ وَاعْفُ عَنَّا کے معنٰی ہیں اُمْحُ اٰثَارَ ذُنُوْبِنَا ہمارے گناہوں جو چار گواہ پیدا ہوئے ہیں ان کی گواہیوں کو مٹا دیجیے۔ جس زمین پر گناہ ہوا ہے وہ زمین قیامت کے دن گواہی دے گی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا اللہ کا حکم ہو رہا ہے کہ اے زمین! تجھ پر جس جس نے جو گناہ کیا تو گواہی دے۔ اور دوسری گواہی اعضاء کی ہوگی، جن اعضاء سے گناہ ہوئے ہیں وہ اعضاء بھی بولیں گے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ

ترجمہ: آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے۔ اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ہاتھ کہیں گے کہ ہم نے اس طرح سے چوری کی تھی اور جیب کاٹی تھی۔ سارے اعضاء بولنے لگیں گے۔ تیسرا گواہ دو فرشتے کراماً کاتبین ہیں جو اعمال کو نوٹ کرتے رہتے ہیں اور چوتھا گواہ صحیفۂ اعمال ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا میں درخواست ہے کہ اے اللہ! میرے گناہوں کے تمام نشانات کو مٹا دے، میرے اعضاء کے گناہوں کو بھی مٹا دے، زمین کے گواہ کو بھی مٹا دے اور کراماً کاتبین کی یادداشت سے بھی بُھلا دے اور اس کے بعد اعمال نامہ میں جو گناہ درج ہیں توبہ کی برکت سے ان کو بھی مٹا دے۔

وَاغْفِرْلَنَا کی تفسیر ہے بِاِظْهَارِ الْجَمِیْلِ وَ سَتْرِ الْقَبِیْحِ یعنی آپ میری برائیوں کو چھپا دیجیے

---

[1] روح المعانی: ۳/۷۱، البقرۃ (۲۸۶)، داراحیاء التراث، بیروت

اور میری نیکیوں کو ظاہر کر دیجیے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ اے اللہ !ہم لوگوں سے ایسے بڑے بڑے کام ہو جائیں کہ قیامت تک ان کا چرچا ہوتا رہے۔وَاغْفِرْلَنَا کی یہ تفسیر روح المعانی میں ہے۔

کون سی جاہ محمود ہے؟

اب اگر کوئی کہے کہ نیکیوں کو ظاہر کرنے کی طلب تو حُبِّ جاہ ہے، تو یہ حُبِّ جاہ نہیں ہے۔ حُبِّ جاہ وہ ہے جو اپنے نفس کے لیے جاہ چاہے اور جو اللہ کے لیے چاہے کہ اللہ مخلوق میں ایسی عزت دے کہ جب میں بیان کروں تو سب لوگ سر آنکھوں پر رکھ لیں تو یہ طلبِ عزت برائے رب العزت ہے۔ جاہ وہ مذموم ہے جو اپنے نفس کی بڑائی کے لیے ہو۔ جو بڑائی اللہ کے لیے ہو وہ مذموم نہیں مثلاً ہم اچھا لباس اس لیے پہنیں کہ لوگ مولویوں کو حقیر نہ سمجھیں، چندہ مانگنے والا بھک منگا نہ سمجھیں تو یہ بڑائی اللہ کے لیے ہے اور مطلوب ہے۔ پس جب وَاغْفِرْلَنَا کہے تو دل میں نیت کر لیجیے کہ یا اللہ !میری برائیوں کو مخلوق سے چھپا دیجیے اور نیکیوں کو ظاہر کر دیجیے۔ اسی طرح جب وَاعْفُ عَنَّا کہے تو دل میں اللہ سے کہیں کہ اے اللہ !مجھے معاف کر دیجیے اور میرے گناہوں کے چاروں گواہوں کو مٹا دیجیے۔ اور آپ کا یہ وعدۂ مذکورہ حدیث میں بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہو رہا ہے۔ سفیر جو ہوتا ہے سلطانِ مملکت کا ترجمان ہوتا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سفیر ہیں۔ آپ کا یہ فرمادینا کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے تمام نشانات کو مٹا دیں گے اور خود مٹائیں گے، اپنے بندوں پر فرشتوں کا بھی احسان نہیں رکھیں گے یہ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ترجمانی ہے۔ رحمۃ للعالمین کی زبانِ مبارک ارحم الراحمین کی رحمتوں کی ترجمان ہے۔

اس کے بعد ہے وَارْحَمْنَا بس آج اسی مضمون کے لیے اتنی تمہید میں نے بیان کی کہ یا اللہ !ہم پر رحم فرما دیجیے۔ معافی اور مغفرت کے بعد رحم کے کیا معنیٰ ہیں؟ رحمت کی چار تفسیر ہیں جو حکیم الامت نے بیان کی جو شاید ہی آپ کسی کتاب میں پائیں گے۔ لہٰذا جب وَارْحَمْنَا کہے تو چار نعمتوں کی نیت کر لیجیے:

۱) توفیقِ طاعت: گناہوں سے طاعت کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ گناہ کی نحوست سے عبادت میں جی نہیں لگتا اور گناہوں کے کاموں میں خوب دل لگتا ہے اس لیے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر عبادت و فرماں برداری کی توفیق نہیں ہوتی۔

۲) فراخیٔ معیشت: روزی میں برکت ڈال دیجیے کیوں کہ گناہوں سے روزی میں برکت ختم ہو جاتی ہے، کماتا بہت ہے لیکن پورا نہیں ہوتا۔

۳) بے حساب مغفرت: قیامت کے دن ہمارا حساب نہ لیجیے کیوں کہ جس سے مؤاخذہ ہو گا اس کو عذاب دیا جائے گا۔

۴) دخولِ جنّت: اور جنّت میں دخولِ اوّلیں نصیب فرما دیجیے۔

اب وَارۡحَمۡنَا کی تفسیر کرتا ہوں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سنیے۔ فرماتے ہیں رحم کی درخواست میں اپنے کسی نیک عمل کا استحقاق نہ لانا:

اَیۡ تَفَضَّلۡ عَلَیۡنَا بِفُنُوۡنِ الۡاٰلَآءِ مَعَ اسۡتِحۡقَاقِنَا بِاَفَانِیۡنِ الۡعِقَابِ

اے اللہ! جو بندہ گناہوں کی وجہ سے طرح طرح کے عذاب کا مستحق تھا، فن کی جمع فنون اور فنون کی جمع افانین۔ جو افانین عذاب کا مستحق تھا یعنی اپنے طرح طرح کے گناہوں کی نحوست سے جو طرح طرح کے عذابوں کا مستحق تھا اب معافی اور مغفرت طلب کرنے کے بعد اس پر طرح طرح کی نعمتوں کی بارش فرمایئے۔ اگر حضرت حکیم الامت کی تفسیر بیان القرآن میں اختر نہ دیکھتا تو اس مضمون تک ہمارے دماغ کی رسائی بھی نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کو اپنے مجاہدات کی طرف منسوب کرنا ناشکری ہے۔ یہ مت کہو کہ ہمارے مجاہدات کی وجہ سے آپ نے یہ کرم کیا بلکہ یہ کہو کہ آپ کے کرم کا سبب محض آپ کا کرم ہے، میرا کوئی عمل اس کا سبب نہیں۔ توفیقِ عمل بھی آپ کا کرم ہے مگر آپ کے کرم کے عنوانات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی آپ نے کسی عبادت کی توفیق دے دی اور پھر اس کے بعد اپنے کرم سے اسے قبول فرما کر کوئی نعمت عطا فرما دی۔ دیکھو! حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تھے اور پیغمبری مل گئی۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے؎

بہت ابھاگن مر گئیں جگت جگت بورائے
پیو جے کا چاہیں تو سوتت لیت جگائے

یہ ہندی سنو یعنی بہت سے پاگل دنیا میں بھیک کا پیالہ لے کر مارے مارے پھرے اور کچھ نہ ملا اور جس کو اللہ چاہتا ہے سوتے ہوئے کو جگاتا ہے کہ اُٹھ تہجد پڑھ، کہاں غافل پڑا ہے، لے تجھ کو نسبت مع اللہ کی عظیم دولت دیتا ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بر بنائے استحقاق مت مانگو کہ میرا حق بنتا ہے۔ بس یہ کہو کہ میرا حق نہیں بنتا، ہماری عبادت آپ کی عظمتِ غیر محدود کے سامنے کچھ نہیں لہٰذا آپ اپنی مہربانیاں محض اپنی

مہربانی سے دے دیجیے۔ یہ دعا وَارْحَمْنَا کی اس تفسیر کو سامنے رکھ کر ہم آپ کی رحمت سے مانگ رہے ہیں، اے اللہ! یہ رحم جو ہم آپ سے مانگ رہے ہیں یہ بربنائے استحقاق نہیں ہے، ہم تو مستحق ہیں عذاب کے، ہمارا استحقاق تو عذاب کا ہے اور وہ بھی ایک دو طرح کے عذاب کا نہیں طرح طرح کے عذاب کے ہم مستحق ہیں لیکن معافی اور مغفرت کے بعد طرح طرح کے مستحقِ عذاب پر طرح طرح کی نعمتوں کی بارش فرمادیجیے۔ یہ مضمون اب ختم ہو گیا آج بہت خاص تقاضے کی بنا پر یہ عرض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کبھی اپنا استحقاق نہ پیش کرو کہ میرا حق بنتا ہے، ضابطے سے مت مانگو، رابطے سے مانگو۔

اس لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں توّاب کے ساتھ رحیم نازل فرمایا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو! ہم جو تمہاری توبہ قبول کرتے ہیں تو ضابطے سے نہیں کرتے شانِ رحمت سے کرتے ہیں کیوں کہ ایک فرقۂ معتزلہ ہے جس کا باطل عقیدہ یہ ہے کہ معافی مانگنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو قانوناً معاف کرنا پڑے گا تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ توّاب کے بعد رحیم نازل فرمانا فرقۂ معتزلہ کا رد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کچھ واجب نہیں، وہ قادرِ مطلق ہیں، کسی کو معاف کرنے پر وہ مجبور نہیں ہیں، اپنی شانِ کرم سے، شانِ رحمت سے معاف فرماتے ہیں۔ لہٰذا بندوں کا کام ہے کہ عاجزی سے ان کے حضور میں گڑگڑاتے رہیں۔ دین پر استقامت چاہتے ہو تو عاجزی اور شکستگی اختیار کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ سارے عالَم سے مستغنی ہے۔

آیت نمبر ۱۴

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ[۱۰۱]

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے بعد اس کے کہ آپ ہم کو ہدایت کرچکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمائیے (یعنی راہِ مستقیم پر جما کر رکھیے) بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

---

[۱۰۱] اٰل عمرٰن: ۸

استقامت علی الدین اور حسنِ خاتمہ کی دعا کے عجیب تفسیری لطائف

ہر نہی اپنے منہی عنہ کے وجود پر دلالت کرتی ہے رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بتارہا ہے کہ قلب میں ازاغت و کجی کی استعداد موجود ہے اور استعداد بھی ایسی کہ ازاغت صرف گناہ زِنا اور شراب تک محدود نہیں رہتی بلکہ عقیدہ تک خراب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ نعوذ باللہ! نبوت اور مہدیت تک کا دعویٰ کرنے لگتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھا رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا آپ کے جس کرم نے ہمیں ہدایت بخشی ہے اسی کرم سے آپ ہم کو عدمِ ازاغت بھی بخش دیجیے۔ عدمِ ازاغت کی درخواست میں طلبِ ہدایت کی درخواست موجود ہے۔ اور عطائے ہدایت اور بقائے ہدایت اور ارتقائے ہدایت کی بھی درخواست ہے تاکہ ہمارا قلب ٹیڑھا نہ ہونے پائے اور دل میں کجی گناہوں سے آتی ہے خصوصاً اس زمانے میں بدنظری کے گناہ سے دل بالکل تباہ ہو جاتا ہے کیوں کہ بدنظری پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالۡمَنۡظُوۡرَ اِلَيۡهِ[۱۰۲]

تو نگاہ کی حفاظت نہ کرنے سے یہ شخص لعنت میں آ گیا اور لعنت کے معنیٰ ہیں اَلۡبُعۡدُ عَنِ الرَّحۡمَةِ جب رحمت سے دوری ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہٹ گئی اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيۡ[۱۰۳] کا سایہ اس سے ہٹ گیا اور نفسِ امّارہ کے شر سے بچنے کے لیے سوائے سایۂ رحمتِ حق کے اور کوئی راستہ نہیں۔ لہٰذا سایۂ رحمت ہٹنے سے یہ شخص نفس امّارہ بالسوء کے بالکل حوالے ہو گیا۔ اب نفس اس سے جو گناہ کرا دے وہ کم ہے کیوں کہ السوء میں لام استغراق کا ہے۔ ابتدائے عالم سے قیامت تک گناہ کے جو اقسام و انواع ایجاد ہوں گے سب اس لام میں شامل ہیں۔ پس اس کے گناہوں کی تاریخ ایسی بھیانک ہو جائے گی جس کا وہ خود تصور نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اے اللہ! آپ کے جس کرم نے ہمیں ہدایت بخشی ہے اپنے کرم سے اس ہدایت کو باقی بھی رکھیے اور اس میں ترقی بھی عطا فرمائیے۔ عطائے کرم بھی فرمائیے، بقائے کرم بھی فرمائیے اور ارتقائے کرم بھی فرمائیے۔

وَهَبۡ لَنَا اور ہمیں ہبہ کر دیجیے۔ کون سا ہبہ؟ جس میں ہمارا نفع ہو۔ لَنَا میں لام نفع کا ہے مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً اپنے پاس والی رحمت، اپنی خاص رحمت ہم کو ہبہ کر دیجیے۔ یہاں عام رحمت کا سوال نہیں کیا

[۱۰۲] مشکوٰۃ المصابیح: ۲۷۰/۱، باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات، المکتبۃ القدیمیۃ، کراتشی

[۱۰۳] یوسف: ۵۳

جارہا ہے کیوں کہ شروع میں عدمِ ازاغت کا سوال کیا گیا اس لیے یہاں وہ خاص رحمت مانگی جارہی ہے جو ازاغت اور کجی سے قلب کو محفوظ فرمادے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِھٰذِہِ الرَّحْمَۃِ الْاِسْتِقَامَۃُ عَلَی الدِّیْنِ وَحُسْنُ الْخَاتِمَۃِ[۱۰۴]

اور لفظ ہبہ سے کیوں مانگنا سکھایا گیا؟ کیوں کہ استقامت علی الدین اور حسنِ خاتمہ وہ عظیم الشان نعمت ہے جس کی برکت سے جہنم سے نجات اور دائمی جنّت نصیب ہوگی۔ یہ ہماری محدود زندگی کے محدود اور ناقص مجاہدات وریاضات کا صلہ ہرگز نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متنبہ فرمادیا کہ خبردار! میری اس رحمتِ خاصہ کو اپنے کسی عمل اور کسی مجاہدہ اور کسی ریاضت کا بدلہ نہ سمجھنا کیوں کہ حسنِ خاتمہ میرا وہ عظیم الشان انعام اور وہ غیر محدود رحمت ہے جو دائماً دخولِ جنّت کا سبب ہے جس کا تم کوئی معاوضہ ادا نہیں کرسکتے کیوں کہ مثلاً اگر تم نے سو سال عبادت کی تو قانون اور ضابطہ سے سو سال تک تمہیں جنّت میں رہنے کا جواز ہوسکتا تھا لیکن محدود عمل پر یہ غیر محدود انعام اور غیر فانی حیات کے ساتھ غیر فانی جنّت عطا ہونا یہ صرف میری عطا اور میرا کرم ہے، اس کرم کا سبب محض کرم ہے لہٰذا میری یہ رحمتِ خاصہ اور انعامِ عظیم لینے کے لیے لفظ ہبہ سے درخواست کرو کیوں کہ ہبہ بدونِ معاوضہ ہوتا ہے اور ہبہ میں واہب اپنے غیر متناہی کرم سے جو چاہے عطا فرمادے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَفِی اخْتِیَارِ صِیْغَۃِ الْھِبَۃِ اِیْمَاءٌ اِلٰی اَنَّ ھٰذِہِ الرَّحْمَۃَ اَیْ ذٰلِکَ التَّوْفِیْقَ لِلْاِسْتِقَامَۃِ عَلَی الْحَقِّ تَفَضُّلٌ مَّحْضٌ بِدُوْنِ شَائِبَۃِ وُجُوْبٍ عَلَیْہِ تَعَالٰی شَانُہٗ

اور صیغۂ ہبہ اختیار فرما کر حق تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمادیا کہ یہ رحمت جس سے مراد وہ توفیقِ خاص ہے جس سے بندوں کو دین پر استقامت نصیب ہوتی ہے اور جو سبب ہے حسنِ خاتمہ کا یہ محض حق تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں اور آگے اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ معرضِ تعلیل میں ہے کہ تم کو ہم سے اس نعمتِ عظمیٰ کو ہبہ سے مانگنے کا کیا حق ہے؟ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ معنی میں لِاَنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ کے ہے۔ ہم آپ سے اس لیے مانگ رہے ہیں کیوں کہ آپ بہت بڑے داتا اور بہت بڑے بخشش کرنے والے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سید محمود بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ عدمِ ازاغۃ کے مقابلے میں جس رحمت کو طلب کرنے کا ذکر ہے اس سے مراد رحمتِ عام کے ساتھ یہاں رحمتِ خاص بھی ہے:

[۱۰۴] روح المعانی: ۳/۱۰۷، البقرۃ (۲۸۶)، داراحیاء التراث، بیروت

اَلْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ الْاِنْعَامُ الْخَاصُّ وَهُوَ التَّوْفِيْقُ لِلثُّبَاتِ عَلَى الْحَقِّ، وَفِيْ سُؤَالِ ذٰلِكَ بِلَفْظِ الْهِبَةِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ ذٰلِكَ مِنْهُ تَعَالٰى تَفَضُّلٌ مَّحْضٌ مِّنْ غَيْرِ شَائِبَةِ وُجُوْبٍ عَلَيْهِ عَزَّ شَانُهٗ[۱۰۵]

ترجمہ: اس رحمت سے مراد رحمتِ خاصہ ہے اور وہ حق پر رہنے کی توفیق ہے، لفظ ہبہ سے سوال سکھانے میں تعلیم ہے کہ جس طرح ہبہ بدونِ معاوضہ ہوتا ہے اور صرف عنایاتِ واہب سے ہوتا ہے اسی طرح استقامت کی نعمت محض عطائے حق ہے، فضلِ محض ہے۔ ضابطہ سے نہیں ملے گا۔ صرف زاری اور الحاح سے دعا کرنے سے ملے گا۔ کما قال العارف الرومی؎

زور را بگذار و زاری را بگیر
رحم سوئے زاری آید اے فقیر

طاقت سے یہ دولت نہیں ملتی، رونے سے کام بنتا ہے۔ اے فقیر! رحمتِ حق سوئے گریہ وزاری متوجہ ہوتی ہے۔ اور اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ سوال کی تعلیل ہے۔ یعنی لِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ہم آپ سے اس رحمتِ خاصّہ کو بطور ہبہ اس لیے مانگتے ہیں کہ آپ بہت بخشش کرنے والے اور بہت عطا کرنے والے ہیں۔ واہ رے میرے کریم مالک! مانگنے والوں کے لیے اپنی کیسی صفت بیان فرمادی کہ ہر گناہ گار یہ دولت مانگ لے۔

یہ نعمتِ ہدایت اور توفیق حق تعالیٰ کی ولایت کی تفسیر ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[۱۰۶] حضرت آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ظلمات سے اخراج بذریعۂ ہدایت وتوفیق یہ ولایت کی تفسیر ہے:

يُخْرِجُهُمْ بِهِدَايَتِهٖ وَتَوْفِيْقِهٖ وَهُوَ تَفْسِيْرُ الْوِلَايَةِ

اور ولی کی تفسیر میں فرمایا:

اَيْ مُعِيْنُهُمْ وَمُحِبُّهُمْ وَمُتَوَلِّيْ اُمُوْرِهِمْ، وَاَفْرَدَ النُّوْرَ لِوَحْدَةِ الْحَقِّ
وَجَمَعَ الظُّلُمٰتِ لِتَعَدُّدِ فُنُوْنِ الضَّلَالِ[۱۰۷]

---

[۱۰۵] روح المعانی: ۹۰/۳، اٰل عمرٰن (۸)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۰۶] البقرۃ: ۲۵۷

[۱۰۷] روح المعانی: ۱۴/۳، البقرۃ (۲۵۷)، دار احیاء التراث، بیروت

یعنی اللہ تعالیٰ ان کا معین ہے اور ان کا محب ہے اور ان کے امور کا متولی ہے۔ اور نور کو مفرد بیان فرمایا بوجہ اس کے کہ حق ایک ہوتا ہے اور ظلمات کو جمع کے صیغہ سے بیان فرمایا بوجہ اس کے کہ گمراہی کے انواع متعدد ہوتے ہیں۔

استقامت کی دعا حدیث سے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا مَّا يَدْعُوْ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ[۱۰۸]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے اے دلوں کے بدلنے والے! ہمارے دل کو اپنے دین پر قائم رکھیے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اکثر یہ دعا کیوں مانگا کرتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنْ قَلْبٍ اِلَّا وَهُوَ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ اِنْ شَاءَ اَنْ يُّقِيْمَهٗ اَقَامَهٗ وَاِنْ شَاءَ اَنْ يُّزِيْغَهٗ اَزَاغَهٗ[۱۰۹]

ترجمہ: نہیں ہے کوئی قلب مگر وہ اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر چاہے قائم رکھے حق پر، اگر چاہے ٹیڑھا کرنا تو ٹیڑھا کر دے۔

حسنِ خاتمہ نصیب ہونے کا طریقہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ گاہ گاہ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے پاس جاتے رہو اور ان کی صحبت میں رہو۔ یہ ہے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اَيْ خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ[۱۱۰] (كَذَا فِيْ رُوْحِ الْمَعَانِيْ) جس ولی کے پاس طالب رہتا ہے اس کی صحبت کی برکت سے ویسا ہی ولی بن جاتا ہے، حسنِ خاتمہ جس طرح اللہ والوں کی محبت اور صحبت سے نصیب ہوتا ہے اسی طرح ان کی عداوت سے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

۱۰۸؎ جامع الترمذی:۳۶/۲، باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن، ایچ ایم سعید

۱۰۹؎ کنز العمال:۲۳۳/۱۱ (۱۱۶۸)، مؤسسۃ الرسالۃ

۱۱۰؎ روح المعانی:۵۶/۱۱، التوبۃ (۱۱۹)، دار احیاء التراث، بیروت

اَلْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ الْاِنْعَامُ الْمَخْصُوْصُ وَهُوَ التَّوْفِيْقُ لِلثُّبَاتِ عَلَى الْحَقِّ

عدمِ ازاغت کے لیے جس رحمت کو طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اس رحمت سے مراد رحمتِ خاصہ ہے اور وہ توفیق ہے حق پر قائم رہنے کی اور لفظ ہبہ سے مانگنے میں یہ تعلیم ہے کہ:

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْهُ تَفَضُّلٌ مَّحْضٌ بِدُوْنِ شَائِبَةِ وُجُوْبٍ عَلَيْهِ تَعَالٰى شَانُهٗ[۱۱]

استقامت کی یہ نعمت فضلِ محض ہے، عطائے حق ہے، ہبہ ہے۔ جس طرح ہبہ بغیر معاوضہ ہوتا ہے، محض ہبہ کرنے والے کی عنایت سے ہوتا ہے اسی طرح دین پر استقامت کی نعمت ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں ہو سکتی محض حق تعالیٰ کے فضل و عنایت سے ملتی ہے اور اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ معرضِ تعلیل میں ہے یعنی لِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ہم آپ سے اس رحمتِ خاصہ کو کیوں مانگتے ہیں؟ اس لیے کہ آپ بہت بخشش کرنے والے، بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اس دعا کا معمول دین پر استقامت اور حسنِ خاتمہ کا بہترین نسخہ ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ نے اپنی عنایات کو جو ہم پر واجب فرمایا تو اس کا نام وجوبِ تفضلی اور وجوبِ احسانی اس لیے ہے کہ استقامت اور ایمان پر موت اور جنّت کا ملنا اللہ تعالیٰ کے ہبہ پر موقوف ہے، ہم اپنے اعمال کے زور سے اس کو نہیں پا سکتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سکھایا کہ یوں کہو رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اے ہمارے پالنے والے! ہمارے دل کو ازاغت سے یعنی ٹیڑھا ہونے سے بچائیے کیوں کہ دل جب ٹیڑھا ہو گا تو جسم کے ہر عضو سے گناہ شروع ہو جائیں گے کیوں کہ دل بادشاہ ہے اور اعضاء اس کے تابع ہیں۔ یہاں عدمِ ازاغت سے مراد استقامت ہے کیوں کہ اَلْاَشْيَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِهَا کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دن کی پہچان رات سے ہوتی ہے اور رات کی پہچان دن سے ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ازاغت سے استقامت کی پہچان کرائی کیوں کہ استقامت کی ضد ازاغت ہے۔ لٰہذا جب دل ٹیڑھا نہیں ہو گا تو مستقیم رہے گا۔ معلوم ہوا کہ عدمِ ازاغت ہی استقامت ہے۔ لَا تُزِغْ کے معنیٰ ہیں کہ ہمارے دل کو ٹیڑھا نہ ہونے دیجیے یعنی ہمیں استقامت عطا فرمائیے بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا بعد اس نعمت کے کہ آپ نے ہم کو ہدایت سے نوازا تو پھر اب دوبارہ گمراہی سے بچائیے وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اور ہمیں ایک خاص رحمت ہبہ کر دیجیے مگر ہبہ میں اور رحمت میں فصل کیوں فرمایا؟ ہبہ کے بعد فوراً رحمت کا لفظ نازل نہیں فرمایا بلکہ موہوب، واہب اور

---

[۱۱] روح المعانی: ۹۰/۳، اٰل عمرٰن (۸)، دار احیاء التراث، بیروت

نعمتِ ہبہ میں تین الفاظ سے فاصلہ کر دیا، ایک لَنَا، دوسرا مِنْ اور تیسرا لَدُنْکَ پھر رحمت کی نعمت کو بیان فرمایا تاکہ میرے بندوں کو شوق پیدا ہو جائے کہ وہ کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ بندوں سے منگوانا چاہ رہے ہیں، جیسے ابا بچہ کو لڈو دِکھائے اور ذرا سا اونچا کر لے تو بچہ اشتیاق کے مارے اُچھلنے لگتا ہے تو تَشْوِیْقًا لِقُلُوْبِ الْعِبَادِ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں شوق پیدا کرنے کے لیے فاصلہ فرمادیا۔ اور یہاں رحمت سے کیا مراد ہے؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالرَّحْمَةِ الْاِنْعَامُ الْمَخْصُوْصُ وَهُوَ التَّوْفِيْقُ لِلثُّبَاتِ عَلَى الْحَقِّ

یہاں رحمت سے مراد عام رحمت نہیں ہے، روٹی بوٹی لنگوٹی کی نعمت نہیں ہے بلکہ یہاں مراد خاص رحمت ہے اور وہ دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق ہے جس کو ''استقامت'' کہتے ہیں۔ پس یہاں رحمت سے مراد استقامت ہے اور استقامت کی نعمت جس کو عطا ہو گئی اس کا خاتمہ بھی ان شاء اللہ ایمان پر ہوگا کیوں کہ جو سیدھے راستے پر جارہا ہے وہ منزل پر پہنچ جائے گا۔ اور اس کی دلیل کیا ہے؟ کہ یہ عدمِ ازاغت سے شروع ہوا، اس کے بعد ہدایت ملنے پر اظہارِ تشکر سکھایا، آخر میں رحمتِ خاصہ کا سوال ہوا۔ پس سیاق و سباق بتاتے ہیں کہ یہاں رحمت سے مراد استقامت ہے۔ تائب کا شعر ہے ؎

ہماری آہ و فغاں یوں ہی بے سبب تو نہیں
ہمارے زخم سیاق و سباق رکھتے ہیں

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ ہبہ نازل فرما کر اپنے بندوں کو ایک عظیم تعلیم عطا فرمائی کہ تم نعمتِ استقامت، حسنِ خاتمہ اور جنّت اپنے اعمال سے نہیں پاسکتے لہٰذا ہم سے ہبہ مانگو اور ہبہ میں کوئی معاوضہ نہیں دینا پڑتا، ہبہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ تم میرے پاس اپنے اعمال اعلیٰ درجہ کے پیش کرو تب میں تمہیں استقامت دوں گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میرے بندے میری عظمتِ غیر محدود کا حق اپنی محدود طاقتوں سے ادا نہیں کر سکتے، اسی لیے وہ ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں، عبادت سے زیادہ استغفار کرتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ غیر محدود کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے لفظ ہبہ نازل فرمایا کہ تم ہم سے یہ رحمتِ ہبہ مانگو کیوں کہ اس رحمت کا تم کوئی معاوضہ ادا نہیں کر سکتے۔ پس نعمتِ استقامت اور عدمِ ازاغت یعنی دل کا ٹیڑھا نہ ہونا جس کے بدلہ میں دائمی جنّت ملے گی یہ تمام نعمتیں قانوناً تم نہیں پاسکتے کیوں کہ قانوناً تم اس کے حقدار نہیں ہو سکتے مثلاً اگر تم نے ساٹھ برس عبادت کی ہے تو ساٹھ برس تک تم جنّت کے حقدار ہو سکتے ہو، ساٹھ برس کی عبادت سے دائمی جنّت کا قانوناً کہاں حق بنتا ہے، لہٰذا ہم سے

ہبہ یعنی بخشش مانگو کیوں کہ ہبہ اور بخشش بلا معاوضہ ہوتی ہے۔ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ خاص رحمت استقامت اور حسنِ خاتمہ کی ہے جس کا ثمرہ جنّت ہے:

ذٰلِكَ تَفَضُّلٌ مَّحْضٌ مِّنْ غَيْرِ شَآئِبَةِ وُجُوْبٍ عَلَيْهِ عَزَّ شَانُهٗ

یہ محض فضل سے پاؤ گے اس لیے وجوب کا شائبہ بھی نہ لانا کہ اللہ کے ذمہ اس کا دینا واجب ہے۔ اسی لیے ہبہ سے مانگنے کا حکم ہو رہا ہے کہ یہ رحمت تم اپنی عبادتوں سے نہیں پاسکتے، یہ محض ان کی بخشش اور بھیک ہو گی اس لیے بھکاری بن کر مانگو کیوں کہ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ تم تو اللہ کے رجسٹرڈ فقیر ہو۔

میرے شیخ و مرشد شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس دعا کے بعد اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ جو ہے یہ کیوں ہے؟ گویا بندے سوال کر رہے ہیں کہ ہم لوگ جو آپ سے ہبہ مانگتے ہیں تو سارا عالم ہی آپ سے ہبہ مانگ رہا ہے، آپ کتنا دیں گے؟ تو فرماتے ہیں کہ میں واہب نہیں ہوں، وہاب ہوں، کثیر الہبہ ہوں، سارے عالم کو ہبہ دے دوں پھر بھی میرے خزانے میں ذرّہ برابر کمی نہیں ہو گی۔ میرے شیخ نے تفسیر روح المعانی نہیں دیکھی تھی مگر جس مبدءِ فیاض سے علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ تفسیر عطا ہوئی، اس مبدءِ فیاض سے وہ قیامت تک اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتے رہیں گے۔

تو میرے شیخ کے علوم کے ساتھ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی تائید دیکھیے۔ فرماتے ہیں اِنَّكَ الْوَهَّابُ معرضِ تعلیل میں ہے اَیْ لِاَنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ سارا عالم آپ سے ہبہ اس لیے مانگتا ہے کہ آپ بہت بڑے داتا ہیں، ہم فقیروں کا بہت بڑے داتا سے پالا پڑا ہے تو اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ میں اللہ تعالیٰ نے ہبہ مانگنے کے حکم کی علت بیان فرمائی کہ تم ہبہ مانگنے سے گھبراؤ مت کیوں کہ میں بہت بڑا وہاب ہوں، اِنَّكَ خالی خبر نہیں معنی میں لِاَنَّكَ کے ہے یعنی ہم آپ سے ہبہ اس لیے مانگتے ہیں کیوں کہ آپ بہت بڑے داتا ہیں۔

آیت نمبر ۱۵

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ [۱۱۲]

---

[۱۱۲] اٰل عمرٰن:۳۱

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، بڑے عنایت فرمانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا راستہ اتباعِ رسول ہے

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! آپ اپنی امت سے فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا طریقہ یہ ہے کہ میری اتباع کرو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلو۔ اس پر ایک بات عرض کرتا ہوں کہ جتنا قدم قیمتی ہوتا ہے اتنا ہی قیمتی نقشِ قدم ہوتا ہے اور پوری کائنات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک سے بڑھ کر کسی مخلوق کا قدم نہیں ہے اس لیے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو یعنی جس اللہ سے محبت کرنی ہے وہ قرآن میں آیت نازل فرما رہے ہیں اور اپنے محبوب سے کہلوا رہے ہیں کہ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ میری اتباع کرو یعنی جو بات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں عطا فرمائیں اس کو سر آنکھوں پر رکھ لو اور جس بات سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں اس سے بچ جاؤ۔ جس شخص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادِ مبارک میں اور اللہ تعالیٰ کے اِرشادِ مبارک میں فرق کیا اس نے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ مبارک کی قدر نہ کی کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ میرے رسول تم کو جو احکام عطا فرما رہے ہیں اُن کو سر آنکھوں پر رکھ لو وَمَا نَھٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَھُوۡا[۱۱۳] اور جس بات سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں اُس سے رُک جاؤ۔ قرآن پاک کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بیان کر دیا کہ جن باتوں کا ہم نے حکم دیا ہے اُن کو بھی کرو اور جن باتوں کا حکم ہمارا رسول دے اُن کو بھی کرو اور جن چیزوں سے ہم نے منع کیا ہے ان سے بھی رُکو اور جن چیزوں سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منع کرتے ہیں ان سے بھی رُکو، خبر دار! میرے احکام میں اور میرے رسول کے احکام میں فرق نہ کرنا کیوں کہ میرے نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، وہ میرے ہی فرمان کے ناقل اور میرے ہی

۱۱۳؎ الحشر: ۷

فرمان کے سفیر ہیں، ان کا فرمان میرا ہی فرمان ہے، جس چیز کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلتا ہے۔

محبت کی دو قسمیں

معلوم ہوا کہ ہر محبت اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ محبت کی دو قسمیں ہیں: ایک محبت مقبول اور ایک محبت مردود یعنی غیر مقبول جیسے عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل پڑھے، بخاری شریف کی حدیث میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بھئی! ہمیں تو اللہ میاں سے محبت کرنی ہے اور وہ اخلاص کے ساتھ دروازے بند کر کے نفلیں پڑھے اور اخلاص بھی اتنا کہ اسے نہ بیوی بچے دیکھ رہے ہیں، نہ کوئی مخلوق دیکھ رہی ہے، خالص اللہ کے لیے نفلیں پڑھ رہا ہے مگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے نہ اس کا اخلاص قبول نہ اس کے نفل قبول لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ پاک کی محبت اتباعِ سنّت کے ذریعہ ملتی ہے۔

عشقِ رسول کی بنیاد اتباعِ رسول ہے

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں یہی بات تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنّت پر فدا تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے، کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے، آپ نے ان کے لیے ارشاد فرمایا اِجْلِسُوْا یعنی بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے لیے محدثِ عظیم ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے اَفْضَلُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ یعنی خلفائے راشدین کے بعد سب سے افضل صحابی تھے وَكَانَ يُشْبِهُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[۱۱۴] اور اپنی صورت کے اعتبار سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک سے بہت مشابہ تھے تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا تو وہیں مسجد کے دروازے پر جوتوں میں بیٹھ گئے، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا اور فرمایا: عبد اللہ بن مسعود! اندر آجاؤ۔ محدثین لکھتے ہیں:

---

[۱۱۴] مرقاۃ المفاتیح: ۲۸۶/۱، باب الکبائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی انتہائی قدر اور نگاہِ رسالت میں انتہائی شانِ محبوبیت کی علامت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوارا نہیں ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود جوتوں میں بیٹھ جائیں لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود کی اتباع دیکھیے کہ انہوں نے اگر مگر نہیں لگایا، جو اگر مگر لگاتا ہے وہ عاشق نہیں ہوتا۔ ایک اللہ والے بزرگ فرماتے ہیں ؎

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر ہے
بس اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

آیت نمبر ۱۶

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾[۱۱۵]

ترجمہ: اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے بدر میں تم کو منصور فرمایا حالاں کہ تم بے سروسامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکر گزار رہو۔

اصلی شکر کیا ہے؟

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اللہ نے جنگِ بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالاں کہ تم کمزور تھے تو اس کا شکریہ کیا ہے؟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ پس تقویٰ سے رہو، گناہ سے بچو تاکہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔ معلوم ہوا کہ صرف زبانی شکر کافی نہیں، زبان سے کہنا کہ اللہ! تیرا شکر ہے اور آنکھوں سے بد نظری کرنا یہ حقیقی شکر نہیں، زبان سے بھی شکر ادا کرو اور عمل سے بھی شکر ادا کرو۔ شکرِ لسانی سنّت ہے اور شکرِ عملی یعنی تقویٰ فرض ہے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ سے معلوم ہوا کہ شکر گزاری کے لیے تقویٰ ضروری ہے۔ دیکھیے اگر کسی کا بیٹا زبان سے ہر وقت باپ کا شکریہ ادا کرتا ہے لیکن باپ کی بات نہیں مانتا تو کیا باپ کا دل خوش ہوگا؟ لہٰذا اصلی شکر گزاری تقویٰ ہے۔

۱۱۵؎ اٰل عمرٰن: ۱۲۳

آیت نمبر ۱۷

وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾[۱۱۶]

ترجمہ: اور غصے کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اپنے خاص بندوں کی تین علامتیں بیان کی ہیں: ۱) جو لوگ کہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔ ۲) ہمارے بندوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں اور ۳) صرف معاف ہی نہیں کرتے بلکہ ان پر کچھ احسان بھی کر دیتے ہیں تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انسان کی ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ان آیات میں بیان فرمایا ہے۔ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بندے جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ کے معنی ہیں اَلَّذِیۡنَ یَکۡظِمُوۡنَ الۡغَیۡظَ اسمِ فاعل پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو معنی میں اسمِ موصول کے ہو جاتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ لوگ جو غصہ کو ضبط کر لیتے ہیں۔ غصہ آنا بُرا نہیں ہے غصہ کا بے جا استعمال برا ہے۔ اگر غصہ کا مادہ بُرا ہوتا تو قرآن میں وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ کے بجائے العَادِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ نازل ہوتا۔ جس کے معنی ہوتے کہ وہ لوگ جو غصہ کو معدوم و مفقود و فنا کر دیتے ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے العَادِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ نازل نہیں فرمایا اس لیے کہ غصہ کا عدم مراد نہیں ہے اگر غصہ معدوم ہو جائے تو کفار سے مقابلہ کے وقت جہاد کیسے کرے گا؟ غصہ رہے، وہ تو اللہ نے رکھا ہے لیکن غصہ کے موقع پر اس کا استعمال کرے، مثلاً جہاد ہو رہا ہے اب خدا کے دشمنوں کے خلاف غصہ استعمال کرو، اس وقت اگر کوئی کہے کہ یہ حقیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے تو اس وقت یہ تواضع حرام ہے بلکہ اس وقت تو کہو ھَلۡ مِنۡ مُّبَارِزٍ ہے کوئی جو میرے مقابلے میں آئے، لیکن غصہ جب اپنے نفس کے لیے ہو اس وقت کے لیے ہے وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ یہ ہیں مردانِ خدا جو غصہ کو پی جاتے ہیں، ضبط کر لیتے ہیں۔

---

[۱۱۶] اٰل عمران: ۱۳۴

حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رذائل کا اِزالہ مقصود نہیں اِمالہ مقصود ہے یعنی رذائل کو زائل نہیں کیا جاسکتا ان کا رخ پھیرا جاسکتا ہے مثلاً کسی کے اندر غصہ کا مادہ زیادہ ہے، اصلاح سے پہلے اپنے نفس کے لیے کیا کرتا تھا کسی نے بُرا کہہ دیا بس آپے سے باہر ہو گیا، کسی سے کوئی تکلیف پہنچی اس پر صبر نہ کیا اور غصہ نافذ کر دیا۔ لیکن اصلاح کے بعد اسی غصہ کا رخ بدل گیا، اب اللہ کی نافرمانی پر غصہ آتا ہے، خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے بغض رکھتا ہے، نفس اگر گناہ کا تقاضا کرتا ہے تو اپنے نفس پر غصہ نافذ کرتا ہے کہ ہرگز تجھے گناہ نہیں کرنے دوں گا۔ غصہ تو ہے لیکن اب امالہ ہو گیا، رخ بدل گیا جو محمود اور پسندیدہ ہے۔

اور کَظْمٌ کے کیا معنی ہیں۔ عرب کے لوگ کَظْمٌ کا استعمال کہاں کرتے تھے؟ قرآن چوں کہ محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے لہٰذا علامہ آلوسی سید محمود بغدادی مفتیٔ بغداد نے تفسیر روح المعانی میں عربوں کا محاورہ نقل کیا ہے تاکہ قرآن صحیح سمجھ میں آجائے، فرماتے ہیں کہ کَظْمٌ عرب کی لغت میں اس وقت بولتے تھے جب مشک بھر کر پانی اُبلنے لگتا تھا تو عرب کے لوگ رسی سے اس کا منہ باندھ دیتے تھے۔ لہٰذا کَظْمٌ کے معنی ہیں شَدُّ رَأْسِ الْقِرْبَةِ عِنْدَ امْتِلَآءِهَا مشک کا منہ باندھ دینا جب پانی بھر کر اس کے منہ سے نکلنے لگے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ کہ جب تم کو غصہ آجائے اور تمہارے جسم کی مشک کے منہ سے غصہ میں اول فول گالی گلوچ یا کوئی انتقامی جذباتی اور مضر بات نہ نکل جائے، اس وقت جلدی سے کَظْمٌ کی رسی سے منہ کو باندھ دو اور غصہ کو ضبط کر لو، اسی کا نام ہے کَظْمُ غَیْظٍ۔

اچھا غیظ اور غضب میں کیا فرق ہے؟ جیسے دفتر والے کہتے ہیں کہ آج صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے غیظ و غضب میں بیٹھے ہوئے ہیں شاید بیوی سے کچھ ناچاقی ہو گئی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے غیظ و غضب کا فرق بیان کیا ہے۔ غیظ کے معنی ہیں کہ غصہ آئے اور انسان اس کو ضبط کر لے۔ غیظ میں آدمی اندر اندر گھٹتا رہتا ہے اور غضب کے ساتھ ارادہ انتقام کا ہوتا ہے اس لیے غیظ کا استعمال مخلوق کے لیے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف غیظ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔ یعنی ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچو لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کے غیظ سے بچو، غیظ کا لفظ صرف مخلوق کے لیے خاص ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت کرنا درست نہیں۔ اور غضب کا استعمال مشترک ہے خالق کے لیے بھی اور مخلوق کے لیے بھی، یعنی غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور مخلوق کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔[۷۱]

---

[۷۱] روح المعانی: ۵۸/۴، اٰل عمرٰن (۱۳۴)، دار احیاء التراث، بیروت

حضرت صدیق اکبر اپنے ایک عزیز سے ناراض ہوگئے اور فرمایا: خدا کی قسم! اب میں ان پر کبھی احسان نہ کروں گا اور جن سے ناراض ہوئے وہ جنگِ بدر لڑے ہوئے تھے، اصحابِ بدر، جنگِ بدر کی برکت سے اللہ کے یہاں مقبول ہوگئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش فرمائی:

اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ[۱۱۸]

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جس کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اے صدیق! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرا بدری صحابی جس نے جنگِ بدر لڑی ہے تم اس کی خطا معاف کردو اور میں قیامت کے دن تمہیں معاف کردوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے اپنی قسم توڑ دی اور اس کا کفارہ ادا کیا اور دوسری قسم اُٹھائی کہ وَاللّٰهِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِیْ[۱۱۹] اللہ کی قسم! میں محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کردے اور میں اپنے عزیز کی خطا کو معاف کرتا ہوں اور فرمایا کہ اب میں پہلے سے بھی زیادہ ان پر احسان کروں گا، یہ ہے وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو لوگوں کی خطاؤں کو معاف کردیتے ہیں اور اس کے بعد وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ہے کہ معاف کرنے کے بعد اس پر کچھ احسان بھی کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کی تائید میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے علی بن حسین کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کی باندی ان کو وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ہاتھ سے گر گیا اور ان کا سر زخمی ہوگیا، انہوں نے تیز نظر سے خادمہ کو دیکھا، وہ حافظۂ قرآن تھی، فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ فرمایا قَدْ كَظَمْتُ غَيْظِیْ میں نے اپنا غصہ پی لیا، اللہ کا فرمان سنتے ہی مان لیا، یہ نہیں سوچا کہ خادمہ کے منہ سے نکل رہا ہے۔ کسی کے منہ سے بھی نکلے، ہے تو خدا کا فرمان، چھوٹوں کے منہ سے بڑوں کی بات جب نکلتی ہے تو چھوٹوں کو مت دیکھو، ان کے منہ سے بڑوں کی جو بات نکل رہی ہے اس کی قدر کرو۔ لہٰذا فرمایا کہ میں نے غصہ پی لیا۔ اس کے بعد باندی نے یہ آیت تلاوت کر دی وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ اور جو لوگوں کو معاف کردیتے ہیں۔ فرمایا: قَدْ عَفَوْتُ عَنْكِ میں نے تیری خطا معاف کردی۔ اس کے بعد اس نے کہا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ

---

۱۱۸ النور: ۲۲

۱۱۹ صحیح البخاری: ۲/۷۰۰ (۴۷۶۸)، باب قولہ لولا اذ سمعتموہ قلتم ما یکون لنا، ذکرہ بلفظ انا لنحب ان تغفر لنا، المکتبۃ المظہریۃ

محبوب رکھتے ہیں۔ فرمایا: جا میں نے اللہ کے لیے تجھے آزاد بھی کر دیا۔[۱۲۰]

بس غصہ کو پی جانا ایک بہت بڑا مجاہدہ ہے کیوں کہ غصہ آگ ہے اس کو روکنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے اس لیے اس پر اجر بھی عظیم ہے اور مجاہدہ کے بقدر مشاہدہ ہوتا ہے، بعض لوگوں کو اس مجاہدہ کی بدولت بڑی کرامت حاصل ہوگئی۔

غصہ کے وقت آدمی بالکل شیطان ہوجاتا ہے کیوں کہ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور حدیث میں ہے کہ غصہ بھی آگ سے پیدا ہوتا ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی: جلد ۱، صفحہ ۹۵ پر حدیث نقل کرتے ہیں:

اِتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ تَتَوَقَّدُ فِیْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ

غصہ سے بچو کیوں کہ یہ آگ کا شعلہ ہے جو ابن آدم کے دل میں سلگتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دلیلیں بیان فرمائیں کہ غصہ کا مادہ اور اس کے اجزاء آگ سے بنے ہیں:

اَلَا تَرَوْنَ اِلٰی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةِ عَیْنَیْهِ[۱۲۱]

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جس پر غصہ چڑھتا ہے اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں لال ہو جاتی ہیں، آنکھیں بتاتی ہیں کہ اندر آگ ہے، آگ جل جائے تو شیشہ کے باہر سے لال لال آگ نظر آتی ہے۔ آنکھیں شیشہ ہیں یہ بتاتی ہیں کہ دل میں آگ لگی ہوئی ہے اور دوسری دلیل اِنْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ بیان فرمائی یعنی اس کی گردن کی رگیں بھی پھول جاتی ہیں۔ تو غصّے میں گویا آدمی شیطان ہوجاتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے۔ اور غصّہ میں دل میں آگ لگ جاتی ہے۔

مختصر سا علاج عرض کرتا ہوں کہ جب غصّہ آجائے تو فوراً اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھیں لیکن ذرا دائیں بائیں بھی دیکھ لیں کیوں کہ آج کل عجیب معاملہ ہے کہ اگر کسی شخص پر غصّہ چڑھا اور آپ نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ تو بعض آدمی لڑنے مرنے کو تیار ہوجاتا ہے، کہتا ہے کہ اچھا آپ نے مجھے شیطان بنا دیا۔ حالاں کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ میں تو اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت طلب کی جارہی ہے شیطان کے شر سے لیکن جہالت کا کیا علاج ہے۔

---

[۱۲۰] روح المعانی: ۱۵۸/۴ اٰل عمران (۱۳۴)، دار احیاء التراث، بیروت

[۱۲۱] مسند احمد: ۱۹/۳، کنز العمال: ۹۲۲/۱۵ (۴۳۵۸۷)، مؤسسۃ الرسالۃ

آیت نمبر ۱۸

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللہُ ۠ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ [۱۳۲]

ترجمہ: اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والے

آج کا جو مضمون ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم ہو جائے وہ اس سے جا کر معافی مانگ لے، پیر پکڑ لے کہ بھئی! ہم کو معاف کر دیجیے۔ اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ہم کو پکڑ نہ لے۔ ہم کو معاف کر دیجیے اور ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیں معاف کر دے کیوں کہ اولیاء اللہ کے حالات میں ہے کہ اگر انہوں نے اپنے ستانے والے کو معاف بھی کر دیا مگر پھر بھی وہ اللہ کے انتقام اور غضب سے نہ بچا۔ تو جس سے معافی مانگو اس سے یہ بھی کہو کہ اللہ تعالیٰ سے بھی میری معافی کرا دو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی معافی کا واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تھا، باپ نے بھی معاف کر دیا تھا لیکن

---

[۱۳۲] اٰل عمرٰن: ۱۳۵

بیٹوں نے کہا کہ ابّا جان! آپ نے اور بھائی یوسف نے تو معاف کر دیا لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا تو کیا ہو گا؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے بھی ہماری معافی کرا دیجیے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کئی دن تک روتے رہے اور اللہ سے اپنے بیٹوں کے لیے معافی طلب کرتے رہے یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام آگئے۔ انہوں نے کہا کہ یعقوب (علیہ السلام) مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیٹوں کو معاف کر دیا جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا تھا۔ لیکن کیسے معاف کیا؟ تفسیر روح المعانی (روح المعانی: ۵۶/۱۳) میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے فرمایا کہ سب سے پہلے میں کھڑا ہوتا ہوں، میرے پیچھے آپ کھڑے ہوں، آپ کے پیچھے یوسف علیہ السلام پھر ان کے پیچھے سب بھائی کھڑے ہوں اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیے۔ دیکھو یہ جبرئیل علیہ السلام کی لائی ہوئی دعا ہے، آسمانی دعا ہے:

يَا رَجَآءَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَقْطَعْ رَجَآئَنَا

اے ایمان والوں کی امید! آپ ہماری امیدوں کو نہ کاٹیے یعنی ہم کو مایوس نہ کیجیے۔

يَا غِيَاثَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَغِثْنَا

اے ایمان والوں کی فریاد سننے والے! ہماری فریاد سن لیجیے۔

يَا مُعِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِنَّا

اے ایمان والوں کی مدد کرنے والے! ہماری مدد کیجیے۔

يَا مُحِبَّ التَّوَّابِيْنَ تُبْ عَلَيْنَا[۱۲۳]

اے توبہ کرنے والوں کو محبوب اور پیارا بنانے والے! ہماری توبہ قبول فرمالے، ہم پر مہربانی کر دے۔ قرآنِ پاک کی آیت بھی ہے کہ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو اپنا محبوب بنالیتے ہیں۔

اس کے بعد وحی سے اللہ تعالیٰ نے تسلی کر دی کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو معاف کر دیا۔ یہ تکوینی راز ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی ندامت بھی دور کر دی اور وحی نازل ہوئی۔ اگر کنویں میں گرائے جانے کا یہ واقعہ نہ پیش آتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو معراج نہ نصیب ہوتی۔ علامہ

۱۲۳؎ روح المعانی: ۵۶/۱۳، یوسف (۹۹)، دار احیاء التراث، بیروت

آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام وہاں پہلے ہی سے ہاتھ کھولے کھڑے تھے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فوراً اپنی آغوشِ محبت میں لے لیا۔

بعض وقت اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ایسی راہوں سے پیار دیتے ہیں جو بظاہر بہت خوں ریز نظر آتی ہیں۔ اس راہ میں بعض اوقات ایسے مصائب آتے ہیں کہ دل لرز جاتا ہے کہ اس مصیبت کا کیا انجام ہو گا مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کسی مصیبت کو رائیگاں نہیں جانے دیتے بشرطیکہ ان سے رجوع رہے، مرکز نہ چھوڑے چاہے مر جائے مگر مرکز نہ چھوڑے، آخری سانس تک اللہ سے لپٹا رہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و وعید کو یاد کرنے والے

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اگر کسی اللہ والے سے کبھی کوئی خطا ہو بھی جائے تو اس خطا کی تلافی وہ کیسے کرتے ہیں، پھر کیا کیفیت ہوتی ہے ان عاشقوں کی۔ گناہ کے بعد ان کی علامتِ مقبولیت کیا ہے ذَكَرُوا اللّٰهَ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ کی یاد کے یہاں کیا معنیٰ ہیں؟ یہاں ذکر اللہ کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اللہ کے حقوق میں کوتاہی کر کے یا بندوں کا حق مار کے ہاتھ میں تسبیح لے کر سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھنے لگتے ہیں۔ اس کی پانچ تفسیریں ہیں۔ پہلی تفسیر ہے:

ذَكَرُوا اللّٰهَ اَیْ ذَكَرُوْا عَظْمَتَهٗ وَوَعِيْدَهٗ

اللہ تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرتے ہیں کہ بہت بڑے مالک اور بڑی طاقت والے مالک کو میں نے ناراض کر کے اپنے پیر پر کلہاڑی ماری ہے، اگر خدا نے کینسر پیدا کر دیا تو کہاں جاؤں گا یا ہارٹ فیل کر دیا تو اس خبیث حالت میں موت آجائے گی۔ مگر یہ عقل بھی اُسی کو آتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو، گدھوں کو یہ عقل نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے جب کوئی خطا ہو جاتی ہے تو ذَكَرُوْا عَظْمَتَهٗ اللہ کی عظمت کو یاد کرتے ہیں وَوَعِيْدَهٗ اور اس کی وعید اور عذاب کو یاد کرتے ہیں کہ اتنے عظیم مالک نے اگر عذاب دیا تو کہاں پناہ ملے گی۔ عَظْمَتَهٗ اور وَعِيْدَهٗ کی ایک ہی تفسیر ہے، جب عظمت ہوتی ہے تب ہی اس کی وعید بھی عظیم معلوم ہوتی ہے۔ اگر عظمت نہ ہو تو اس کی وعید سے بھی نہیں ڈرتا مثلاً ایک آدمی مر رہا ہے، چارپائی پر لیٹا ہے، ٹی بی میں مبتلا ہے، وہ اگر کسی کو دھمکاتا ہے کہ تجھے ڈنڈے ماروں گا تو دوسرا کہتا ہے کہ ابے تو کیا

کر لے گا؟ اُٹھے گا تو چکر کھا کر گر پڑے گا۔ لہٰذا جس کے دل میں اللہ کی عظمت ہوتی ہے وہی اس کے عذاب سے ڈرتا ہے اور جتنی سزائیں ہیں جہنم وغیرہ کی سب کو سوچتا ہے کہ میرا کیا حال ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی پیشی کو یاد رکھنے والے

ایک تفسیر ہوگئی اور دوسری تفسیر ہے:

وَ ذَکَرُوا الْعَرْضَ عَلَیْہِ تَعَالٰی شَانُہٗ

اور اللہ کے حضور اپنی پیشی کو یاد کرتا ہے کہ اللہ کے سامنے پیش ہوکر جواب دینا ہے۔ دو تفسیریں ہوگئیں۔

قیامت کے دن کے حساب کو یاد رکھنے والے

اب تیسری تفسیر پیش کرتا ہوں:

ذَکَرُوْا سُؤَالَہٗ بِذُنُبِھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

قیامت کے دن کے سوالات کو یاد کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کے متعلق پوچھیں گے کہ تم نے فلاں کو بری نظر سے کیوں دیکھا تھا؟ تم کو زندگی میں نے کس لیے دی تھی؟ جوانی کس لیے دی تھی؟ تم نے مقطع صورت میں کون سا کام کیا؟ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں تم نے ننگِ یزید کام کیوں کیا؟ پس اللہ کے حساب سے ڈر کر اللہ سے معافی مانگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے ڈرنے والے

اور چوتھی تفسیر ہے:

ذَکَرُوْا جَلَالَہٗ فَھَابُوْا

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو یاد کرتا ہے کہ جس نے شیر پیدا کیا کہ اگر شیر دھاڑ دے تو آدمی ڈر کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑے چاہے شیر کٹہرے میں بند ہو حالاں کہ جانتا ہے کہ شیر باہر نہیں آسکتا مگر پھر بھی آواز سے بے ہوش ہوجائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اللہ کی جلالت شان کو یاد کرکے ڈر جاتے ہیں کہ جب اس کی ادنیٰ مخلوق کا یہ حال ہے تو جو شیر کا خالق ہے اس کے جلال کا کیا عالم ہوگا۔

آیت فَدَمۡدَمَ عَلَیۡہِمۡ...الخ کی تفسیر

اللہ نے نافرمان قوموں کی نافرمانیوں کے بدلے میں جب عذاب نازل کیا تو اللہ کے عذاب میں کیا طاقت ہے؟ فَدَمۡدَمَ عَلَیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِذَنۡۢبِہِمۡ فَسَوّٰىہَا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان نافرمانوں کے گناہ کے سبب ان پر ہلاکت نازل فرمائی پھر ان کو برابر کر دیا یعنی اس ہلاکت کو پوری قوم کے لیے عام کر دیا کہ کوئی بھی بچنے نہ پایا اور ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میں نے آج دشمن کو برابر کر دیا یعنی ایسا تباہ و برباد کیا کہ اس کا وجود بھی باقی نہیں رہا۔ جن کو اپنی قوت پر ناز تھا آج ان کا اور ان کی بڑی بڑی عمارتوں کا کہیں نشان تک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک ایسی شان نازل کی جو پوری کائنات میں کسی بھی عظیم الشان مملکت والے، بڑے سے بڑے بادشاہ کو چاہے وہ پوری دنیا کا مطلق العنان بادشاہ ہو حاصل نہیں، وہ صرف اللہ کے لیے خاص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب نازل کرنے کی طاقت کے ذیل میں بیان فرمارہے ہیں کہ جس قوم پر اس کے گناہ کے سبب ہم نے عذاب نازل کیا اور اس کا نام و نشان مٹا دیا تو دنیوی بادشاہ تو کسی قوم کو سزا دے کر ڈرتے رہتے ہیں لیکن ہماری کیا شان ہے؟ فرماتے ہیں وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰہَا[۱۲۴] اور اللہ تعالیٰ کو عذاب نازل کرنے کے بعد اس کے ردِ عمل، ری ایکشن اور انتقام کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس دنیا میں کوئی بادشاہ کسی قوم یا کسی صوبہ پر انتقام نازل کر دے، بمباری کرادے تو بعد میں ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں کوئی مجھ سے انتقام نہ لے۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دیکھ لو ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں، نیندیں اُڑی ہوئی ہیں کہ کہیں کوئی قوم ہم سے انتقام نہ لے اور ہمارا کام تمام کر دے۔ یہ چار تفسیریں ہو گئیں۔

جمالِ الٰہی کو یاد کر کے گناہوں پر نادم ہونے والے

پانچویں تفسیر ہے:

ذَکَرُوۡا جَمَالَہٗ فَاسۡتَحۡیَوۡا[۱۲۵]

اللہ کے جمال کو یاد کرتے ہیں پھر شرما جاتے ہیں کہ میں نے کہاں ان فانی چیزوں سے دل لگایا۔ جو سارے عالم کی لیلاؤں کو نمک دیتا ہے وہ خود کتنا پیارا ہو گا۔ قیامت کے دن جنّت میں جب وہ پیارا نظر آئے گا، اللہ اپنا دیدار

---

۱۲۴ الشمس: ۱۴-۱۵

۱۲۵ روح المعانی: ۶۰/۴، اٰل عمرٰن (۱۳۵)، دار احیاء التراث، بیروت

کرائے گا تو واللہ! کہتا ہوں کہ دنیا ہی نہیں جنّت کے بھی پیارے یاد نہیں آئیں گے۔ اللہ ایسا پیارا ہے کہ جنّت کی پیاری حوریں بھی یاد نہیں آئیں گی۔ مجنوں کو لیلیٰ بھی یاد نہیں آئے گی۔ خالقِ لیلیٰ کا نور اور چمک دمک بے مثال اور بعید از خیال ہے۔ سارے عالم کا نمک، سارے عالم کا حسن اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ[۱۳۶] اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ ایک ذرّہ نمک پر پاگل ہونے والو! اس اللہ پر کیوں نہیں مرتے جس کے لیے نمک کے سمندر اور پہاڑ اور سرچشمہ کی مثال بھی صحیح نہیں ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد جنّت بھی یاد نہیں آئے گی، جب تک اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا جنّت کا تصور بھی نہیں آ سکتا ؎

ترے جلوؤں کے آگے ہمّتِ شرح وبیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

دیدارِ الٰہی کے بعد جب جنّتی واپس ہوں گے تو حوریں بھی کہیں گی کہ میاں! آپ کے چہرے پر آج بڑی چمک ہے اور عجیب وغریب نمک ہے۔ کہاں سے آ رہے ہیں آپ؟ وہ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے جلوے اور تجلی دیکھ کر آئے ہیں، ان کی تجلی ہمارے چہروں میں نفوذ کر گئی ہے۔ یہ انعام ہے کہ انہوں نے دنیا میں اللہ کی راہ کے غم اُٹھائے ہیں۔ جو چاہتا ہے کہ بغیر غم اُٹھائے جنّت مل جائے وہ نادان ہے۔ ارے! زندگی کو قیمتی بنالو اختر روتے روتے اب مرنے کے قریب آ چکا ہے۔ میری آہ وفغاں کب تک سنو گے، کب تک اپنی زندگی میں تبدیلی نہ لاؤ گے؟ کیا اللہ والا بننے میں آپ کو فائدہ نظر نہیں آتا؟ ناچ گانے اور مردہ جسموں پر مرنے والو! میں نے ایسے ظالموں کو بھی دیکھا ہے جن کی جوانی حسن پرستی میں گزری لیکن ان ہی حسینوں کا جب حسن بگڑ گیا تو بگڑی ہوئی شکل کو دیکھ کر وہاں سے بھاگے اور مرنڈا تو کیا دیتے اپنی عاشقی پر خون کے آنسو رونے لگے کہ میری زندگی غارت گئی۔ مگر کیا کروں تم بھی مفقود العقل ہو۔ تمہیں بھی تو ان غارت گروں اور ستم گروں سے بھاگنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ جب جانتے ہو کہ غارت گر ہیں، ستم گر ہیں تو کیوں ان سے دل لگاتے ہو، ان سے نظر بچا کر تڑپنا اللہ کو پسند ہے ؎

تمام عمر تڑپنا ہے موجِ مضطر کو
کہ اس کا رقص پسند آگیا سمندر کو

اللہ تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ میرے بندے ان پُرکشش چہروں سے نظر بچا کر اپنے دل کو تڑپائیں، تڑپتے رہیں

۱۳۶؎ الشوریٰ:۱۱

لیکن قصداً ان کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سمندر قلب کی اس موجِ مضطر کو پیار کرتا ہے، درجاتِ عالیہ دیتا ہے، دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس میں تجلّیٔ طور بھر دیتا ہے۔ اب اس سے زیادہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، آمین۔

آیت نمبر ۱۹

اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ ؕ وَ تِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ[۱۲۷]

ترجمہ: اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایّام کو ان لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

شہادت کے رُموز و اسرار

دل میں ایک خیال آتا تھا کہ جنگِ اُحد میں ستّر صحابہ شہید ہوگئے، مسلمانوں کو شکست ہوئی اور کافروں کو ہنسنے کا موقع ملا اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو کافر ہرگز غالب نہیں آسکتے تھے۔ اس راز کی تلاش تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں مدد نہ فرمائی جو روح المعانی میں مل گیا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنۡ یَّمۡسَسۡکُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُہٗ اے صحابہ! اگر تم کو زخم لگا ہے تو تمہاری مدمقابل اس کافر قوم کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ اگر آج تمہارے ستّر شہید ہوئے تو جنگِ بدر میں کافروں کے بھی ستّر آدمی مارے گئے ہیں۔ لہٰذا تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو، تم گھاٹے میں

---

[۱۲۷] اٰل عمرٰن: ۱۴۰

نہیں ہو۔ وہ لوگ کفر پر مرنے سے جہنم میں گئے اور تمہارے ساتھی شہید ہو کر جنّت میں داخل ہوئے۔ جو کفر پر مرتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جو شہید ہوتا ہے اس کا قطرۂ خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کا حوروں سے نکاح ہو جاتا ہے اور شہید کو کچھ تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہید کو بس اتنی تکلیف ہوتی ہے جیسے کوئی چیونٹی کاٹ لے۔

اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ آگے فرماتے ہیں: وَ تِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ہم ان دِنوں کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں یعنی کبھی ایک قوم کو غالب کر دیا اور دوسری کو مغلوب کر دیا اور کبھی اس کے برعکس کر دیا اور دِنوں کو اس طرح بدلنے میں بڑی حکمتیں ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر صحابہ ہمیشہ فاتح رہتے اور ان کو کبھی شکست نہ ہوتی تو پھر ایک بھی کافر نہ رہتا فَاِنَّ الۡكُفَّارَ یَدۡخُلُوۡنَ فِی الۡاِسۡلَامِ عَلٰی سَبِیۡلِ الۡیُمۡنِ وَ التَّفَآؤُلِ[۱۲۸] تو کفّار سب کے سب صرف برکت اور نیک شگونی کے طور پر اسلام میں داخل ہو جاتے کہ یہ بہت کامیاب اور مبارک قوم ہے جس کو ہمیشہ فتح حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے لیے اخلاص سے اسلام قبول نہ کرتے جیسے الیکشن کے زمانے میں بعض سیاسی لوگ ہوا کا رُخ دیکھتے ہیں کہ کون سیاسی جماعت جیتے گی تو جیتنے والی جماعت میں صرف کرسی کے لیے داخل ہو جاتے ہیں، ان کے سامنے کوئی نیک مقصد نہیں ہوتا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ وَ تِلۡكَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ کی ایک حکمت تحریر فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ صرف مخلصین، اللہ کے عاشقین اسلام میں داخل ہوں، دنیوی کامیابی اور فتح چاہنے والے غیر مخلصین سے اسلام کا دامن پاک رہے۔

آگے اللہ تعالیٰ شہادت کا راز بیان فرمارہے ہیں کہ صحابہ کو ہم نے شہادت کیوں دی ہے، ہمیں تو ان کے ایمان و یقین کا علم تھا ہی وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تاکہ میرا علم جو مخلوق پر مخفی تھا وہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ کے عاشق ایسے ہوتے ہیں کہ جان دے دیتے ہیں، خونِ شہادت قبول کر لیتے ہیں مگر اللہ کو نہیں چھوڑتے کیوں کہ مصیبت کے وقت ہی امتحان ہوتا ہے اور امتحان کے وقت مخلص اور منافق کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ مخلص اللہ پر جان دے دیتا ہے اور منافق اللہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰهُ کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں بین القوسین یہ الفاظ بڑھا دیے (تاکہ ظاہری طور پر) بھی اللہ کا علم مخلوق پر ظاہر ہو جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی، حال و مستقبل پر

۱۲۸؎ روح المعانی: ۶۹/۴، اٰل عمرٰن (۱۴۰)، دار احیاء التراث، بیروت

محیط ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے کمالِ ایمان ویقین وعشق ومحبت کا تو علم تھا ہی لیکن اپنے علمِ مخفی کو مخلوق پر ظاہر کرنا تھا اور اپنے عاشقوں کا ساری کائنات میں ڈنکا پٹوانا تھا کہ میرے عاشق ایسے ہوتے ہیں جو مجھ پر اپنی جانوں کو فدا کر دیتے ہیں۔

جان دے دی میں نے ان کے نام پر
عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

اور صحابہ کے خونِ شہادت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کی تاریخ لکھوا دی جس عظمت کو لکھنے سے سات سمندر اور اس سمندروں کے مثل اور ساری دنیا کے درختوں کے قلم قاصر تھے اور اُحد کے دامن میں ستر شہیدوں کے جسم مبارک سے بزبانِ حال یہ اشعار نشر ہو رہے تھے۔

ان کے کوچے سے لے چل جنازہ مرا
جان دی میں نے جن کی خوشی کے لیے

ستّر شہیدوں کے جنازوں کی نماز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی جن کا جنازہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پڑھائیں اس سے بڑی اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُھَدَآءَ جنگِ اُحد میں یہ جو شہادت ہوئی ہے یہ میرا انتظام تھا کہ تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔

حسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یوں ہی نام ہوتا ہے

یہ میرا انتظام تھا کہ منعم علیہم کے ایک طبقہ کو وجود بخشنا تھا کیوں کہ بغیر منعم علیہم کے انسان صراطِ مستقیم نہیں پا سکتا تھا لہٰذا منعم علیہم کے چار طبقے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے:

مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ [۱۲۹]

نبیّین، صدیقین اور صالحین کو تو اُمت نے دیکھ لیا تھا لیکن اگر شہید نہ ہوتے تو منعم علیہم کا ایک اہم طبقہ وجود میں نہ آتا اور کفار قرآنِ پاک کی صداقت پر اعتراض کرتے کہ شہداء کا وہ طبقہ منعم علیہم کہاں ہے جس کا قرآنِ پاک میں اعلان کیا گیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے شہادت دے کر اس طبقہ کا وعدہ پورا کر دیا۔ علامہ آلوسی

۱۲۹؎ النسآء: ۶۹

رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب اونٹوں پر شہیدوں کی لاشیں آرہی تھیں تو مدینہ کی خواتین صحابیات پوچھتی تھیں کہ یہ کس کی لاشیں ہیں؟ جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ شہداء کی لاشیں ہیں تو ان کے منہ سے نکل گیا وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ الشُّھَدَآءَ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس امت میں شہید بھی پیدا کردے، اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ جملہ پسند فرمایا اور قرآن پاک میں نازل فرمادیا لیکن الشُّھَدَآءَ سے الف لام تخصیص کا ہٹادیا اور آیت یوں نازل فرمائی وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُھَدَآءَ، شُھَدَآءَ نکرہ نازل کیا کیوں کہ اگر الشُّھَدَآء نازل ہوتا تو پھر صرف اُحد کے شہید ہی شہید کہلاتے، شہادت کے لیے وہی خاص ہوجاتے کیوں کہ الف لام تخصیص کے لیے آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو قیامت تک شہادت کا دروازہ کھولنا تھا اس لیے شُھَدَآءَ نازل فرمایا تاکہ قیامت تک شہید ہوتے رہیں اور قیامت تک اس امت کو شہیدوں کی ایک جماعت مل جائے۔ ان شہیدوں نے اپنے جان دے کر ہم کو وفاداری کا سبق دے دیا۔ جب اللہ تعالیٰ کبھی مجھے اُحد کے دامن میں حاضری کا شرف دیتا ہے تو میں ان شہیدوں کے صدقہ میں ایک دعامانگتا ہوں کہ اے اللہ! ان شہداء نے آپ پر جان دے دی، اپنا خونِ شہادت پیش کردیا اور ہم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آپ کے لیے اپنی نظریں بچا کر اپنے دل کی آرزوؤں کا خون کرلیں لہٰذا ان کی جانبازی کے صدقہ میں ہم سب کو بھی اپنی ذاتِ پاک پر جان کو فدا کرنے کی اور خونِ آرزو کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمادیجیے۔

آیت نمبر ۲۰

اِنَّمَا اسۡتَزَلَّھُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا [۱۳۰]

ترجمہ: ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے۔

اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے یعنی شیطان تم کو کب بہکاتا ہے، تمہارے اوپر کب قدرت پاتا ہے؟ جب تم کوئی گناہ کرتے ہو بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا سے معلوم ہوا کہ ایک گناہ سے دوسرا گناہ پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی جاتی ہے۔ جب بندہ گناہ کرتا ہے، بُرے اعمال کرتا ہے تو قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے، پھر شیطان اس اندھیرے میں قبضہ جمالیتا ہے ورنہ شیطان کی طاقت نہیں ہے کہ وہ مؤمن کے دل پر قبضہ کرلے لَا مَجَالَ لَہٗ

۱۳۰؎ اٰل عمرٰن: ۱۵۵

عَلَى ابْنِ اٰدَمَ بِالْوَسْوَسَةِ اِلَّآ اِذَا وَجَدَ ظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ [۱۳۱] شیطان کی مجال نہیں ہے کہ وہ بنی آدم کے دل پر قبضہ کرلے لیکن جب دل میں اندھیرا پاتا ہے تو مثل چمگادڑ کے آجاتا ہے اور گناہوں پر اُکسانے لگتا ہے لیکن جب بندہ ندامت کے ساتھ توبہ کرلے تو ندامت کے نور سے قلب پھر روشن ہوجائے گا اور پھر شیطان بھاگ جائے گا۔ جس کا دل چاہے شیطان کو جلد بھگانے کو وہ جلدی سے توبہ کرلے، دیر نہ کرے ورنہ وہ اس دل کو اپنا اڈّہ اور مرکز بنالے گا۔

علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، تفسیر روح المعانی میں سلطان ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھتے ہیں۔ دنیاوی بادشاہوں کا تذکرہ کہیں تفسیر میں آسکتا ہے؟ لیکن یہ وہ سلطان ہے کہ جس نے سلطنتِ بلخ اللہ کے نام پر لٹادی تو آج تفسیروں میں اس کا تذکرہ آرہا ہے، سلطنت دی، خدا پر فدا ہوگئے تو ؏

اب مرا نام بھی آئے گا ترے نام کے ساتھ

تو سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ طواف کررہے تھے اور خدا تعالیٰ سے درخواست کررہے تھے کہ اے خدا! مجھ کو عصمت عطا کردے یعنی مجھ سے کبھی گناہ نہ ہو، معصوم ہوجاؤں۔ تو دل میں آواز آئی کہ اے ابراہیم ابن ادہم! كُلُّ عِبَادِهٖ يَسْئَلُوْنَهُ الْعِصْمَةُ سارے انسان گناہوں سے معصوم ہونے کی درخواست کررہے ہیں اگر وہ سب کو معصوم کردے عَلٰى مَنْ يَّتَكَرَّمُ وَعَلٰى مَنْ يَّتَفَضَّلُ [۱۳۲] تو پھر خدا کس پر کرم کرے گا اور کس پر مہربانی کرے گا۔ اگر سب مقدس فرشتے بن گئے تو اللہ کس کو معاف کرے گا، اس کی مغفرت کس پر ظاہر ہوگی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علامہ اسفرائینی کا قول ملا علی قاری نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ انہوں نے بھی تیس برس تک درخواست کی کہ یا اللہ! مجھ کو معصوم کردے، مجھ سے کبھی غلطی نہ ہو، کوئی خطا نہ ہو، تیس برس کے بعد دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ اتنے کریم ہیں لیکن میری تیس برس کی دعا قبول نہیں کی۔ فوراً دل میں آواز آئی کہ اے اسفرائینی! تم معصوم بننا چاہتے ہو لیکن معصومیت کا مقصد کیا ہے؟ یہی کہ تم میرا محبوب بننا چاہتے ہو، جب یہی مقصد ہے تو میں نے محبوب بنانے کی دو کھڑکیاں کھولی ہوئی ہیں تو معصومیت اور تقویٰ والی کھڑکی ہی سے کیوں چپکا ہوا ہے۔ کیا تو ہماری یہ آیت تلاوت نہیں کرتا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بھی محبوب بنالیتے ہیں۔ تو جب ہم نے ایک اور کھڑکی توبہ کی بھی کھول رکھی ہے تو اس کھڑکی سے کیوں نہیں آتا۔ اگر خطا ہوجاتی ہے تو توبہ کرکے مجھ کو راضی کرلے۔ جو

---

۱۳۱ روح المعانی: ۱۰۴/۴، اٰل عمرٰن (۱۵۵) دار احیاء التراث، بیروت

۱۳۲ روح المعانی: ۱۰۴/۴، اٰل عمرٰن (۱۵۵) دار احیاء التراث، بیروت

صدقِ دل سے توبہ کرتا ہے اور پختہ عزم کرتا ہے کہ اے اللہ! میں آیندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، جان دے دوں گا مگر آپ کو ناراض نہ کروں گا لیکن باوجود پوری کوشش کے پھر اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر یہ ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے، گڑگڑاتا ہے، عاجزی کرتا ہے اور آیندہ گناہ کا عزم نہیں رکھتا حدیثِ پاک میں ہے کہ ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے چاہے دن میں ستر بار اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہو۔ لہٰذا تائبین کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔

آیت نمبر ۲۱

الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ [۱۳۳]

ترجمہ: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں۔

تفکر فی المخلوقات سے استدلالِ توحید پر مغفرت

روایت میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدوی تھے، آسمان کے نیچے گاؤں میں لیٹنے کی عادت ہوتی ہے، گاؤں میں لیٹے ہوئے تھے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور یہ کہا يَا اَيُّهَا السَّمَآءُ وَالنُّجُوْمُ اَشْهَدُ اَنَّ لَكِ رَبًّا وَّخَالِقًا اے آسمانو! اور ستارو! تمہارا کوئی پیدا کرنے والا ہے، کوئی رب ہے، کوئی تمہارا خالق ہے پھر اس نے کہا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اے اللہ! مجھ کو بخش دیجیے۔[۱۳۴] اسی وقت وحی نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے اس اُمتی کو خوشخبری سنا دیں کہ میں نے اس کے اس استدلالِ توحید کو قبول کر لیا کہ اس نے مجھے کس طرح سے پہچانا، اے آسمانو اے ستارو! تمہارا کوئی رب اور پیدا کرنے والا ہے، اے اللہ! مجھ کو بخش دیجیے۔ تو ایک دیہاتی اور بدوی کے اس استدلال کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرما کر اس کی مغفرت

---

۱۳۳ اٰل عمرٰن: ۱۹۱

۱۳۴ روح المعانی: ۱۵۹/۴، اٰل عمرٰن (۱۹۱)، دار احیاء التراث، بیروت

فرمادی۔ میں آپ لوگوں سے بھی یہ کہتا ہوں کہ کبھی تو ایسے ستارے نظر آتے ہیں یا نہیں۔ راتوں میں کبھی آپ بھی یہی گفتگو کر کے اپنی مغفرت کا سامان کر لیجیے۔ اگر عربی کی عبارت یاد نہ ہو تو اردو میں کہہ لیجیے کہ اے آسمانو! اے ستارو! تمہارا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور رب ہے۔ ایک جملہ اس میں پوشیدہ ہے کہ وہی ہمارا بھی خالق ہے، ہمارا بھی وہی پالنے والا ہے پھر کہیے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اے اللہ! ہم کو بخش دیجیے۔ ان الفاظ میں مغفرت کا سامان ہے۔ شاپنگ کر لیجیے۔ آج کل بازاروں میں سودا خریدتے ہو، بس اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا سودا خرید لو۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت کا اثر، مغفرت کا اثر رکھا ہوا ہے لہٰذا جب آسمان پر نظر ہو ستارے نظر آئیں تو جو عربی داں ہیں، مولانا لوگ ہیں وہ تو یہ کہہ دیں یَاۤ اَیُّهَا السَّمَآءُ وَالنُّجُوْمُ اَشْهَدُ اَنَّ لَكِ رَبًّا وَّخَالِقًا، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اور جو عربی نہیں جانتے وہ اردو میں کہہ لیں کہ اے آسمانو! اور ستارو! تمہارا کوئی پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے، اے خدا! ہم کو بخش دیجیے۔ ان شاء اللہ! مغفرت ہو جائے گی کیوں کہ اللہ کی رحمت کے دروازے قیامت تک کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک میں عاشقانِ حق کی شان

تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوقات میں فکر کرو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ میرے خاص بندے جب اُٹھتے ہیں تو کہتے ہیں: اللہ، جب بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں: اللہ، جب کروٹ بدلتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ: آہ! یہ کیا معنیٰ ہیں؟ یہ عشق و محبت سکھا رہے ہیں کہ عاشقوں کا شیوہ یہی ہونا چاہیے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے وہ ہم کو یاد کرتے رہیں، اگر مچھلی ایک سیکنڈ کے لیے دریا سے الگ ہو جائے گی تو مچھلی کی موت ہے۔ اگر تم ہم کو ایک لمحہ کو بھول جاؤ گے تو اے انسانو! تمہاری موت ہو جائے گی، موتِ ایمانی ہو جائے گی۔ جانور بھی تو زندہ ہے۔ جانوروں کی طرح زندہ رہو گے لیکن ایمانی زندگی تمہاری باقی نہیں رہے گی تو اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی نشانی بتا رہے ہیں کہ وہ ہر حالت میں مجھے یاد رکھتے ہیں۔ کیا معنیٰ کہ میری فرماں برداری سے مجھے خوش رکھتے ہیں اور نافرمانی کر کے مجھے ناراض نہیں کرتے۔ یہ معنیٰ ہیں ذکر کے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میرے خاص بندے ذکر کے ساتھ ساتھ ایک کام اور کرتے ہیں۔

تفکر فی خلق اللہ شیوۂ خاصانِ خدا

وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کہ آسمانوں میں، زمینوں میں، سمندر میں، اللہ کی

مخلوق میں غور کرتے ہیں کہ کیا شان ہے اس کی! اتنی بڑی دنیا جس پر ہم بیٹھے ہیں چوبیس ہزار میل کا دائرہ ہے اور آٹھ ہزار کا قطر ہے، پہاڑ اور سمندر سب بھرا ہوا ہے، نیچے کوئی ستون، سپورٹنگ پلر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے، اتنے بڑے مالک ہیں کہ جو زمین کو، ستاروں کو، سورج کو، چاند کو بغیر تھونی کھمبا قائم کیے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کیا پھر اپنے بندے کے دل کو دین پر قائم نہیں رکھ سکتے مگر چاہتے ہیں کہ پہلے فریاد کرو پھر دیں گے۔

ذکر برائے خالق، فکر برائے مخلوق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میری عظمتوں کی پہچان کے لیے میری مخلوقات میں غور کرو، میری پرورش اور ربوبیت میں آسمانوں، زمینوں، سورج اور چاند، پہاڑوں اور سمندروں میں غور کرو کہ میں کتنا عظیم الشان ہوں۔ یہی میرے اللہ ہونے کی دلیل ہے، میری مخلوق میں فکر کرو۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے فکر کا لفظ نازل کیا اور اپنے نام کے لیے ذکر کا لفظ نازل کیا یَذْكُرُوْنَ اللهَ نازل کیا اور وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ نازل فرمایا۔ حکیم الامت قرآن پاک کی تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ مسائل السلوک میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ فکر برائے مخلوق اور ذکر برائے خالق ہے۔ آہ! کیا علوم ہیں ہمارے بزرگوں کے۔

ممانعتِ تفکر فی اللہ کی حکمت

اور حدیثِ پاک میں اللہ کی ذات میں فکر کرنے سے کیوں منع کیا گیا؟ لَا تَتَفَكَّرُوْا فِي اللهِ اللہ کی ذات کے بارے میں مت سوچو کہ وہ کیسے ہیں؟ اس کی علّت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی فَاِنَّكُمْ لَنْ تَقْدِرُوْا قَدْرَهٗ فا تعلیلیہ ہے پس تحقیق چوں کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو عقل کی ڈبیہ میں، عقل کے برتن میں نہیں لا سکتے ہو۔ عقل تمہاری محدود، اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود۔ پس غیر محدود کو محدود میں کیسے لایا جا سکتا ہے؟ صراحی اپنے اندر مٹکے کو نہیں لا سکتی، مٹکا اپنے اندر حوض کو نہیں لا سکتا، حوض اپنے اندر دریا کو نہیں لا سکتا، دریا اپنے اندر سمندر کو نہیں لا سکتا جب کہ یہ سب محدود ہیں۔ جب چھوٹے محدود بڑے محدود کو اپنے اندر نہیں سما سکتے تو خدائے تعالیٰ تو غیر محدود ہیں، ہم محدودوں کے اندر وہ کیسے آ سکتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کرسکتے ہو کہ اس کی مصنوعات و آثار و نشانیاں سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ کائنات کا ایک ایک ذرّہ، سمندروں کا ایک ایک قطرہ، درختوں کا ایک ایک پتّا اللہ تعالیٰ کے وجود کی خبر دیتا ہے۔ اسی لیے ایمان والوں کی شان اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی :

وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ

ہمارے خاص بندے آسمانوں اور زمینوں میں تفکر کرتے ہیں چوں کہ اس عالمِ ناسوت میں ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے کیوں کہ یہ عالم محدود ہے اور حق تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے اور غیر محدود محدود میں کیسے آسکتا ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ اس عالم میں اپنے آپ کو دِکھا دیں تو سارا عالم فنا ہو جائے کیوں کہ اس عالم کی تخلیق مادّہ سے ہوئی ہے اور مادہ میں مشاہدۂ تجلیاتِ الٰہیہ کا تحمل نہیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

تَفَکَّرُوۡا فِی الۡخَلۡقِ وَلَا تَتَفَکَّرُوۡا فِی الۡخَالِقِ فَاِنَّکُمۡ لَا تَقۡدِرُوۡنَ قَدۡرَہٗ[۱۳۵]

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو، اللہ کی ذات میں غور مت کرو کیوں کہ تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے کہ تمہاری عقلِ محدود اس ذاتِ غیر محدود کے احاطہ سے قاصر ہے، فہمِ محدود میں ذاتِ غیر محدود کا اِدراک محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور کرو کیوں کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہ عالم بھی مخلوق ہے اور مخلوق کی رسائی مخلوق تک ہوسکتی ہے کہ کائنات کے عجائبات کو دیکھ کر اور ان میں غور کرکے تم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرسکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرانے کے لیے یہ عالم پیدا فرمایا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم عَلَمُ سے ہے جس کے معنی ہیں نشانی۔ پس سارا عالم ان کی نشانی ہے اس عالم کے ذرّہ ذرّہ میں اپنی نشانیاں بکھیر دیں تاکہ میری نشانیوں میں تم مجھ کو پاجاؤ۔ اسی کو مولانا اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

میرے سوالِ وصل پہ پیہم سُکوت ہے
بکھرا دیے ہیں کچھ مہہ و انجم جواب میں

۱۳۵؎ کنزُ العمال:۱۰۶/۳ (۵۷۰۶)، باب فی الاخلاق والافعال المحمودۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

یہ عالَم، عالَمِ امتحان ہے اس لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمادیں اور ان نشانیوں کے پردے میں خود کو چھپا دیا تاکہ امتحان باقی رہے اور اہلِ عقل اور اہلِ نظر ان نشانیوں کو دیکھ کر ہم پر فدا ہو جائیں۔ مولانا اصغر گونڈوی فرماتے ہیں ؎

رِدائے لالہ و گل، پردۂ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالَم ہے

یہاں حق تعالیٰ ہم سے ایمان بالغیب چاہتے ہیں۔ مولانا رومی حق تعالیٰ کی طرف سے حکایتاً فرماتے ہیں ؎

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ می باید مرا
تا بہ بستم روزنِ فانی سرا

اے میرے بندو! میں تم سے ایمان بالغیب چاہتا ہوں لہٰذا اس عالمِ فانی میں، میں نے کوئی سوراخ اور دریچہ نہیں رکھا جس سے تم مجھے دیکھ سکو۔

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس عالم میں ایمان بالغیب اور اعمالِ صالحہ سے ہماری آنکھیں بنائی جارہی ہیں اور جب آنکھیں بنائی جاتی ہیں تو آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے، کچھ نظر نہیں آتا، آخرت میں یہ پٹی ہٹا دی جائے گی اور آنکھیں کھول دی جائیں گی اور وہاں ان آنکھوں میں اللہ تعالیٰ مشاہدۂ تجلیاتِ الٰہیہ کی صلاحیت پیدا فرمادیں گے۔ اور حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ حدیثِ احسان میں ہے:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ[۱۳۶]

اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ تو فرماتے تھے کہ اس دنیا میں کَاَنَّکَ رہے گا کیوں کہ یہاں آنکھیں بنائی جارہی ہیں، جنّت میں کَاَنَّکَ کے کاف کی پٹی ہٹا دی جائے گی وہاں اَنَّکَ سے دیکھو گے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں پردۂ عالمِ غیب اُٹھا دیا جاتا تو مشاہدۂ اُمورِ غیب سے انتظامِ معاش درہم برہم ہو جاتا اور پھر امتحان بھی نہ رہتا تو اہلِ ایمان کو جزا اور اہلِ طغیان کو سزا کس چیز پر ملتی؟ ایمان بالغیب کی بعض حکمتیں حق تعالیٰ نے انسان کی عقل کو عطا فرمائیں لیکن پوری حکمت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

۱۳۶؎ صحیح البخاری: ۱۲/۱(۵۰)، کتاب الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام، المکتبۃ المظہریۃ

شرح آیتِ بالا بعنوانِ دِگر

اہلِ عقل کون لوگ ہیں

اُولُو الۡاَلۡبَابِ یعنی عقل مند کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ بین الاقوامی عقل والے وہ ہیں، اُولُو الۡاَلۡبَابِ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں۔ جب کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ، جب بیٹھتے ہیں تو اللہ، جب کروٹ بدلتے ہیں تو اللہ، خود بخود ان کی زبان پر جاری ہے۔ یہ دلیلِ عقل اللہ تعالیٰ بیان فرمارہے ہیں کہ عقل مند وہ ہے جو اپنے خالق اور مالک کو اور اتنے بڑے صاحبِ قدرت اور صاحبِ کرم کو ہر وقت یاد رکھتا ہے۔ کسی آن اللہ کو نہیں بھولتا۔ یہ محاورہ ہے کہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے، کروٹ بدلتے ہوئے ہم کو یاد کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سانس بھی ہم کو ناراض نہیں کرتے، ایک سانس بھی ہم سے غافل نہیں ہوتے اس کا یہ مطلب نہ سمجھیے کہ کھڑے ہوئے تو اللہ کو یاد کرلیا، بیٹھے تو اللہ کو یاد کرلیا اور نافرمانی بھی کررہے ہیں۔ لغت سے ترجمہ نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن شریف محاورۂ عرب پر نازل ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے عاشق وہ ہیں جو ہر سانس مجھ پر فدا کرتے ہیں، ایک سانس بھی مجھ کو ناراض نہیں کرتے۔

جو اولیاء اللہ ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ وہ قرب عطا کرتا ہے جس کو فرشتے بھی نہیں جانتے یعنی قربِ ندامت، اعترافِ قصور۔ خطا ہوگئی اب بیٹھے ہوئے رورہے ہیں۔ عبادت کی، حج و عمرہ کیا، تہجد پڑھا، تلاوت کی تو شکر ادا کررہے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا احسان ہے، ہمارا کمال نہیں ہے، آپ کی توفیق ہے۔ خطا ہوگئی تو رو رہے ہیں کہ اللہ میاں! آج تو مجھ سے خطا ہوگئی۔ میں نے آپ کو ناراض کردیا۔ مجھے معاف کردیجیے، اب زاروقطار رورہے ہیں۔ آنسو تھمتے نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ پھر ان کے لیے انتظام فرماتے ہیں کہ کہیں میرا بندہ رورو کے موت کی گود میں نہ چلا جائے، مرہی نہ جائے۔

اس توبہ و ندامت کی برکت سے پھر اللہ تعالیٰ ان کے قلب پر سکینہ اور سکون نازل کرتا ہے تاکہ کہیں شدتِ غم سے میرے بندہ کی موت واقع نہ ہوجائے، میرا عاشق ندامت سے مرہی نہ جائے۔ اتنی ندامت ہو کہ گناہ سے نفرت ہوجائے اتنی ندامت نہ ہو کہ موت ہی واقع ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی موت نہیں چاہتے۔ اپنے عاشقوں کی حیات پُرسکون اور دوسروں کی حیات کے لیے ان کو نمونہ اور ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔ اپنے عاشقوں کو ایسی حیات دیتے ہیں کہ لاکھوں انسان ان سے ولی اللہ بنتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۲

فَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ قٰتَلُوۡا وَ قُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ[۱۳۷]

ترجمہ: سو جن لوگوں نے ترکِ وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیے گئے میری راہ میں اور جہاد کیا اور شہید ہوگئے میں ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا۔

موجودہ دور میں صحابہ کے اعمالِ منصوصہ کے اختیار کی صورت

ان آیات میں حضرات صحابہ کے چند اہم اعمال کا ذکر ہے اور ان پر ان کی سیئات کو محو فرمانے اور داخلۂ جنّت کا تاکید کے ساتھ وعدہ ارشاد فرمایا گیا ہے، وہ اعمال حسب ذیل ہیں :

۱) ہجرت جو صورۃً اور حقیقۃً ہر اعتبار سے کامل تھی یعنی ترکِ وطن بھی کیا اور ترکِ معاصی و خطایا بھی کیا۔ حدیثِ پاک ہے: اَلْمُھَاجِرُ مَنْ ھَجَرَ الْخَطَایَا وَالذُّنُوْبَ[۱۳۸]

۲) اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ یہ مجاہدہ غیر اختیاریہ ہے۔ یعنی کفار کی جانب سے اس قدر تنگ کیے گئے کہ چار و ناچار ترکِ وطن کرنا پڑا اور مجاہدہ غیر اختیاری کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے مجاہدۂ اختیاریہ سے بعض وجوہات اور بعض حالات میں افضل لکھا ہے۔ ایک تو یہ کہ مجاہدۂ اختیاریہ میں عجب و پندار کا خطرہ ہوتا ہے برعکس غیر اختیاریہ میں اپنی مجبوری پر نظر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ مجاہدۂ اختیاریہ میں اپنے نفس کے ارادہ و اختیار کا دخل ہوتا ہے اور غیر اختیاریہ میں خالص تکوینی اور غیبی تربیت کے اسرار شامل ہوتے ہیں۔

۳) وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ اور میرے راستے میں اذیت دیے گئے، اس یاء نے تو تمام اذیتیں لذیذ کردیں اور اس ایذاء کا مقامِ رفعت واضح فرمادیا کہ جو ایذا کسبِ دنیا کے لیے اور اغراضِ نفسانیہ کے لیے بندہ برداشت

---

۱۳۷ اٰل عمرٰن: ۱۹۵

۱۳۸ سنن ابن ماجة: ۴۱۸ (۳۹۳۴)، باب حرمة دم المؤمن وماله، المکتبة الرحمانية

کرتا ہے اور وہ ایذاء جو میرے لیے برداشت کرتے ہیں اس میں فرق کس قدر ہے، بس میری نسبت یاء سے اس کو سمجھ سکتے ہو اور میری عظمت سے اس ایذاء کی قدر و منزلت کا اندازہ کرو۔

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتئ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

۴) **وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا** اور مقاتلہ کیا کفار سے اور قتل ہوئے اس کی راہ میں۔ خدا کے حکم سے کفّار کی گردن مارنا اور خدا کی راہ میں شہید ہونا یہ عمل اگر صرف رضائے حق کے لیے ہو تو یہ مقاتلہ اور شہادت مقبول کہلاتی ہے ورنہ اگر نفس کے لیے ہے اور غیر حق کے لیے ہے تو عدمِ اخلاص کے سبب نامقبول ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ نفس سے جہاد کرنا (یعنی نیک اعمال) پر قائم رہنا اور نواہی سے (گناہوں سے) نفس کو روکنے کی کلفت کو برداشت کرنا یہ بھی شہادتِ باطنی معنوی ہے (خواہشاتِ نفسانیہ کا خون تیغِ امرِ الٰہی سے کرنے والے) یہ لوگ بھی قیامت کے دن امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ! شہداء کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔

ترے حکم کی تیغ سے ہوں میں بسمل
شہادت نہیں میری ممنونِ خنجر

ان اعمال کو جو حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں حق تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں آج بھی ان کے اختیار کی صورت اس طرح ہو سکتی ہے کہ (۱) اللہ کے لیے گناہوں کو ترک کردے، خود ہمت نہ ہو تو اہل اللہ سے تدبیر دریافت کریں اور کسی اہل اللہ سے باضابطہ اصلاحی تعلق کے بغیر نفس کی اصلاح ناممکن ہے۔ پس ترکِ معاصی کے لیے گھر سے کسی اہل اللہ کے پاس جانا گویا کہ یہ بے گھر ہوا اللہ کے لیے اور **هِجْرَانُ عَنِ الْمَعَاصِیْ وَالْخَطَایَا** سے یہ **وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا** کی صف میں ان شاء اللہ تعالیٰ! کھڑا کیا جائے گا۔ (۲) اپنے گھروں سے نکالے گئے، اگر آپ کے گردوپیش معاصی کے اڈے ہیں اور معاشرہ نہایت خراب ہے کہ آپ اور آپ کے بچے وہاں رہ کر دین پر قائم نہ رہ سکتے ہوں تو صالح ماحول اور صالح بستی یا محلہ کی طرف ہجرت کرنا اس شرف کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ (۳) **اُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ** آپ بھی مجاہدات اور تکالیف احکامِ الٰہیہ کے بجالانے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی تکالیف کو جھیلنے سے اس مقام کو حاصل کرسکتے ہیں۔ (۴) مقاتلہ اور شہادت کا یہ شرف اگر جہاد بالکفار کا موقع ہاتھ نہ آئے تو نفس سے جہاد

جو جہادِ اکبر ہے کرتے رہیں اور نفس سے کشتی لڑتے رہیں۔ یہ تمام عمر کا جہاد ہے۔

کسی کے زندہ شہید ہیں ہم، نہیں یہ حسرت کہ سر نہیں ہے
ہمیں تو ہے اس سے بڑھ کے رونا کہ دل نہیں ہے جگر نہیں ہے

آیت نمبر ۲۳

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا[۱۳۹]

ترجمہ: اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو۔ بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

صلہ رحمی کے حق دار کون ہیں؟

ایک بات اور عرض کرنی ہے کہ صلہ رحمی کا بھی خاص خیال رکھو، آج کل اس معاملے میں لوگوں میں بہت لاپرواہی پائی جاتی ہے وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ارحام رحم سے ہے، عام لوگ اپنے ہی ماں باپ سے نیک سلوک کرنے کو صلہ رحمی سمجھتے ہیں لیکن علامہ آلوسی سیّد محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ شادی ہو جانے کے بعد بیوی کے ماں باپ بھی صلہ رحمی یعنی خونی رشتوں کے برابر ہو جاتے ہیں یعنی جس طرح اپنے ماں باپ کا ادب لازم ہے اور جیسے اپنے ماں باپ اور دادا دادی کے حقوق ہوتے ہیں ایسے ہی بیوی سے جو رشتے بنتے ہیں ان کا حق بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے یعنی وہ بھی صلہ رحمی میں داخل ہو جاتے ہیں، اب تفسیر روح المعانی کی عبارت عرض کرتا ہوں:

اَلْمُرَادُ بِالْاَرْحَامِ الْاَقْرِبَاءُ مِنْ جِهَةِ النَّسَبِ وَمِنْ جِهَةِ النِّسَاءِ[۱۴۰]

یعنی وہ رشتہ دار جو خاندانی نسب سے ہیں اور جو رشتے بیوی سے بنتے ہیں وہ صلہ رحمی میں شامل ہیں۔

---

[۱۳۹] النسآء:۱

[۱۴۰] روح المعانی:۱۸۵/۴، النسآء(۱)، دار احیاء التراث، بیروت

آیت نمبر ۲۴

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ [۱۴۱]

ترجمہ: اور عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزارا کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیویوں کے لیے جو یہ سفارش نازل فرمائی کہ **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** ان کے ساتھ بھلائی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا اگرچہ یہ کڑوی بات کریں گی کیوں کہ آدھی عقل کی ہیں لیکن ان کی کڑوی کڑوی باتوں کو برداشت کرنا اور ان کے ساتھ معاملہ بھلائی اور احسان کا رکھنا۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَرْأَةُ كَالضِّلْعِ اِنْ اَقَمْتَهَا كَسَرْتَهَا وَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيْهَا عِوَجٌ [۱۴۲]

عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے، اگر سیدھا کرنا چاہو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر اس ٹیڑھی پسلی سے فائدہ اٹھانا چاہو گے تو فائدہ اٹھالو گے اور اس کا ٹیڑھا پن رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سفارش فرمانے سے معلوم ہوا کہ اگر بیویاں اہم نہ ہوتیں تو اتنا بڑا مالک ان کی سفارش کیوں نازل فرماتا کیوں کہ دنیا میں بھی بڑا آدمی کسی اہم آدمی ہی کی سفارش کرتا ہے، اپنے پیاروں کی سفارش کرتا ہے، غیر پیارے کی سفارش نہیں کرتا۔ کیا کوئی وزیر اعظم کسی گورنر یا کمشنر سے کہہ سکتا ہے کہ بھنگی پاڑے کے فلاں بھنگی کا خیال رکھنا، اس سے خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ جو اہم اور وی آئی پی شخصیت ہوتی ہے اسی کے لیے سفارش کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بیویاں نہایت اہم اور وی آئی پی ہیں اسی لیے **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ** کی آیت نازل فرمادی کہ قیامت تک علی الاعلان میرے اس حکم کی تلاوت کی جائے گی، میرا نبی بھی تلاوت کرے گا، نبی کے صحابہ بھی تلاوت کریں گے، قیامت تک اولیاء اللہ اس حکم کی تلاوت کرتے رہیں گے۔ اس سفارش کو میں قرآن پاک کا جز بنا رہا ہوں تاکہ میری بندیوں کی اہمیت سب کو معلوم ہو جائے۔ جنّت میں تو ان کی اہمیت ظاہر ہے کہ یہ حوروں سے زیادہ حسین کر دی جائیں گی مگر دنیا میں بھی اللہ کی نظر میں ان کی شخصیت نہایت اہم اور وی آئی پی تھی، جب ہی تو ان کے لیے سفارش نازل فرمائی کیوں کہ ان کے ہی پیٹ سے انبیاء پیدا ہوئے، ان ہی کے پیٹ سے اولیاء

---

[۱۴۱] النسآء: ۱۹

[۱۴۲] صحیح البخاری: ۷۷۹/۲ (۵۲۰۰)، باب المداراة مع النساء، المکتبة المظهرية

پیدا ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی فیکٹریاں اور کارخانے ہیں لہٰذا عورتوں کو حقارت سے مت دیکھو۔ ان کے ناز نخرے اور کڑوے پن کو برداشت کرو کہ کم عقل ہیں۔ اگر آپ کا ایک ہی بچہ ہو اور آپ کا بہت پیارا ہو لیکن کم عقل ہو تو بتایئے آپ اس کی خطاؤں کو معاف کریں گے یا نہیں بلکہ محلہ والوں سے بھی کہہ دیں گے کہ میرا بچہ کم عقل ہے، اگر آپ کا کوئی نقصان کردے تو مجھ سے ڈبل پیسے لے لینا لیکن میرے بچے کو ہاتھ نہ لگانا تو اللہ تعالیٰ کا اپنی بندیوں کے لیے سفارش کرنا اپنی بندیوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے۔ لہٰذا بیوی کو دیکھو تو رحمت کی نگاہ سے دیکھو، محبت کی نگاہ سے دیکھو کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو کیوں پیدا کیا؟ لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور آگے مصدر نازل فرمایا مَوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اور مصدر مبالغہ کے لیے آتا ہے جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ زید عدل ہے یعنی انتہائی عادل ہے، مَوَدَّةً وَّ رَحْمَةً کے معنی ہوئے کہ یہ تمہارے لیے سراپا محبت اور سراپا رحمت ہیں۔ دنیا میں بھی رحمت ہیں کہ ان سے دوروٹی ملتی ہے اور آخرت میں بھی رحمت ہیں کہ اگر ان کے پیٹ سے کوئی ولی اللہ پیدا ہو گیا تو تمہاری مغفرت کا سامان ہو گا۔ اس وقت قیامت کے دن ان بیویوں کی قدر معلوم ہو گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں کہ اپنی بیویوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں پارہ نمبر:۲۷، سورۂ رحمٰن کی تفسیر کے ذیل میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جنّت میں حوریں زیادہ حسین ہوں گی یا مسلمان بیویاں؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سوال کر کے قیامت تک عورتوں پر احسان کر گئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے امّ سلمہ! جنّت میں مسلمان بیبیاں حوروں سے بھی زیادہ حسین کر دی جائیں گی۔ پوچھا: وَبِمَ ذَاكَ ایسا کیوں ہو گا؟ آپ نے فرمایا کہ حوروں نے نمازیں نہیں پڑھی ہیں، روزے نہیں رکھے ہیں، شوہروں کی خدمت نہیں کی ہے، بچے جننے کی تکلیف نہیں اُٹھائی ہے اور مسلمان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، حج کیا ہے، شوہروں کی خدمت کی ہے، بچے جننے کی تکلیف اٹھائی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

بِصَلَاتِهِنَّ وَصِيَامِهِنَّ وَعِبَادَتِهِنَّ اَلْبَسَ اللهُ وُجُوْهَهُنَّ النُّوْرَ[۱۴۳]

ان کی نمازوں، روزوں اور ان کی عبادت کی وجہ سے ان کے چہروں پر اللہ اپنا نور ڈال دے گا جو مستزاد ہو گا،

---

[۱۴۳] روح المعانی: ۲۷/۱۲۶، دار احیاء التراث، بیروت

اضافی ہو گا۔ حوروں کے اندر وہ نور نہیں ہو گا۔ اللہ جس پر اپنا نور ڈال دے اس کے حسن کا کیا عالم ہو گا۔

مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تھے تو مسکراتے ہوئے آتے تھے، آنکھ بند کر کے عرشِ اعظم پر نہیں رہتے تھے، زمین والوں کا حق بھی ادا کرتے تھے حالاں کہ آپ کو امت کا کتنا غم تھا، ہر وقت کفار سے مقابلہ، ایک جہاد ختم ہوا، ابھی تلوار رکھنے نہیں پائے کہ دوسرے جہاد کا اعلان ہو گیا لیکن اس کے باوجود کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ گھر میں داخل ہوئے ہوں اور چہرۂ مبارک پر تبسم نہ ہو۔ اپنی بیویوں کے پاس مسکراتے ہوئے آنا، یہ سنّت آج چھوٹی ہوئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے اچھے اخلاق والا وہ ہے جس کے اخلاق بیوی کے ساتھ اچھے ہیں۔ ہم دوستوں میں خوب ہنسیں گے، خوب لطیفے سنائیں گے اور بیوی کے پاس جا کر سنجیدہ بزرگ بن جائیں گے، منہ سکوڑے ہوئے جیسے ہنسنا جانتے ہی نہیں۔ اور وہ بے چاری تعجب میں ہے کہ یااللہ! میں دن بھر منتظر تھی کہ رات میں آئے گا تو اپنے شوہر سے ہنسوں بولوں گی اور یہ پتھر کا بُت بنا ہوا ہے۔

یہ مسکرانا، ہنسنا، بولنا عبادت میں داخل ہے۔ رات بھر نوافل میں جاگنا اور بیوی سے بات نہ کرنا یہ صحابہ کی سنّت کے بھی خلاف ہے۔ ایک کم عمر صحابی کے پاس ایک بڑی عمر کے صحابی گئے۔ انہوں نے عبادت شروع کر دی تو ان بزرگ صحابی نے فرمایا:

فَاِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا[۱۴۴]

تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، میں تمہارا مہمان ہوں مجھ سے باتیں کرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ جاؤ اب اپنی بیوی کا حق ادا کرو اس سے بھی باتیں کرو۔

قرآن کریم کی رو سے نیک بیوی وہ ہے جو مرد کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرے، اس کے تمام حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پیٹھ پیچھے اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے، اپنی عصمت اور مال کی حفاظت جو اُمورِ خانہ داری میں سب سے اہم ہیں ان کے بجالانے میں خاوند کے سامنے اور پیچھے کا حال بالکل برابر رکھے، یہ نہیں کہ خاوند کے سامنے تو اس کا اہتمام کرے اور اس کی عدم موجودگی میں لاپرواہی برتے۔ ایک حدیث میں اس کی مزید تشریح ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

۱۴۴ صحیح البخاری: ۱/۲۶۵ (۱۹۷۲)، باب حق الضیف فی الصوم، المکتبۃ المظھریۃ / کنز العمال: ۳/۳۲ (۵۳۲۴)، باب فی تعدید الاخلاق المحمودۃ، مؤسسۃ الرسالۃ

’’بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو تو خوش ہو اور جب اس کو کوئی حکم دو تو اطاعت کرے اور جب تم غائب ہو تو اپنے نفس اور مال کی حفاظت کرے۔‘‘

ایک اور حدیث میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار اور فرماں بردار ہو اس کے لیے ہوا میں پرندے، دریا میں مچھلیاں، آسمانوں میں فرشتے اور جنگلوں میں درندے استغفار کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۲۵

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[۱۴۵]

ترجمہ: اے انسان! تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔

تم کو جتنی نیکیاں مل رہی ہیں خواہ حج ہو یا عمرہ ہو یا نماز ہو یا تلاوت ہو یہ سب اللہ کی عطا ہے اور تم نے جتنے گناہ اور بُرائیاں کی ہیں یہ تمہارے نفس کی بدمعاشی اور شرارت ہے کیوں کہ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے امارہ بالسوء ہے اور الف لام السوء کا اسمِ جنس کا ہے یعنی وقتِ نزولِ قرآن سے لے کر گناہ کے جتنے انواع قیامت تک ایجاد ہوں گے سب اس السوء میں شامل ہیں کیوں کہ جنس وہ کلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہوتی ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ[۱۴۶] مگر جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ عطا فرمائیں گے وہ نفس کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔ یہ ہمارا اور آپ کا استثناء نہیں ہے، یہ مخلوق کا استثناء نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا استثناء ہے۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے سایۂ رحمت میں قبول فرمائیں اس کو اس کا نفس بھی خراب نہیں کر سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے استثناء کے سامنے نفس کی کیا حیثیت اور کیا حقیقت ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں جو مَا ہے یہ مصدریہ ظرفیہ زمانیہ ہے لہٰذا ترجمہ ہوا اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّیْ[۱۴۷] یعنی

[۱۴۵] النسآء: ۷۹

[۱۴۶] یوسف: ۵۳

[۱۴۷] روح المعانی: ۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

جب تک تمہارے رب کی رحمت کا سایہ رہے گا تمہارا نفس بھی تم کو برباد نہیں کر سکتا۔

حقیقت میں سب کچھ اختیار آپ کا ہے، وجود آپ کا ہی ہے، ہمارا وجود فانی ہے اور اس قابل بھی نہیں کہ اس کو وجود کہا جائے جیسے سورج ستاروں سے کہہ سکتا ہے کہ تمہارا وجود ہے مگر مثل عدم کے ہے۔ ہماری ہستیاں حق تعالیٰ کی ہستی کے فیضان سے ہیں، ہماری ذات خود سے قائم نہیں بلکہ ہم حق تعالیٰ کے کرم سے اور ان کے فیضانِ صفتِ ''حی'' اور فیضانِ صفتِ ''قیوم'' سے قائم ہیں۔ جس دن صفتِ حی اور صفتِ قیوم کے ظہور کو اللہ تعالیٰ ہٹا دیں گے اس دن آسمان گر پڑے گا، سورج اور چاند گر پڑیں گے اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ کے ان دوناموں حی اور قیوم سے سارا عالم قائم ہے۔ تو مولانا کا اشارہ یہی ہے کہ ہمارا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ہماری گویائی، بینائی، شنوائی سب آپ کی مدد سے ہے ورنہ حقیقتاً گویائی آپ کی گویائی ہے، شنوائی آپ کی شنوائی ہے، وجود آپ کا وجود ہے کہ ازل سے ابد تک ہے۔ آپ قدیم ہیں، غیر فانی ہیں، قادرِ مطلق ہیں، ہم حادث اور فانی ہیں، ضعیف ہیں لہٰذا ہمارا بولنا کوئی بولنا ہے، ہمارا سننا کوئی سننا ہے، ہمارا وجود کوئی وجود ہے کہ ابھی ہم بول رہے ہیں، سن رہے ہیں اور ابھی روح نکل جائے تو خاموشی ہے، سماعت بند اور بینائی ختم۔ ہم بالکل لاشیء ہیں، آپ کے تابع ہیں اور انتہائی بے کس ہیں۔

یہاں ایک اِشکال ہوتا ہے کہ جب ہم بالکل بے کس ہیں تو جزا اور سزا کیوں ہے؟ جیسے ایک شخص ایسا ہی ایک مضمون پڑھ کر ایک باغ میں گھس گیا اور انگور کھانے لگا اور جب باغ کا مالک آیا تو اس نے پوچھا کہ میرے درخت کے انگور کیوں کھاتا ہے؟ اور یہ سیب کیوں کھا لیے؟ یہ سب میرے درخت کے ہیں تو اس نے کہا: تم غلط کہتے ہو، زمین بھی خدا کی، آسمان بھی خدا کا، میں بھی خدا کا اور درخت بھی خدا کے، انگور بھی خدا کے اور سیب بھی خدا کا۔ خبر دار! جو مجھے کھانے سے منع کیا۔ تو مالکِ باغ نے کہا: اچھی بات ہے۔ ابھی بتاتا ہوں اور ایک رسہ لے آیا اور اس سے اس کو خوب باندھ دیا اور ایک ڈنڈے سے اس کی پٹائی شروع کی تو وہ چلانے لگا کہ کیوں مارتا ہے؟ تو مالکِ باغ نے جواب دیا کہ میں بھی خدا کا، تو بھی خدا کا، رسہ بھی خدا کا، اور ڈنڈا بھی خدا کا خبر دار! جو چلایا! تو اس وقت اس نے کہا: اختیار است اختیار است اختیار میں توبہ کرتا ہوں، میں مجبور نہیں ہوں، مجھے اختیار ہے، اختیار ہے۔ ماہمہ لاشیم سے مولانا فرقۂ جبریہ کی تائید نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی بے کسی اور عاجزی ظاہر کر کے حق تعالیٰ کی رحمت سے درخواست کر رہے ہیں۔ دونوں میں فرق ہے اور مندرجہ بالا واقعہ بھی مثنوی کا ہے جس میں فرقۂ جبریہ کا رد ہے۔

اے خدا! ہم مجبور نہیں ہیں۔ یہ جو ہم نے اپنے کو آپ کے حوالہ کیا ہے کہ ہم لاشئ ہیں اور آپ ہی

سب کچھ ہیں، یہ آپ کی عظمتِ شان کا اعتراف اور اپنی حقارت و عاجزی و بے کسی پیش کی ہے تاکہ آپ ہمیں نماز پڑھنے کی رغبت اور سجدوں کی لذت میں ترقی عطا فرمائیں۔ یہ دراصل لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا ترجمہ ہے۔ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں حدیث نقل کی کہ ایک بار حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هَلْ تَدْرِیْ مَا تَفْسِیْرُهَا یعنی اے عبد اللہ ابن مسعود! اس لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے معنیٰ سمجھتے ہو؟ عرض کیا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَعْلَمُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا ترجمہ سن لو۔ سبحان اللہ! نبی کے الفاظ ہیں اور نبی کے الفاظِ نبوت کی شرح الفاظِ نبوت سے ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ لَا حَوْلَ کے معنیٰ ہیں لَا حَوْلَ عَنْ مَّعْصِیَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِعِصْمَةِ اللّٰهِ یعنی ہم اللہ کی معصیت سے نہیں بچ سکتے جب تک کہ خود اللہ حفاظت نہ فرمائے، اللہ کی حفاظت سے ہم گناہ سے بچ سکتے ہیں وَ لَا قُوَّةَ اَیْ وَ لَا طَاقَةَ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ اِلَّا بِعَوْنِ اللّٰهِ ہم اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے جب تک اللہ مدد نہ فرمائے۔

زور چھوڑ دو اور آہ وزاری اختیار کرو۔ اللہ کا رحم آئے گا آہ وزاری سے، یہ زور سے نہیں آئے گا کہ میں بڑا متقی ہوں، مقدس ہوں، میں ایسا کروں گا ویسا کروں گا۔ اگر دعویٰ کروگے تو رحمت سے محروم ہو جاؤ گے۔ لہٰذا زور چھوڑو اور زاری اختیار کرو تاکہ اللہ کا اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مل جائے اور نفس کے شر سے خدا اپنی حفاظت میں قبول فرمائے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں جو رحم ہے جس کے صدقہ میں نفوسِ انسانیہ حرکاتِ نفسانیہ اور آثارِ شیطانیہ سے محفوظ رہتے ہیں وہ رحم اگر لینا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس آیت کی گویا تفسیر فرمائی اور اس رحم کو مانگنے کا جو مضمون عطا فرمایا وہ گویا حق تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے کیوں کہ نبی اللہ تعالیٰ کا سفیر ہوتا ہے۔ اس کا ہر مضمون خدائے تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[۱۴۸]

جو ہمارا نبی تم کو عطا فرمائے اس کو لے لو یعنی جو حکم دے اس کو سر آنکھوں پر رکھو اور جس بات سے روک دے اس سے رُک جاؤ گویا اس آیت میں مذکورہ رحمت کو مانگنے کے لیے طریقہ اور مضمون اللہ تعالیٰ نے بزبانِ نبوت عطا فرمایا کہ اگر تم اِلَّا کے بعد مَا رَحِمَ رَبِّیْ چاہتے ہو اور نفس کی بدمعاشیوں سے تحفظ چاہتے ہو تو یہ دعا مانگو:

۱۴۸؎ الحشر:۷

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ وَلَا تَكِلْنِيْٓ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ[۱۴۹]

اے زندہ حقیقی اور اے سنبھالنے والے! میں آپ کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ اَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ میری ہر حالت کو درست فرما دیجیے، میری زندگی کا کوئی شعبہ آپ کی نافرمانی میں مبتلا نہ ہو، نہ کان گانا سنے، نہ آنکھ حسینوں کو دیکھے، نہ ناک خوشبوئے حرام سونگھے، نہ زبان غیبت کرے، نہ ہونٹ حرام بوسے لیں، غرض سر سے پیر تک ہر جز آپ کا فرماں بردار ہو اور کُلَّهٗ تاکید ہے یعنی میری کوئی بھی حالت ایسی نہ رہنے پائے جو آپ کو پسند نہ ہو، میری ہر ناپسندیدہ حالت کو اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیجیے، میری ہر ادائے بندگی کو وفائے بندگی سے مشرف فرما دیجیے کہ سر سے پیر تک کہیں بھی بے وفائی کا داغ میرے اوپر نہ لگنے پائے اور میں سراپا آپ کا ہو جاؤں ؎

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا
اُن ہی کا اُن ہی کا ہوا جا رہا ہوں

وَلَا تَكِلْنِيْٓ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اور اے اللہ! جس نفس کو آپ نے امارہ بالسوء فرمایا ہے مجھے پلک جھپکنے بھر کو اس دشمن کے سپرد نہ فرمائیے کیوں کہ دنیا میں سب سے بڑا دشمن یہی نفس امارہ بالسوء ہے کیوں کہ کسی دشمن کو ہر لحہ، ہر وقت یہ استطاعت نہیں کہ پلک جھپکنے بھر میں ہمیشہ ہی وہ اپنے مقابل کو ہلاک کر دے لیکن یہ نفس ایسا دشمن ہے کہ ہمیشہ اس میں یہ استطاعت ہے کہ پلک جھپکنے میں یہ انسان کو ہلاک کر سکتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طَرْفَةَ عَيْنٍ اس کے حوالے ہونے سے پناہ مانگی ہے کہ ایک پَل میں یہ مؤمن کو کافر، ولی کو فاسق اور انسان کو جانور سے بھی زیادہ ذلیل بنا دیتا ہے۔

اور فرقۂ جبریہ کا عقیدۂ جبر کہ انسان مجبور محض ہے جو موجب ہے کاہلی و جمود اور خمود کا یعنی بے عملی اور اعمال میں ٹھنڈا اور سست پڑ جانے کا۔ اے خدا! اس قسم کے جراثیم سے ہماری حفاظت فرمائیں، ایسی گمراہی کو ہمارے اندر نہ آنے دیجیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اعمال میں بالکل سُست اور ٹھنڈے ہو جائیں اور بے عملی اور گمراہی کا شکار ہو کر خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ہو جائیں۔ یہ عقیدۂ جبر اتنا گمراہ کن ہے کہ انسان کو اعمال سے بے زار کر دیتا ہے، کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہم تو مجبورِ محض ہیں، مسجد جب جائیں گے جب اللہ پاک بلائیں گے لیکن اس سے کہو کہ روزی کمانے کے لیے بازار کیوں جاتے ہو، گھر پر پڑے رہو جب اللہ میاں بلائیں تب جانا۔

---

۱۴۹ کنز العمال:۱۳۹/۲(۳۴۹۸)، الباب الثامن: الدعاء، مؤسسة الرسالة

اور کھانا کیوں ٹھونستے ہو، جب اللہ میاں کھلائیں کھالینا۔ دین ہی کے کاموں میں مجبور ہو، ذرا دنیا کے کاموں میں بھی مجبور ہو جاؤ۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ چھوڑو نماز روزہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے لیکن اللہ تو رزاق بھی ہے پھر دوکان کیوں کھولتے ہو، سارا دن گھر میں پڑے رہو، رزق خود آ جائے گا۔ وہاں تو بڑے چست ہو، یہ حیلہ بازیاں اور حیلہ سازیاں صرف دین ہی میں ہیں۔ دنیا کے کاموں میں کیوں حیلہ بازی نہیں کرتے ؂

اے کہ تو دنیا میں اتنا چُست ہے
دین میں لیکن تو اتنا سُست ہے

آیت نمبر ۲۶

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۫ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۴﴾[۱۵۰]

ترجمہ: اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو گی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر، جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں، اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں، بڑے علم والے ہیں۔

---

[۱۵۰] المآئدۃ: ۵۴

کفار سے دوستی کا انجام ارتداد ہے

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بیان فرمایا کہ مضر صحبتوں سے گمراہی کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں، ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ[۱۵۱]

یہودی اور عیسائی سے تجارت کرسکتے ہو، لین دین کرسکتے ہو لیکن ان سے دوستی نہیں کرسکتے، ان کی محبت دل میں نہ ہو اور اگر دل سے محبت کی تو تمہارا ایمان ارتداد سے تبدیل ہوجائے گا، تمہارا ایمان سلامت نہ رہے گا۔

کفار سے معاملات جائز، موالات حرام

تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا کہ دیکھو تم یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی مت کرو۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر کی لِاَنَّ مُوَالَاۃَ الْیَهُوْدِ وَ النَّصَارٰی تُوْرِثُ الْاِرْتِدَادَ[۱۵۲] یعنی یہود ونصاریٰ کی دوستی تمہارے قلب میں مرتد وکافر ہونے کا ذوق پیدا کردے گی لہٰذا ان سے تجارت ولین دین تو جائز ہے لیکن ان سے دوستی ومودّت رکھنا، ہر وقت ساتھ کھانا پینا اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنا جائز نہیں، قلب میں ان کی محبت نہ آنی چاہیے۔

سلوک کا ایک اہم مسئلہ

تو اس آیتِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو اللہ کے دین سے مرتد ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔ میں اصل میں یہاں ایک مسئلہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی کو اللہ اپنی محبت دے دے، یا کوئی کرامت یا کوئی نعمت عطا فرمادے تو اس کی نسبت اپنے مجاہدات کی طرف نہ کرے کہ اتنے زمانہ تک ہم نے شیخ کی صحبت اُٹھائی، اتنے زمانے ہم نے محنتیں کیں تب اللہ میاں نے ہم کو یہ دیا۔ اپنے کمالات کی نسبت اپنے مجاہدات اور محنتوں کی طرف نہ

---

۱۵۱ المآئدۃ: ۵۱

۱۵۲ روح المعانی: ۱۶۰/۶، المآئدۃ (۵۴)، دار احیاء التراث، بیروت، ذکرہ بلفظ ان موالاتھم مستدعیۃ للارتداد عن الدین

کرو بلکہ ان کو عنایاتِ الٰہیہ کا ثمرہ سمجھو۔

عنایاتِ الٰہیہ کو ثمرۂ مجاہدات سمجھنا ناشکری ہے

یہ ایک مسئلہ حضرت نے لکھا جس کی عربی عبارت پیش ہے تاکہ علماء حضرات کو لطف آجائے:

فَاِنَّ بَعْضَ الْمُغْتَرِّیْنَ مِنَ الصُّوْفِیَاءِ وَالسَّالِکِیْنَ یُنْسِبُوْنَ

کَمَالَاتِہِمْ اِلٰی مُجَاہَدَاتِہِمْ وَھٰذَا عَیْنُ الْکُفْرَانِ

یعنی بعض نادان صوفی اپنے کمالات کی نسبت اپنے مجاہدات کی طرف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایات و فضل کی طرف نہیں کرتے، یہ سخت ناشکری ہے۔ ان کو یہی کہنا چاہیے کہ اے اللہ! آپ کی تمام مہربانیوں کا سبب آپ کی مہربانی ہے، آپ کی رحمت کا سبب آپ کی رحمت ہے، آپ کے کرم کا سبب آپ کا کرم ہے، ہمارا کوئی عمل اس قابل نہیں ہے جو سبب بن سکے آپ کے کرم کا۔ اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں عطا فرمائی جس سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ بندہ روزے رکھے، حج کرے، عمرہ کرے، تہجد پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کو اپنے اعمال کی طرف نسبت نہ کرے، نیکی کر دریا میں ڈال، اپنی نیکیوں کو بھول جائے، جو کچھ ملے اس کو اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھے۔

قرآنِ پاک سے استدلال

اس مثال سے پہلے ایک استدلال پیش کرتا ہوں جو میرے رب نے ابھی ابھی مجھے عطا فرمایا۔ قرآن شریف کی آیت اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دی کہ مثال سے پہلے تم میرے کلام سے ثبوت پیش کرو:

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللہِ ۫ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ[۱۵۳]

تجھ کو جو نیکی ملے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ سے برائی صادر ہو وہ تیرے نفس کی شرارت اور بدمعاشی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دنیا میں تم کو جو بھلائی ملے، اولاد ملے، روزی ملے، علم ملے، تقریر کرنی آجائے، کوئی بھی نعمت ملے فَمِنَ اللہِ وہ اللہ کی عطا ہے۔ اگر ہم کو اپنے عمل کی طرف نسبت کرنے کی ہدایت ہوتی تو

۱۵۳؎ النسآء:۷۹

اللہ فرماتے کہ تم اپنی عبادات کی طرف نسبت کرو کہ تم نے یہ کیا تو میں نے یہ دیا لیکن یہاں میں نے تم نے کچھ نہیں ہے فَمِنَ اللّٰہِ سب اللہ کی عطا ہے اور جب کوئی تم کو برائی پہنچے، نقصان پہنچے تو وہ تمہارے نفس کی شرارت کی سزا ہے۔

حُسنِ اتفاق و سوئے اتفاق کفار و ملحدوں کی ایجاد

نیکیوں کو حسنِ اتفاق مت کہو اور برائیوں کو سوئے اتفاق مت کہو۔ یہ الفاظ نیچریوں نے، کافروں نے، ملحدوں نے جاری کیے ہیں۔ کہ اگر کوئی نعمت ملی تو کہہ دیا کہ صاحب! آج حسنِ اتفاق سے مجھے نوکری مل گئی۔ اللہ کا نام بھی نہیں لیا کہ اللہ کے کرم سے مجھے یہ نوکری ملی۔ نیکیوں کو حسنِ اتفاق نے لوٹ لیا اور برائیوں کو سوئے اتفاق نے لوٹ لیا کہ سوئے اتفاق سے آج گر گئے، چوٹ لگ گئی، ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ یہ نہیں کہا کہ یہ میری شامتِ اعمال اور نالائقی کی سزا تھی۔

جزاء بھی دراصل عطا ہے

میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری فرماتے تھے کہ جنّت بھی جو اللہ تعالیٰ دیں گے وہ ہمارے عمل کا بدلہ نہ ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہوگی اور دلیل بھی میرے شیخ نے قرآن پاک سے کیسی پیش کی کہ آپ کو مزہ آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم کو جنّت دوں گا تو جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ یہ میری طرف سے بدلہ ہوگا لیکن یہ بدلہ تمہارے عمل کا نہیں ہوگا یہ بھی میری عطا ہوگی جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ کے بعد عَطَآءً حِسَابًا[۱۵۴] نازل کر دیا کہ یہ جزاء بھی دراصل میری عطا ہے، بخشش ہے۔

جنّت کو جزائے عمل فرمانا بھی رحمت ہے اور اس کی عجیب مثال

میرے شیخ فرماتے تھے کہ آخرت میں نیک عمل کا بدلہ جو ملے گا، جنّت ملے گی یہ بھی حقیقت میں ان کی عطا ہے لیکن جزاء کیوں فرمایا؟ یہ مالک تعالیٰ شانہ کی غایتِ کرم اور زبردست مہربانی ہے۔ جیسے کسی بچے کے ہاتھ کو باپ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کوئی خط لکھوا دے اور بیٹے سے کہے کہ واہ بیٹے! تم نے بڑا اچھا خط لکھا حالاں کہ وہ تو بابا نے خود لکھوایا ہے لیکن بچے کی طرف نسبت کر رہا ہے، شاباشی دے رہا ہے کہ شاباش بیٹا! تم نے بڑا

۱۵۴؎ النبأ:۳۶

اچھا خط لکھ دیا۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ نماز روزہ ہو رہا ہے لیکن ہمارا دل خوش کرنے کے لیے فرمایا کہ جنّت تمہارے اعمال کی جزا ہے تمہارے رب کی طرف سے جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ لیکن اے میرے پیارے بندو! جَزَآءً کہہ رہا ہوں تمہاری شاباشی کے لیے مگر حقیقت میں یہ عطا ہے، میرا اجزاء کہنا بھی عطا ہے، تمہارے عمل کے بدلہ میں میرا یہ لفظ جزاء بھی عطا ہے تمہارا دل خوش کرنے کے لیے۔ میرے شیخ کے علوم کو ذرا دیکھیے جن کے لیے حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانوی نے فرمایا تھا کہ آپ حاملِ علومِ نبوت بھی ہیں اور حاملِ علومِ ولایت بھی ہیں۔ حضرت پر علوم الہام ہوتے تھے۔ کیا علمِ عظیم ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جو کچھ ہم کو جزاء دیں گے وہ سب اللہ کی عطا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف اور مسئلۂ سلوک کو کہ بعض نادان صوفی اللہ پاک کے انعامات کو اپنے مجاہدات کی طرف نسبت کرتے ہیں میں قرآنِ پاک سے مدلل کر کے پیش کرنا چاہتا ہوں مجھے بہت خوشی ہوتی ہے کہ میں اپنے بزرگوں کی باتوں کو قرآن پاک کی دلیل سے یا حدیثِ پاک کی دلیل سے ثابت کر دوں۔ حضرت حکیم الامت نے اس مسئلۂ سلوک کے متعلق وہاں کوئی دلیل نہیں لکھی۔ یہی لکھا جو میں نے پیش کیا۔ اب دلیل پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِہٖ جو اسلام سے مرتد ہو جائے گا تو ہمیں ایسے خبیثوں کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے اسلام سے جتنے لوگ چاہو بھاگ جاؤ اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے، تم محتاج ہو اللہ کے۔ لہٰذا اگر تم مرتد ہوتے ہو تو فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ تو میں جلد سے جلد ایک قوم پیدا کر دوں گا۔ ”ف“ داخل کر دیا فَسَوْفَ جس کے معنیٰ ہیں کہ بلا تاخیر میں ایک ایسی قوم پیدا کر دوں گا یُّحِبُّھُمْ جس سے اللہ تعالیٰ محبت فرمائیں گے وَیُحِبُّوْنَہٗ اور وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔

یُحِبُّوْنَہٗ پر یُحِبُّھُمْ کی تقدیم کی ایک حکمت

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، خادم سے کہا کہ تسبیح لاؤ۔ پھر تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو یاد فرما رہے ہیں۔ خادم نے پوچھا کہ حضور! آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ یاد فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ تم ہم کو یاد کرو ہم تم کو یاد کریں گے۔ لہٰذا میں تو ان کو یاد کر رہا ہوں تو وہ کیوں نہ مجھے یاد کریں گے۔ قرآن پاک غلط نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے فَاذْکُرُوْنِیْ تم ہم کو یاد کرو اپنی اطاعت سے، ہم تم کو یاد کریں گے اپنی عنایت سے یعنی فَاذْکُرُوْنِیْ

بِالْاِطَاعَةِ اَذْکُرْکُمْ بِالْعِنَایَةِ[۱۵۵] تو جب میں اللہ کو یاد کر رہا ہوں تو یقیناً اللہ تعالیٰ مجھ کو یاد فرما رہے ہیں۔

تقدیم یُحِبُّھُمْ کی دوسری حکمت از تفسیر روح المعانی

اب علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب سنیے۔ اختر کا جو جواب آپ نے سنا یہ بھی ان ہی بزرگوں کا صدقہ ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِنَّ اللہَ تَعَالٰی قَدَّمَ مَحَبَّتَہٗ عَلٰی مَحَبَّةِ عِبَادِہٖ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو بندوں کی محبت پر مقدم کیا، یُحِبُّھُمْ فرما کر اپنی محبت کو پہلے بیان کیا اور یُحِبُّوْنَہٗ میں بندوں کی محبت کو بعد میں بیان کیا۔ اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ تاکہ صحابہ کو معلوم ہو جائے اور قیامت تک اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بندے سمجھ جائیں، یقین کر لیں، ایمان لائیں کہ اَنَّھُمْ یُحِبُّوْنَ رَبَّھُمْ یہ لوگ اپنے رب سے محبت کر رہے ہیں اور کیوں کر رہے ہیں بِفَیْضَانِ مَحَبَّةِ رَبِّھِمْ[۱۵۶] اپنے ربّ کی محبت کے فیضان سے چوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کر رہے ہیں اس لیے یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہے ہیں۔ جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ دراصل اللہ کی محبت کا فیضان ہے اور جو اس پر ایمان نہ لائے وہ شیطان ہے۔ جب اللہ کی محبت کی اور عبادت کی توفیق ہو جائے تو سمجھ لو کہ مالک کی محبت کا فیضان ہے۔

آگے فرمایا: ذٰلِکَ فَضْلُ اللہِ یہ میرا فضل ہے۔ اللہ کے فضل سے رجوعِ جسمانی بھی ہے اور اللہ کے فضل سے رجوعِ باطنی بھی ہے۔ لہٰذا محبت میں جب ترقی محسوس کرو تو سمجھ لو کہ یہ مالک کا فضل ہے۔

اہلِ محبت کی تین علامات

اب اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی علامات بیان فرما رہے ہیں کہ تین علامتیں جس میں دیکھ لینا تو سمجھ لینا کہ یہ میرے عاشقوں میں سے ہے۔

پہلی علامت... مؤمنین کے ساتھ تواضع و فنائیتِ نفس

اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اپنے نفس کو مٹا دیتا ہے کیوں کہ میں جس کے دل میں آتا ہوں اس کا نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں سے تواضع کے ساتھ ملتا ہے، ہر مسلمان کو اپنے سے بہتر سمجھتا ہے، اپنے

---

[۱۵۵] بیان القرآن: ۸۶/۱، البقرة (۱۵۲)، ایچ ایم سعید

[۱۵۶] روح المعانی: ۱۹۲/۶، المآئدة (۵۴)، دار احیاء التراث، بیروت

کو ہر مسلمان سے کمتر سمجھتا ہے، دل سے مسلمانوں کا اکرام کرتا ہے۔

اللہ کے عاشقوں کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایمان والوں کے ساتھ اپنے نفس کو مٹا دیتے ہیں، مسلمانوں سے مٹ کر ملتے ہیں، دل میں ہر مسلمان سے خود کو کمتر سمجھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں ہوں، مؤمنین کا اکرام میرے لیے باعثِ عزت ہے۔

بوقتِ مقابلہ اہلِ محبت کی کفّار پر شدت

ان کی دوسری صفت کیا ہے؟ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کافروں پر سخت ہیں، میرے دشمنوں کے سامنے نفس کی فنائیت نہیں دِکھاتے مثلاً ہندوستان سے جنگ ہو رہی ہو اور پاکستانی فوجی بارڈر پر ہندوؤں سے کہے کہ اے ہندو بھائیو! ناچیز حقیر فقیر عبد القدیر آپ سے لڑنے آیا ہے۔ وہاں ایسا کہنا حرام ہے، وہاں اکڑ کر جاؤ۔ بھائی وائی کچھ مت کہو۔ کہہ دو کہ اے کافرو! آج ہم تمہیں کلمہ کی گرمی اور ایمان کی طاقت دکھائیں گے، تم اگر سیر ہو تو ہم سوا سیر ہیں۔

یہ دونوں ملا کر اللہ تعالیٰ نے ایک علامت بیان کی ہے معطوف علیہ معطوف سے جملہ معطوفہ بن کر ایک علامت ہوئی اور دوسری علامت کیا ہے؟

اہلِ محبت کی دوسری علامت...يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں، تکالیف اُٹھاتے ہیں اور یہ مجاہدہ چار قسم کا ہے جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ہے:

(۱)...رضائے حق کی تلاش میں تکلیف اٹھانے والے:

اَلَّذِيْنَ اخْتَارُوا الْمَشَقَّةَ فِي ابْتِغَآءِ مَرْضَاتِنَا جو ہم کو خوش کرنے کے لیے اپنی خوشیوں کو قربان کر دیتے ہیں جیسے دل چاہتا ہے کہ اس ٹیڈی کو، حسین لڑکی کو یا حسین لڑکے کو دیکھ لو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیسے پہچانو گے کہ یہ میرا عاشق ہے؟ میرا عاشق ہے تو میری خوشی کو مقدم کرے گا اپنی خوشی کا خون کر دے گا پھر اس کے دل کے سرخ اُفق پر میں اپنے قرب کا سورج طلوع کرتا ہوں جس کی مستی کے سامنے دنیا بھر کی لیلاؤں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

تو مجاہدہ نمبر ا یہ ہے کہ اہلِ محبت جب اپنی خوشیوں میں اور اللہ کی خوشیوں میں تصادم دیکھتے ہیں تو اللہ کی خوشی پر عمل کرتے ہیں اور اپنی خوشیوں کا خون کر دیتے ہیں اور آسمان کی طرف دیکھتے ہیں کہ اے اللہ دل تو چاہتا ہے کہ اس حسین اور نمکین یا اس حسینہ اور نمکینہ کو دیکھ لیں مگر اے اللہ! آپ کی اجازت نہیں ہے آپ نے قرآن پاک میں منع فرمایا ہے، لہٰذا میں آپ کو خوش کرتا ہوں اور اپنے نفس دشمن کو ناخوش کرتا ہوں اور زبانِ حال سے یہ شعر پڑھتا ہوا نظر پھیر لیتا ہے ؎

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں
آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو میرے عاشق ہیں اور میں جن سے محبت کرتا ہوں ان کو کیسے پہچانو گے؟ علامت یہ ہے کہ جن سے میں محبت اور پیار کرتا ہوں ان کو غیروں سے دل نہیں لگانے دیتا۔ یہ علامت ہے کہ میں ان بندوں سے پیار کرتا ہوں۔ آپ بتائیے آپ اپنی چیز کسی کو دیتے ہیں؟ تو جو اللہ کا ہو گیا، جس کو اللہ نے اپنے لیے منتخب کر لیا اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں کو حسینوں کے سپرد نہیں کریں گے۔ اگر وہ خود بھی چاہے گا تو نہیں جا سکتا، غیر کا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا پہلی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرماتے ہیں کہ وہ اللہ کی خوشی کو آگے رکھتے ہیں، اپنی خوشیوں کا خون کرتے ہیں۔

(۲)...دین کی نصرت میں مشقت اٹھانے والے:

اَلَّذِیْنَ اخْتَارُوا الْمَشَقَّةَ فِیْ نُصْرَةِ دِیْنِنَا اور دوسری علامت یہ ہے کہ وہ ہمارے دین کو پھیلانے کی مشقت کو اُٹھاتے ہیں چاہے مال سے ہو یا علم سے ہو، علماء کو باہر ملکوں میں اپنا مال خرچ کر کے اشاعتِ دین کے لیے بلاتے ہیں اور عالم دین وعظ و نصیحت کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں مشقت برداشت کرتا ہے۔ عالمِ دین اور اس کے ساتھ رہنے والے قیامت کے دن اسی قافلہ میں، دین کے پھیلانے والوں میں شامل ہوں گے۔

(۳)...احکامِ الٰہیہ کی تعمیل میں مجاہدہ کرنے والے:

اور اللہ کے عاشقوں کی تیسری علامت ہے اَلَّذِیْنَ اخْتَارُوا الْمَشَقَّةَ فِی امْتِثَالِ اَوَامِرِنَا جو

لوگ اللہ کے احکام بجالانے میں پس و پیش نہیں کرتے، اگر مگر نہیں کرتے۔

مرضی تری ہر وقت جسے پیشِ نظر ہے
پھر اس کی زباں پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

وہ یوں نہیں کہتے کہ اگر داڑھی رکھ لوں گا تو مگر کیا ہوگا۔ ارے میاں اگر نے شادی کی مگر سے اس سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام ہے کاش کہ۔ اگر مگر نہ کیجیے ورنہ مرنے کے بعد کہنا پڑے گا کہ کاش کہ داڑھی رکھ کر مرتے۔ جلدی کیجیے، دیر نہ کیجیے۔

نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
تُو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی

اور داڑھی رکھ کر گال کھرچنے کی تکلیف سے نجات حاصل کیجیے، عیش کیجیے نہ بلیڈ کی ضرورت نہ گال کھرچنے کی، ورنہ سنگل کوٹ، ڈبل کوٹ اور کھونٹی اکھاڑ کوٹ ایک مصیبت ہے، داڑھی سے آدمی قلندر لگتا اور داڑھی منڈانے سے انسان بندر معلوم ہوتا ہے اور بیوی بھی اس سے دعا نہیں کراتی۔ کہتی ہے کہ یہ تو ''ٹٹ فارٹیٹ'' (tit for tat) ہے جیسی میں ہوں ویسا یہ ہے۔ دونوں کے گال برابر۔ داڑھی رکھ لیجیے پھر بیوی کہے گی کہ میاں! دعا کرنا۔ دنیا کی تکلیف سے بھی نجات، اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش ہوں اور اللہ والوں کی جماعت میں آپ داخل ہو جائیں گے۔

(۴)...اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا غم اُٹھانے والے:

اور اللہ کے عاشقوں کی چوتھی علامت کیا ہے؟ اَلَّذِیۡنَ اخۡتَارُوا الۡمَشَقَّةَ فِی الۡاِنۡتِهَآءِ عَنۡ مَّنَاهِیۡنَا[۱۵۷] اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے رک جاتے ہیں، اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔

اہلِ محبت کی تیسری علامت... مخلوق کی ملامت کا خوف نہ ہونا

اللہ کے عاشقوں کی تیسری علامت یہ ہے کہ مخلوق کی ملامت کا خوف دل سے نکل جائے۔ کوئی کچھ کہے آپ وہی کام کیجیے جس سے اللہ خوش ہو، ساری دنیا آپ پر ہنسے لیکن آپ کو کسی کی پروانہ ہو ان شاء اللہ

---

۱۵۷ التفسیر المظھری: ۸/۹۵، العنکبوت (۶۹)، بلوجستان بك دبو

آپ ہی کا درجہ بلند ہو گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ یہ تینوں علامتیں بیان فرمارہے ہیں کہ جس نے اپنے نفس کو مٹا دیا، جس نے چاروں قسم کے مجاہدات کیے اور میری راہ میں تکلیف اٹھائی اور جس نے اپنے قلب میں سارے عالم کی ملامت سے بے خوفی محسوس کی یہ اس کا کمال نہیں ہے بلکہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ یہ اللہ کی مہربانی ہے يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے پتا چلا کہ ہمیں اللہ کی جتنی بھی نعمتیں ملیں، جو کمالات عطا ہوئے یہی کہے کہ مالک! یہ آپ کا فضل، آپ کی مہربانی ہے، میرا کوئی کمال نہیں۔ آپ کی عطا ہے، آپ کا کرم ہے، آپ کا فضل ہے اور فضلِ محتاج قانون نہیں ہوتا جیسے کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ وہ شخص جس نے سو قتل کیے تھے اور جو توبہ کے ارادہ سے چلا لیکن راستے میں اس کا انتقال ہو گیا اور وارثین سے معافی بھی نہیں مانگ سکا۔ روح نکالنے میں رحمت کے فرشتوں میں اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین کی پیمائش کرلو۔ اگر گناہ کی زمین قریب ہے تو عذاب کے فرشتے اس کی روح لے جائیں اور توبہ کی زمین اور نیک بندوں کی بستی قریب ہے تو رحمت کے فرشتے لے جائیں، جب فرشتوں نے زمین کی پیمائش کی تو اللہ نے گناہ کی زمین کو دور کر دیا اور اللہ والوں کی زمین کو قریب کر دیا۔ وہ زمین دراصل قریب نہیں تھی اللہ نے حکم دے دیا: تَقَرَّبِيْ اے زمین! تو قریب ہو جا۔

فضل قانون سے بالاتر ہے

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ پیمائش کا حکم دینا یہ اللہ تعالیٰ کا عدل تھا اور زمین کو قریب کر دینا یہ اس کا فضل تھا اور فضل پابندِ قانون نہیں ہوتا جیسے آپ دو مزدور لائے اور دونوں کو سو روپے یومیہ پر رکھا۔ شام کو آپ نے دونوں کو حسبِ وعدہ سو سو روپے دیے لیکن ایک مزدور سے چپکے سے کہا کہ قانون سے تم سو روپے کے مستحق تھے جو ہم نے تم کو ادا کر دیے لیکن میں مکہ شریف سے ایک گھڑی لایا تھا، وہ مہربانی کے طور پر تم کو دے رہا ہوں۔ مہربانی اور فضل قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے جنّت عطا فرمادیں اگرچہ قانوناً ہم جہنم کے لائق ہوں، سزا کے لائق ہوں لیکن اے خدا! اپنے فضل کے صدقہ میں ہم سب کو بلا استحقاق جنّتی ہونا مقدر فرمادے اور بے حساب مغفرت فرمادے۔

بس آج میرا مقصود یہی تھا کہ میں حکیم الامّت مجدد الملّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ کے مسئلۂ سلوک کو قرآن پاک کی دلیل سے ثابت کروں کہ حضرت نے جو کچھ فرمایا

کہ اپنے کمالات کو اپنے مجاہدات کا ثمرہ نہ سمجھنا چاہیے اس کی دلیل قرآنِ پاک سے یہ ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ کہ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے سامنے پستی و خاکساری اختیار کرتے ہیں اور کافروں کے اوپر سخت ہیں اور میری راہ میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور سارے جہان کی ملامتوں سے نہیں ڈرتے یہ ان کا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ میرا کرم، میری مہربانی، میرا فضل ہے جس کو چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

واسعٌ اور علیمٌ کا ربط

یہاں یہ دو اسم وَاسِعٌ اور عَلِيْمٌ کیوں نازل فرمائے؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وَاسِعٌ کے معنی ہیں کثیر الفضل۔ وَاسِعٌ اس لیے نازل کیا کہ کہیں میرے بندے یہ نہ سوچیں کہ جب فضل سب پر تقسیم ہو جائے گا تو ہم کو کہاں سے اللہ میاں اتنا فضل دیں گے۔ اسی لیے یہاں وَاسِعٌ نازل فرمایا کہ میرا فضل تھوڑا سا نہیں ہے، میں کثیر الفضل ہوں۔ میرے پاس فضل کا اتنا خزانہ ہے کہ لَا يَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَهٗ میں اللہ ہوں اور مجھے اپنے فضل کے ختم ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ یہ عبارت روح المعانی کی ہے۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کی تفسیر کی اَیْ كَثِيْرُ الْفَضْلِ لَا يَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَهٗ مِنَ الْفَضْلِ اللہ تعالیٰ کے پاس اتنا فضل ہے کہ اللہ کبھی اپنے فضل کے ختم ہونے کا اندیشہ نہیں کرتا، غیر محدود فضل ہے کہ اگر ساری کائنات پر تقسیم کردے تو بھی کمی نہیں ہوگی۔ اور عَلِيْمٌ کے معنیٰ کیا ہیں اَیْ عَلِيْمٌ بِاَهْلِهٖ وَمَحَلِّهٖ[۱۵۸] اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے فضل کے کون لوگ اہل ہیں اور کس محل میں مجھ کو اپنا فضل کرنا ہے لٰہذا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل کا اہل بھی بنادے اور محل بھی بنادے۔ جب وہ فضل کرتا ہے تو خود ہی سب کچھ بنادیتا ہے؎

حسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یوں ہی نام ہوتا ہے

آخری آیت وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کی تشریح کے لیے کہ اللہ کے فضل کا کون اہل اور محل ہے، مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر سن لیجیے سب مطلب سمجھ میں آجائے گا۔ وہ کیا شعر ہے؎

سن لے اے دوست! جب ایّام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

۱۵۸؎ مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۱۲، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

آیتِ شریفہ کی شرح بعنوانِ دگر

مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ[۱۵۹]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں سے محبت کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا وَ یُحِبُّوۡنَہٗ کہ میرے بندے بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں:

قَدَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَحَبَّتَہٗ عَلٰی مَحَبَّۃِ عِبَادِہٖ لِیَعْلَمُوْا اَنَّھُمْ یُحِبُّوْنَ رَبَّھُمْ بِفَیْضَانِ مَحَبَّۃِ رَبِّھِمْ

اللہ نے اپنی محبت کو اپنے بندوں کی محبت سے پہلے بیان کیا تاکہ میرے بندے جان لیں کہ ان کو جو میرے ساتھ محبت ہے یہ میری ہی محبت کا فیضان ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تصوف کہاں ہے؟ میں کہتا ہوں کہ سارا قرآنِ پاک اور ساری حدیثِ پاک تصوف ہی تصوف ہے۔ تصوف نام ہے محبت کا اور قرآن وحدیث میں محبت ہی محبت ہے۔ منکرین تصوف دراصل وہی ہیں جو محبت سے خالی ہیں۔ ظالموں کو اللہ والوں کی غلامی کرنے میں حُبِّ جاہ مانع ہے کہ اس راستے میں تو چھوٹا بننا پڑے گا، کسی کو اپنا بڑا بنانا پڑے گا لٰہذا حُبِّ جاہ مانع ہے کہ میں بڑا بنا رہوں، لوگ مجھے سلام کریں حالاں کہ اگر یہ اپنے آپ کو اللہ والوں کے سامنے مٹا دیتے تو مخلوق بھی ان کو دل سے چاہتی، مخلوق کے دل میں اللہ ان کی عزت ڈال دیتا۔ تو یُحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں ناز نہ کریں کیوں کہ یہ میری ہی محبت کا فیضان ہے اور اہل اللہ چوں کہ مظہرِ صفاتِ حق ہوتے ہیں، متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں، واسطۂ ظہورِ رحمت ہوتے ہیں لٰہذا پہلے وہ اللہ کے بندوں سے محبت کرتے ہیں جس کے فیض سے مریدین ان کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے شیخ سے کہا کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ میری ہی محبت کا فیض ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت! میں آپ کو زیادہ چاہتا ہوں۔ تو فرمایا: اچھا! اور حضرت نے اپنی توجہ ہٹالی۔ پھر چھ مہینے تک وہ شخص نہیں آیا جب کہ روزانہ آتا تھا۔ پھر شیخ نے توجہ ڈالی اور محبت سے اس کو یاد کیا تو پھر آگئے۔ تو فرمایا کہ آپ کی محبت کہاں گئی، چھ مہینے کہاں رہے؟ وہ مرید نادم ہوا اور عرض کیا کہ حضرت! یقین آگیا کہ میری محبت آپ ہی کی محبت کا فیضان ہے۔

اور یہ آیت مرتدین کے مقابلے میں ہے کہ یہ مرتد بے وفا ہیں ان میں محبت نہیں ہے اب ان کے مقابلے میں فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ میں ایک قوم عاشقوں کی پیدا کروں گا کون سی قوم؟ یُحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ

۱۵۹؎ المآئدۃ: ۵۴

یہ وہ قوم ہے جس سے میں محبت کروں گا اور جو مجھ سے محبت کرے گی۔ معلوم ہوا کہ عاشقوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے **فَسَوۡفَ یَاۡتِی** کا ظہور ہے جس کا سلسلہ قیامت تک رہے گا کیوں کہ اتیان میں **سوف** ہے مگر اس کا تسلسل منقطع نہیں ہے لہٰذا جو اپنے شیخ کا عاشق ہو تو سمجھ لو کہ یہ **فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ** کا ایک فرد ہے۔ اس لیے **بِقَوۡمٍ** نازل فرمایا **بِاَقۡوَامٍ** نازل نہیں فرمایا کہ ہم بہت سی قومیں نازل کریں گے۔ مفرد نازل فرما کر بتا دیا کہ سارے عالم کے عاشق ایک ہی قوم ہیں لہٰذا ہم سب ایک قوم ہیں اگرچہ کوئی پنجابی ہے، کوئی بنگالی ہے، کوئی ہندوستانی ہے، کوئی فارسی ہے، کوئی عربی ہے لاکھوں زبانیں ہیں مگر اللہ کے عاشقوں کو اللہ نے ایک قوم فرمایا۔ دیکھو یہاں کتنے ملکوں کے لوگ جمع ہیں۔ یہ برطانیہ کا ہے یہ انگریزی میں ''ہاؤ آر یو'' how are you? کہے گا، یہ جنوبی افریقہ کا ہے یہ تمہاری طبیعت ''کیم چھو'' پوچھے گا اور بنگلہ دیش والے پوچھیں گے ''کیمن آچھی'' اور پٹھان کہے گا ''پخیر راغلے'' اور فارسی والا کہے گا ''مزاج شما چہ طور است'' اور عربی والا کہے گا **کَیۡفَ حَالُکَ** لیکن یہ سب ایک قوم ہیں۔ معلوم ہوا کہ قومیت زبانوں سے نہیں بنتی، معلوم ہوا کہ قومیت صوبوں اور علاقوں سے نہیں بنتی، معلوم ہوا کہ قومیت رنگ و روغن اور الوان والسنتہ کے اختلاف سے نہیں بنتی، یہ قومیت **یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ** سے بنتی ہے، اللہ کے عاشقوں سے بنتی ہے جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا پورے عالم میں جو بھی اللہ کا عاشق ہو گا وہ ہماری قوم ہے اور جو ان کا عاشق نہیں وہ ہمارا نہیں، وہ ہماری قوم کا نہیں اگرچہ ہمارے وطن کا ہو، اگرچہ ہمارا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، ہمارا خون، ہماری زبان، ہمارا صوبہ، ہمارا علاقہ، ہمارے ملک کا ہی کیوں نہ ہو لیکن وہ ہماری قوم کا نہیں کیوں کہ وہ اللہ کا عاشق نہیں ہے۔ **یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ** کا فرد نہیں ہے۔ ہماری قوم اللہ کے عاشقوں سے بنتی ہے۔ سارے عالم کو اس قوم کی خبر نہیں، یہ وہ قوم ہے جس کو خالقِ کائنات نے نازل فرمایا ہے۔ اے روس و امریکا! تم کیا جانو کہ قوم کیا چیز ہے؟ پیدا کرنے والا جانتا ہے۔ جس نے ہم سب کو پیدا کیا اس کی بتائی ہوئی قومیت معتبر ہے یا تمہاری بنائی ہوئی؟ تمہاری قومیت تو رنگ و نسل، ملک و قوم اور زبانوں کے اختلاف سے بنتی ہے جس کا نتیجہ نفرت و عداوت ہے اور عاشقانِ خدا کی قوم کی امتیازی شان **یُحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ** ہے کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے عاشقوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔ ایک عاشق دوسرے عاشق سے مل کر مست ہو جاتا ہے۔

کیوں کہ ایک قوم ہونے کے احساس سے محبت میں خود بخود اضافہ ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کو اپنی قوم سے محبت ہوتی ہے۔ اس آیت کا نزول سارے عالم کے عشاق میں اضافۂ محبت کا ضامن ہے کیوں کہ یہ علم کہ ہم ایک قوم ہیں اور ایسی قوم ہیں کہ جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور جو اللہ سے محبت کرتے ہیں تو ہر شخص اپنی

قوم کو محبوب رکھتا ہے جیسے جن بچوں کو باپ سے تعلق قوی ہوتا ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں اور باپ سے تعلق کمزور ہوتا ہے تو آپس میں لڑائی ہوتی ہے۔ جو اللہ کی محبت سے محروم ہیں وہی آپس میں لڑتے ہیں اور جن کے قلب اور قالب پر اللہ کی محبت غالب ہے وہ ایک دوسرے پر فدا ہوئے جاتے ہیں۔

سارے عالم کے عاشقانِ خدا ایک قوم ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کی ایک قوم پیدا کرے گا۔ اَتٰی یَاْتِیْ کے ساتھ اللہ نے "ب" لگادیا تاکہ اتیان معنیٰ میں متعدی ہو جائے، لانے کے معنیٰ میں ہو جائے کہ یہ قوم خود سے نہیں بنتی، بنائی جاتی ہے، اولیاء اللہ بنائے جاتے ہیں خود سے نہیں بن سکتے۔ اور اس قوم کی کیا شان ہے؟ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کہ اللہ اس قوم کے افراد سے محبت کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے اور یہی دلیلِ عشق ہے کہ وہ قوم اللہ تعالیٰ کی عاشق ہو گی۔ اور قوم نازل فرمایا اقوام نہیں نازل فرمایا۔ لہٰذا پنجاب کا ولی اللہ، سندھ کا ولی اللہ، بلوچستان کا ولی اللہ، سرحد کا ولی اللہ، افغانستان کا ولی اللہ اور سارے عالم کے ولی اللہ سب ایک قوم ہیں، سب اپنے بھائی ہیں، سب ہماری برادری ہیں، اللہ کے عاشقوں کی ایک ہی برادری ہے۔ اقوام نازل نہ فرمانا دلیل ہے کہ اللہ کے عاشقین بہت سی قومیں نہیں ہیں، ایک ہی قوم ہیں لہٰذا ان کو اپنی برادری سمجھو۔ یہ مت دیکھو کہ وہ کون سی زبان بولتے ہیں اور ان کا رنگ اور کلر colour کیا ہے؟ مسلمان حبشی کا کلر مت پوچھو، انگریز مسلمان کا کلر مت پوچھو۔ کوئی رنگ ہو، کوئی کلر ہو، کوئی نسل ہو، کوئی زبان ہو، اللہ تعالیٰ کے عاشقین سب ایک قوم ہے۔ اللہ کے عاشقوں کی قوم، رنگ اور نسل اور زبان اور علاقوں سے نہیں بنتی۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ سے بنتی ہے لہٰذا جو بھی اللہ کا عاشق ہے خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا ہو کسی زبان اور کسی علاقہ کا ہو یہ سب ایک ہی قوم اور ایک برادری ہیں۔

آج ایک عظیم علم اللہ نے عطا فرمایا کہ جتنے مرتد ہیں بے وفا ہیں، یہ اہلِ محبت نہیں ہیں، یہ پیاسے نہیں تھے ورنہ پانی ان کو خود تلاش کر لیتا۔ اگر ان کے دل میں محبت کی پیاس ہوتی تو اللہ کی رحمت ان کو خود تلاش کر لیتی، اپنے آغوشِ کرم میں لے لیتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو محروم نہیں فرماتے کیوں کہ عاشق بھی اپنے محبوب کا در نہیں چھوڑتا۔ خواجہ صاحب نے اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں پیش کیا ہے؎

میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے

جبیں معنیٰ پیشانی یعنی ہماری پیشانی اللہ کی چوکھٹ کو رگڑتی رہے گی، قیامت تک اگر اللہ ہمیں زندگی دے دے تو ہم بے وفا اور بھاگنے والے نہیں ہیں، اللہ کے دروازے پر ہماری پیشانی قیامت تک رہے گی ؏

سرِ زاہد نہیں یہ سر، سرِ سودائی ہے

یہ عاشقوں کا سر ہے، یہ زاہدِ خشک کا سر نہیں ہے جو اُن کے در کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔

اگر اہلِ محبت بھی بے وفا ہوتے تو مرتدین کے مقابلے میں یہ آیت نازل نہ ہوتی۔ اگر اہل محبت بے وفا ہوتے تو نعوذ باللہ مرتد کا مقابلہ مرتد سے ہوتا حالاں کہ مقابلہ تو ضد سے ہوتا ہے جیسے دو من طاقت والے پہلوان کے مقابلے میں چار من طاقت والا پہلوان لایا جاتا ہے۔ پس اس آیت میں اہلِ ارتداد کا مقابلہ اہلِ وفا سے ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ قوم اہلِ وفا ہے جو کبھی مرتد نہ ہوگی۔ بے وفائی کی کلی مشکک کے فردِ کامل یعنی مرتدین کے مقابلے میں وفاداری کی کلی مشکک کے فردِ کامل یعنی اہلِ محبت لائے جارہے ہیں لٰہذا یہ کبھی بے وفا نہ ہوں گے۔ اس قومیت کے عالم میں جتنے افراد ہوں گے وہ کبھی مرتد نہیں ہوں گے، بے وفا نہیں ہوں گے، اللہ کا دروازہ نہیں چھوڑیں گے اور شیخ کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ شیخ سے بھاگنے والے بھی وہی ہوتے ہیں جن میں محبت نہیں ہوتی، جس طرح نبی سے بھاگنے والے جو تھے وہ پہلے ہی سے بے وفا تھے۔ شیخ نائبِ رسول ہوتا ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے اسی کے دل میں شیخ کی محبت ہوتی ہے، جس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی اس کو اہل اللہ سے محبت نہیں ہوتی اور جس کے دل میں اہل اللہ کی محبت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت نہیں کرتے۔ اللہ کے پیاروں کے صدقہ میں ہی اللہ تعالیٰ کی عنایت و محبت نصیب ہوتی ہے۔ جو نبی پر ایمان نہیں لائے کیا اللہ نے ان سے محبت کی؟ کیا ابوجہل سے اللہ نے محبت کی؟ کیا ابولہب سے اللہ نے محبت کی؟ نبی سے دشمنی کے سبب ان پر غضب نازل ہوا اور جنہوں نے نبی سے محبت کی اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرفراز ہوئے۔ معلوم ہوا کہ جو اپنے شیخ و مرشد سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت و عنایت ان کو نصیب ہوتی ہے اور جو اہل اللہ سے محبت نہیں کرتے عنایاتِ حق سے محروم رہتے ہیں۔

اور اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت بھی ہے کہ اہلِ محبت کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیوں کہ اللہ جس سے محبت کرے اور جو اللہ سے محبت کرے گا بھلا اس کا خاتمہ خراب ہوگا؟ اسی لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ محبت کی صحبت میں رہو تاکہ ان کی برکت سے تمہارے دل میں بھی اللہ کی محبت آجائے جو ضامن ہے حسنِ خاتمہ کی۔

آیتِ بالا کی مزید شرح

کفّار سے موالات و محبت سببِ اِرتداد ہے

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡیَهُوۡدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوۡلِیَآءَ اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بنانا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کرنے کو منع فرمایا اور اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل فرمائی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِهٖ ...الخ جس میں مرتدین کا تذکرہ ہے اور یہ دلیل ہے کہ اِنَّ مُوَالَاةَ الۡیَهُوۡدِ وَ النَّصَارٰی تُوۡرِثُ الۡاِرۡتِدَادَ [۱۶۰] یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی ارتداد کا سبب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیش بندی اور روک تھام فرمادی کہ دیکھو میرے دشمنوں سے دوستی مت کرنا، ان سے معاملات جائز لیکن موالات حرام ہے یعنی اپنے قلب کو ان کے قلب سے قریب نہ کرنا ورنہ ان کے قلب کا کفر تمہارے قلب میں آجائے گا۔ جس تالاب میں مچھلی نہ ہو لیکن کسی مچھلی والے تالاب سے اس کا رابطہ ہوجائے تو ساری مچھلیاں اس میں منتقل ہوجائیں گی، اسی طرح اگر یہود و نصاریٰ سے تم نے اپنا دل قریب کیا تو ان کے کفر کی مچھلیاں تمہارے دل کے تالاب میں آجائیں گی۔ لہٰذا تم ان سے معاملات تو کرسکتے ہو لیکن ان کے ساتھ موالات یعنی محبت و دوستی حرام ہے اور معاملات کیا ہیں؟ تجارتی لین دین، خرید و فروخت وغیرہ۔ آپ فرانس جاکر کافروں سے مال خرید سکتے ہیں لیکن دل میں ان کی محبت و اِکرام نہ آنے پائے۔ ایسا نہ ہو کہ دلی اکرام کے ساتھ ان کو گڈ مارننگ اور سلام کرلو۔ ان کی عزت دل میں آئی اور کفر ہوا مَنۡ سَلَّمَ الۡکَافِرَ تَبۡجِیۡلًا لَا شَكَّ فِیۡ کُفۡرِهٖ [۱۶۱] جو کسی کافر کو اِکرام کے ساتھ سلام کرے گا وہ بھی کافر ہوجائے گا کیوں کہ اللہ کے دشمن کا اِکرام کررہا ہے۔ ہمارے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب ایک ہندو ڈاکیا آتا تھا اور سلام کرتا تھا کہ مولوی صاحب! آداب عرض! تو حضرت فرماتے تھے آ...... داب اور میرے کان میں فرماتے تھے کہ میں یہ نیت کرتا ہوں کہ آ اور میرا پیر داب۔ فرمایا کہ یہ اس لیے کرتا ہوں تاکہ کسی کافر کا اِکرام لازم نہ آئے۔ غرض کافر کا اِکرام دل میں نہ ہو اور

---

[۱۶۰] روح المعانی: ۶/۱۶۰، المآئدۃ (۵۴)، دار احیاء التراث، بیروت، ذکرہ بلفظ ان موالاتھم مستدعیۃ للارتداد عن الدین

[۱۶۱] الدر المختار: ۶/۴۱۳، کتاب الحضر والاباحۃ، فصل فی البیع، ایچ ایم سعید

تحقیر بھی نہ ہو کیوں کہ کافر کے کفر سے تو بغض واجب ہے لیکن کافر کی تحقیر حرام ہے کیوں کہ معلوم نہیں کہ کس کا خاتمہ کیسا ہونے والا ہے لہٰذا جس کافر کو دیکھو تو یہ پڑھ لیا کرو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ عَافَانِیۡ مِمَّا ابۡتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقَ تَفۡضِیۡلًا [۱۶۲] اس میں آپ تحقیر سے بچ جائیں گے کیوں کہ زبان و دل سے شکر نکل گیا اور شکر اور کبر جمع نہیں ہو سکتے۔

آیت نمبر ۲۷

فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ [۱۶۳]

ترجمہ: سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نازل فرمایا کہ ہم فنا ہونے والوں سے محبت نہیں کرتے۔ آپ جنگل میں دیکھیں گے کہ جہاں کہیں مردہ بھینس یا گائے پڑی ہو گی وہاں گدھ ہی گدھ نظر آئیں گے اور بازِ شاہی صرف زندہ شیر کا شکار کرتا ہے۔ احقر کا شعر ہے ؎

می نگیرد بازِ شہ جُز شیرِ نر
کرگساں بر مُردگاں بکشادہ پر

بازِ شاہی سوائے شیر نر کے کسی جانور کا شکار نہیں کرتا اور گدھ پر پھیلائے ہوئے مردہ لاشوں سے چپٹے ہوئے ہیں۔ مردہ سڑی ہوئی لاش ان کو پلاؤ قورمہ معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح جو دنیائے فانی کے عاشق ہیں ان کا حوصلہ اتنا پست اور ذلیل ہو جاتا ہے کہ دنیائے مردار اور فنا ہونے والی صورتیں ان کو نہایت مہتم بالشان نظر آتی ہیں اور کرگسوں کی طرح مردہ لاشوں سے لذّت کشی ان کا شعار اور مقصدِ حیات بن جاتا ہے۔ جو بندہ مقرب باللہ ہو جاتا ہے اس کی روح جو شہبازِ معنوی ہے دین کی شکار گاہ میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِیۡنَ کا نعرہ بلند کرتی ہے اور بجز اللہ کے کسی

---

[۱۶۲] جامع الترمذی: ۱۸۱/۲، باب ما یقول اذا رأی مبتلی، ایج ایم سعید

[۱۶۳] الانعام: ۷۶

ماسویٰ کی طرف رُخ نہیں کرتی اور بجز رضائے الٰہی کے کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتی۔ اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ذرا سی حسین شکل سامنے آگئی تو یہ اللہ کو چھوڑ کر اس فانی صورت پر مرنے لگے۔ مؤمن طبیعت کا غلام نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس کافر اور مؤمنِ فاسق طبیعت کے غلام ہوتے ہیں جو شکل اچھی لگی اس پر فدا ہونے لگے اور جب وہی شکل بگڑ گئی سب کھیل ختم ہو گیا، حسن کے شامیانے اُجڑ گئے تو یہ عاشق صاحب بھی بگڑ گئے اور جس پر مر رہے تھے اس سے بچھڑ گئے اور ایسے بھاگے جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے:

کَاَنَّھُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَۃٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَۃٍ[۱۶۴]

آہ! پھر کیا فرق ہوا مؤمن میں اور کافر میں۔ حسن بگڑنے کے بعد تو کافر بھی بھاگتا ہے، اگر اس وقت مؤمن گناہ گار بھی بھاگا تو کیا کمال کیا کیوں کہ نفس کے کہنے سے اس کا قرار تھا نفس کے کہنے سے فرار ہوا۔ مؤمنِ کامل، صاحبِ نسبت اور ولی اللہ کی شان یہ ہے کہ عین عالمِ شبابِ حسن میں وہ اللہ کے خوف سے نظر بچاتا ہے، اس کا نفس بھی کہتا ہے کہ ایک نظر دیکھ لوں لیکن اللہ کے خوف سے وہاں سے بھاگتا ہے اور فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ[۱۶۵] پر عمل کرتا ہے اس کا فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ لِوَجۡہِ اللّٰہِ ہے اس لیے یہ عارف باللہ ہے اور جو نفس کے کہنے سے حسن پر فدا ہوا اور نفس کے کہنے سے بگڑے ہوئے حسن سے بھاگا یہ باگڑبلا تو ہو سکتا ہے عارف باللہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا فرار باگڑبلا کا فرار ہے عارف باللہ کا فرار نہیں۔ عارف باللہ کا فرار اور ہے باگڑبلا کا فرار اور ہے۔ طبیعت و نفس کے حکم سے بھاگنا اور ہے اللہ کے حکم سے بھاگنا اور ہے۔

جب میرا پہلا سفر ری یونین کا ہوا تھا جو فرانس کے ماتحت ایک جزیرہ ہے تو فرانس ریڈیو نے اعلان کیا کہ فلاں روز سمندر کے کنارے برہنہ لڑکیاں اور برہنہ لڑکے نہائیں گے۔ بعض مسلمان نوجوانوں نے مجھ سے کہا کہ مولانا صاحب! نفس میں بہت لالچ لگ رہی ہے کیا کریں؟ نفس اُدھر کھینچتا ہے اور اللہ کا خوف روکتا ہے۔ میں نے کہا کہ ایک مراقبہ چند منٹ کرو کہ یہ لڑکیاں جو کل نہائیں گی سب نوے سال کی ہو گئیں، گال پچکے ہوئے ہیں، دانت باہر ہیں، چھاتیاں ایک ایک فٹ نیچے لٹکی ہوئی ہیں، سفید بال بڈھے گدھے کی دم کی طرح جھڑ گئے، رعشہ سے گردنیں ہل رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر فرانس ریڈیو اعلان کرے کہ کل سب نوّے سال کی بڈھیاں ننگی نہائیں گی تو پھر کیا دیکھنے جاؤ گے۔ لہٰذا جس حسن پر کل بڑھاپا آنے والا ہے اس سے

۱۶۴؎ المدثر: ۵۱،۵۰

۱۶۵؎ الذّٰریٰت: ۵۰

تم آج ہی بھاگو تو اجر و ثواب اور اللہ کا قرب ملے گا، ورنہ بھاگو گے تو کل بھی لیکن پھر کوئی ثواب نہیں ملے گا، اللہ کی رضا نہیں ملے گی۔ نوجوانوں نے کہا کہ اس مراقبہ سے ہمیں بہت نفع ہوا۔

یہ تو زندگی کا حال ہے اور مرنے کے بعد جب لاش پھٹ جاتی ہے، کیڑے رینگنے لگتے ہیں، بدبو کا بھپکا اُٹھتا ہے اس وقت ذرا ان پر مر کر دِکھاؤ۔ عراق پر جب بمباری ہوئی تو دس ہزار نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی لاشیں سڑ گئیں تو اخباری رپورٹر بھی وہاں نہ جا سکے اتنی سخت بدبو تھی۔ آہ! کیا ایسی بدبودار چیزوں پر مرنے کے لیے اللہ نے ہمیں زندگی دی ہے، کیا سڑنے والی لاشوں پر مرنے کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے؟

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [۱۶۶]

اللہ نے تو ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا اور ہم مرنے والوں پر مر رہے ہیں۔ دنیا کی فانی چیزوں سے دل نہ لگاؤ اور مثل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ کہو کہ ہم ان مٹنے والی چیزوں سے محبت نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۲۸

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ [۱۶۷]

ترجمہ: سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں۔

شرحِ صدر اور اس کے معنیٰ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً مسجدِ نبوی کے منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے لوگو! اس وقت قرآنِ پاک کی ایک آیت نازل ہوئی ہے وہ سنانا مجھ پر فرض ہے، لہٰذا سن لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو ہم ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کا سینہ

۱۶۶؎ الذّٰریٰت: ۵۶

۱۶۷؎ الانعام: ۱۲۵

اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ یہاں اَنْ مصدریہ ہے یعنی مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ ھِدَایَتَہٗ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ سینہ کو کس طرح کھولتے ہیں؟ فرمایا کہ سینہ اس طرح کھلتا ہے کہ اس میں اپنا ایک نور داخل کر دیتے ہیں جس سے اس کا دل بہت وسیع ہوجاتا ہے۔

ایک ہاتھی نشین نے ایک جھونپڑی والے سے کہا کہ میں تجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں تو غریب جھونپڑی والے نے کہا کہ آپ سے کون دوستی کرے؟ آپ تو میرے یہاں ہاتھی پر بیٹھ کر آئیں گے میری تو جھونپڑی ہی مسمار ہوجائے گی، نہ میں رہوں گا نہ میری جھونپڑی رہے گی۔ اس نے کہا کہ میں جس غریب سے دوستی کرتا ہوں اس کا گھر اتنا بڑا بنوا دیتا ہوں کہ میں ہاتھی پر بیٹھ کر آسکوں۔ اللہ تعالیٰ جس کے قلب کو اپنے لیے قبول فرماتے ہیں اس کو اتنا بڑا کر دیتے ہیں کہ سارے احکام کا بجالانا اس کو آسان اور سارے گناہوں سے بچنا اس کو سہل ہوجاتا ہے۔

سُن لے اے دوست! جب ایّام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

جس کو وہ اپنا بناتے ہیں اس کے دل کو خود پتا چل جاتا ہے کہ وہ مجھے اپنا بنا رہے ہیں، اسے محسوس ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنا بنانا چاہتے ہیں۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

دل میں نورِ ہدایت آنے کی علامات

پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! سینہ کھلنا تو آپ نے بتا دیا کہ ہدایت کا نور دل میں آجاتا ہے لیکن کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درجات کو بلند فرمائے کہ انہوں نے یہ سوال کیا کہ نورِ ہدایت کے دل میں آنے کی علامت کیا ہے؟ ورنہ انگریز کہہ سکتا تھا کہ ہمارے دل میں بہت نور ہے۔ دیکھتے نہیں کہ ہماری چمڑی میں بھی

اُجالا آگیا ہے۔ تم کالو اور ہندوستانیو! کیا جانو کہ نور کیا چیز ہے؟ بتایئے کہہ سکتا تھا کہ نہیں؟ صحابۂ کرام کا احسان ہے کہ ان کے سوال سے نورِ ہدایت کی علامات کا ہم کو علم ہوگیا۔

آپ نے فرمایا: اس نور کے دل میں آنے کی تین علامات ہیں۔ دوستو! غور سے سنیے اور غور کیجیے کہ ہمارے دلوں میں ہدایت کا یہ نور کس حد تک داخل ہوا ہے؟

نورِ ہدایت کی پہلی علامت

پہلی علامت یہ فرمائی کہ اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ دنیا جو دھوکے کا گھر ہے اس سے وہ کنارہ کش رہتے ہیں۔ دنیا میں رہتے ہیں لیکن دنیا سے دل نہیں لگاتے۔ کشتی کو پانی میں چلاتے ہیں لیکن پانی کو کشتی کے اندر نہیں گھسنے دیتے۔ کشتی بغیر پانی کے چل سکتی ہے؟ پانی پر ہی چلتی ہے لیکن پانی کو اندر نہیں گھسنے دیتے۔ اگر غلطی سے پانی کچھ اندر آگیا تو کشتی والے ملازم رکھتے ہیں جو ڈبہ میں پانی بھر بھر کر کشتی کے باہر پھینک دیتے ہیں کیوں کہ اگر کشتی میں پانی بھر جائے تو کشتی بچے گی؟

تو پہلی علامت یہ ہے کہ دنیا جو دھوکے کا گھر ہے اس سے دل نہیں لگاتے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نام دھوکے کا گھر کیوں رکھا؟ جب جنازہ قبر میں اُترتا ہے تو تاجر صاحب کا کاروبار قبر میں جاتا ہے؟ ان کی مرسیڈیز اور شاندار گاڑیاں جاتی ہیں؟ ان کے سموسے اور پاپڑ جاتے ہیں؟ ان کے موبائل جن پر وہ ٹہل ٹہل کر، زاویئے بدل بدل کر اور شان دِکھانے کے لیے عجیب عجیب منہ بنا کر بات کرتے ہیں بتاؤ وہ قبر میں ساتھ جاتے ہیں؟ اسی لیے دنیا دھوکے کا گھر ہے کہ جب جنازہ قبر میں اترتا ہے تو کوئی ساتھ نہیں دیتا، نہ کاروبار، نہ سموسہ نہ پاپڑ۔

بس جس کے دل میں ہدایت کا نور داخل ہوتا ہے اس کی پہلی علامت یہ ہے کہ دنیا جو دھوکے کا گھر ہے اس سے وہ دل نہیں لگاتا۔ جسم سے وہ دنیا میں رہتا ہے، بیوی بچوں کا بھی حق ادا کرتا ہے، کاروبار بھی کرتا ہے، کار بھی رکھتا ہے لیکن دل میں اس کے یار ہوتا ہے یعنی محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ۔ اس حقیقت کو اگر کوئی مشکل سمجھ رہا ہو تو وہ میرا ایک اردو شعر سن لے ؎

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ با خدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

نورِ ہدایت کی دوسری علامت

لیکن اس علامت میں حدیث کے ظاہری الفاظ سے غلط معانی نکال کر ہندو جوگی اور راہب بھی شامل ہو سکتے تھے جو دریا کے کنارے دنیا سے بظاہر کنارہ کش ہو جاتے ہیں لیکن کلامِ نبوت کی بلاغت کا اعجاز ہے کہ دوسری علامت نے جوگیوں اور راہبوں کو اس زُمرہ سے نکال دیا۔ وہ کیا ہے؟ آخرت کی طرف ہر وقت توجہ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دوسری علامت یہ ہے کہ جنّت اور آخرت کی طرف ان کے دل میں ہر وقت خیال رہتا ہے کہ ہمیں اپنے رب کی طرف واپس جانا ہے۔ دیکھیے میں یہاں کراچی سے آیا ہوں۔ لندن میرے لیے پردیس ہے یا نہیں؟ تو آپ بتائیے کہ کیا میں کراچی کو بھول جاؤں گا؟ ایسے ہی جو اصلی عقل مند لوگ ہیں وہ دنیا سے آخرت کی طرف جانے کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں کہ ایک دن دنیا سے جانا ہے، اپنے وطن جانا ہے، اپنے مولیٰ سے ملنا ہے۔ اس لیے جلدی جلدی وہ آخرت کو کرنسی ٹرانسفر کرتے رہتے ہیں کیوں کہ دیکھتے ہیں کہ ایک دن سب چھوٹ جائے گا اور یہیں رہ جائے گا لہٰذا کوئی مسجد بنوادی، کوئی مدرسہ بنوادیا۔ لہٰذا عقل مند مال دار لوگ جو اللہ والوں کی صحبت میں رہتے ہیں اسی طرح جلدی جلدی اپنی رقم ٹرانسفر کرتے رہتے ہیں کہ کسی مسجد میں لگا دیا، کسی مدرسہ میں رقم لگادی یا زمین خرید کر کسی اللہ والے عالم کو دے دی کہ آپ یہاں کوئی بڑا مدرسہ یا جامعہ یا دارالعلوم بنائیے۔ یہ سب سے بڑا کارِ خیر ہے کیوں کہ وہ سمجھتا ہے کہ زمین قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ زمین کا صدقۂ جاریہ قیامت تک رہے گا۔ آخرت میں کرنسی ٹرانسفر کرنے کے یہ سب طریقے ہیں۔

نورِ ہدایت کی تیسری علامت

اور تیسری علامت کیا ہے؟ وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ [۱۶۸] اور موت آنے سے پہلے وہ تیار رہتا ہے، موت کی تیاری میں مصروف رہتا ہے کہ میری کتنی نمازیں قضا ہیں، جلدی سے ادا کرلو، کتنے روزے باقی ہیں، کتنی زکوٰۃ باقی ہے سب کی ادائیگی کی فکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو جو باتیں پوچھیں گے موت آنے سے پہلے اپنے اعمال کی فائل درست رکھتا ہے۔ بس دل میں نورِ ہدایت آنے کی یہ تین علامات ہیں۔

۱۶۸؎ روح المعانی: ۲۲/۸، الانعام (۱۲۵)، داراحیاء التراث بیروت۔ مشکوٰۃ المصابیح: ۴۴۶، کتاب الرقاق، المکتبۃ القدیمیۃ

آیت نمبر ۲۹

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾ [۱۶۹]

ترجمہ: دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔

جب کوئی بادشاہ خود معافی کا مضمون بتائے تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے اور ہماری بگڑی کو بنانا چاہتا ہے۔ اے اللہ! آپ احکم الحاکمین ہیں، سلطان السلاطین ہیں آپ کا یہ معافی کا مضمون نازل فرمانا گویا آپ کی طرف سے اعلان ہے کہ فکر نہ کرو تمہاری بربادی کی منتہا کو یعنی تمہاری منتہائے تخریب اور منتہائے بربادی کو ہم اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست کرسکتے ہیں، ہم سو برس کے کافر اور ڈاکو کو پل بھر میں ولی بناسکتے ہیں۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیا

پس رَبَّنَا ہی میں آپ نے اپنی محبت کا رس گھول دیا، رَبَّنَا کہلا کر اپنی محبت کی چھری سے ہمیں ذبح کر دیا کہ اے ظالمو! میں تمہارا پالنے والا ہوں، کہیں اپنے پالنے والے کی بھی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنا انتہائی بے وفائی، بے غیرتی اور کمینہ پن ہے، تم کتنے بے غیرت ہو کہ اپنے پالنے والے کو ناراض کرتے ہو اور رَبَّنَا کلی مشکک ہے اور کلی مشکک وہ کلی ہے جس کے افراد متفاوت المراتب ہوتے ہیں لہٰذا ہر شخص کا رَبَّنَا الگ الگ ہے، اولیائے صدیقین کا رَبَّنَا الگ ہے، عام مؤمنین کا رَبَّنَا الگ ہے، گناہ گاروں کا رَبَّنَا الگ ہے، ہر ایک کا رَبَّنَا بقدر اس کی ندامت کے الگ الگ ہوگا اور ہر شخص کی ندامت بقدر اس کے تعلق اور محبت کے الگ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے جس کو جتنا شدید تعلق ہوگا اتنی ہی شدید ندامت اس کو ہوگی اور جتنی شدید ندامت ہوگی قلب کی اتنی ہی گہرائی سے اس کا رَبَّنَا نکلے گا۔ لہٰذا رَبَّنَا کے افراد متفاوت المراتب ہیں۔

---

[۱۶۹] الاعراف: ۲۳

اور رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔الخ اللہ تعالیٰ نے ہم انسانوں کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ ملائکہ کے لیے نہیں ہے کیوں کہ ان سے خطا نہیں ہوتی، وہ معصوم الفطرت ہیں لہٰذا یہ ہمارے لیے بذریعۂ بابا آدم علیہ السلام عطا فرمایا۔ گناہ گاروں کے لیے معافی کا یہ سرکاری مضمون ہے جس کے ایک ایک لفظ میں پیار ہے ورنہ مجرم کو سخت الفاظ میں ڈانٹتے ہیں کہ معافی مانگ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیار سے سمجھایا ہے کہ تم سے خطا ہو جائے تو کہو رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے! ان کلماتِ استغفار میں ہی تمہیں ہمارا پیار مل جائے گا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا پیار نہیں ہے کہ رَبَّنَا سکھا کر اپنا رشتہ بتا دیا کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں ورنہ خالی اَللّٰھُمَّ بھی سکھا سکتے تھے لیکن یہاں رَبَّنَا سکھایا تاکہ میرے بندوں کو معافی کی امید ہو جائے کیوں کہ پالنے والا جلد معاف کر دیتا ہے جیسے ماں باپ بچوں کو جلد معاف کر دیتے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں امید دلا دی کہ گھبراؤ مت، ہم تمہارے پالنے والے ہیں، تمہاری جلد معافی ہو جائے گی۔ اگر ہمیں تم کو معاف کرنا نہ ہوتا تو ہم تم سے رَبَّنَا نہ کہلواتے۔ جب باپ اپنے بچے کو سکھائے کہ یوں کہو کہ اے میرے ابو! مجھے معاف کر دیجیے تو معلوم ہوا کہ باپ کا ارادہ معافی ہی دینے کا ہے ورنہ سزا کا یہ عنوان نہیں ہوتا۔ اگر باپ بیٹے کو ڈنڈے لگانا چاہتا ہے تو یہ نہیں سکھائے گا کہ کہو یَا اَبَوَیَّ بلکہ دوڑائے گا کہ ٹھہر نالائق! ابھی تیری پٹائی لگاتا ہوں۔ یَا اَبَوَیَّ سکھانا دلیل ہے باپ کی شفقت کی اور رَبَّنَا سکھانا دلیل ہے حق تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کے نزول کی۔ لہٰذا یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ سکھانا کہ مجھے صرف اللہ نہ کہو، خالی رب بھی نہ کہو بلکہ کہو رَبَّنَا اے ہمارے پالنے والے، یہ پیار کا جملہ دلیل کہ باوجود تمہاری خطاؤں کے اب ہم تمہیں پیار کرنے والے ہیں، تمہارے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں، اب تمہیں اپنا پیارا بنانے والے ہیں۔ رَبَّنَا سکھا کر گناہوں سے معافی بھی دے دی اور رَبَّنَا کا مزہ اور نشہ بھی دے دیا۔ گناہ گاروں کو مزہ دے دے کر معافی دے رہے ہیں ورنہ مزہ دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب نہیں، فضلاً و احساناً گناہ گاروں کو معافی کا سرکاری مضمون ایسا دیا کہ میرے بندوں کو رَبَّنَا کہنے کا مزہ بھی آ جائے۔ جب کوئی بچہ کہتا ہے کہ میرے ابو! تو کیا اس بچّے کو مزہ نہیں آتا؟ تو میرے ربا کہنے میں کیا بندے کو مزہ نہیں آئے گا؟ رَبَّنَا کہنے کا مزہ الگ ہے ظَلَمْنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، اَنْفُسَنَا کہنے کا مزہ الگ ہے، جو ابھی بیان کروں گا جو میرا مالک میرے دل کو عطا فرما رہا ہے۔ ہر ہر لفظ میں مزہ ہی مزہ ہے، مزے کا سمندر بھرا ہوا ہے، محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔ کیا کہوں کیسا کریم مالک ہے کہ اپنے گناہ گار بندوں کو معافی کا سخت مضمون نازل نہیں فرمایا بلکہ استغفار کے کلمات میں بھی لطف اور مہربانی اور کرم اور پیار اس ارحم الراحمین نے رکھ دیا۔

پہلے رَبَّنَا سے اور اس کے بعد ظَلَمْنَا سے ہمارے اعترافِ ظلم کو اور سنگین کر دیا، ہماری ندامت

کو اور زیادہ کر دیا کہ تم اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرتے ہو، جس کی روٹی کھاتے ہو اسی کو ناراض کرتے ہو۔ جس کی روٹی سے تمہارے جسم میں خون بنتا ہے، خون تو لال تھا لیکن وہی خون تمہاری آنکھوں میں نور سے تبدیل ہو گیا، کانوں میں وہی خون قوتِ سامعہ سے تبدیل ہو گیا، ناک میں وہی خون قوتِ شامّہ بن گیا، زبان میں وہی خون قوتِ ذائقہ بن گیا، سفید بالوں کو وہی خون سفیدی دیتا ہے اور کالے بالوں کو سیاہی دیتا ہے اور تمام اعضاء میں جا کر ان اعضاء کی قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ میری روٹیوں سے تمہارے جسم کے کارخانہ میں قوتوں کا خزانہ پیدا ہو رہا ہے اور میری روٹیاں کھا کر تم میری ہی نافرمانی کرتے ہو لہٰذا کہو رَبَّنَا ظَلَمْنَا اے ہمارے پالنے والے! آپ ہی کی ربوبیت سے ہم جیتے ہیں اور آپ ہی کی ربوبیت سے ہم جینے کی طاقت پاتے ہیں۔ پس ہم ظالم ہیں، کتنے سخت ظالم ہیں کہ اپنے پالنے والے کی روٹیاں کھا کر اسی کی مرضی کے خلاف کام کرتے ہیں۔ لہٰذا اپنے پالنے والے سے اپنے ظلم کا اعتراف کرو۔ اس استغفار میں بھی ڈانٹ نہیں ہے، مزہ ہی مزہ ہے کہ پہلے رَبَّنَا کہنے کا مزہ لوٹو کہ ہم تمہارے کیا لگتے ہیں اور تم نے کس کی نافرمانی کی ہے پھر ظَلَمْنَا کا مزہ لوٹو کہ اس اعترافِ ظلم میں بھی مزہ ہے۔ کیا کہوں اہلِ عشق سے پوچھو کہ عاشقوں کو اپنی خطاؤں کے اعتراف میں اور محبوب سے معافی مانگنے میں کیا مزہ آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو یہی مزہ عطا فرما رہے ہیں کہ کہو ہم بڑے ظالم اور نالائق ہیں کہ آپ جیسے پالنے والے مالک کو ناراض کر رہے ہیں۔ ظَلَمْنَا سے پہلے اپنی صفتِ ربوبیت بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ہمارے گناہوں کی ندامت کو اور زیادہ قوی کر دیا کہ اپنے پالنے والے کی نافرمانی کرنا نہایت غیر شریفانہ حرکت ہے۔ رَبَّنَا کی وجہ سے ہمارا ظَلَمْنَا بھی قوی ہو گیا، ہماری ندامت کو بڑھا کر قربِ ندامت کو بھی بڑھا دیا کیوں کہ قربِ ندامت بقدرِ ندامت اور نزولِ رحمت بقدرِ ندامت ہوتا ہے جتنی زیادہ ندامت ہو گی اتنا ہی زیادہ تجلیاتِ مغفرت اور تجلیاتِ رحمت کا نزول ہو گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ظَلَمْتُ کیوں نہیں سکھایا ظَلَمْنَا کیوں سکھایا۔ تو جواب یہ ہے کہ کبھی نگاہ نامحرموں کو دیکھ کر گناہ کرتی ہے، کبھی زبان ان سے باتیں کر کے یا حرام غذا چکھ کر گناہ گار ہوتی ہے، کبھی کان نامحرموں کی آواز سن کر یا گانے سن کر مزہ لیتے ہیں، کبھی ہاتھ حسینوں کو چھو کر مجرم ہوتے ہیں، کبھی پاؤں ان کی گلی میں جا کر حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں غرض بِجَمِیْعِ اَعْضَاءِنَا ہم ظلم کرتے ہیں تو ظَلَمْنَا کا حکم اس لیے دیا کہ گویا ہمارے جمیع اعضاء مل کر معافی مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے! ہمیں معاف کر دیجیے۔

اور اَنْفُسَنَا میں ایک معرفت عطا فرمائی کہ گناہ کر کے تم نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔ تمہارے ظلم اور تمہارے گناہ کا نقصان تمہیں کو پہنچا۔ اگر ساری دنیا کافر، سرکش اور نافرمان ہو جائے تو اللہ کی عظمت میں ایک

ذرّہ کمی نہیں آسکتی اور ساری دنیا ایمان لا کر سجدہ میں گر جائے تو اللہ کی عظمت میں ایک ذرّہ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارے گناہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے لہٰذا تمہیں معاف کرنا ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں۔ معاف کرنا اس کو مشکل ہوتا ہے جس کو کوئی نقصان پہنچ جائے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس آیت کی تفسیر کرتی ہے:

یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا لَا یَضُرُّكَ وَھَبْ لِیْ مَا لَا یَنْقُصُكَ[۱۷۰]

اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا! اور ہمیں بخش دینے سے جس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی! لہٰذا میرے گناہوں کو جو آپ کو کچھ مضر نہیں، معاف کر دیجیے اور آپ کی مغفرت کا وہ خزانہ جو کبھی ختم نہیں ہوتا اس کی وجہ سے ہمیں بخش دیجیے۔

پس اَنْفُسَنَا سے ہماری ندامت کو اور بڑھا دیا کہ گناہ سے تم نے اپنا ہی نقصان کیا لہٰذا اب کہو وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا اگر آپ ہمیں نہیں معاف کریں گے تو ہم کہاں جائیں گے۔ ہمارا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے، آپ کے در کے سوا کوئی اور دروازہ بھی نہیں ہے۔

وَاِنْ کَانَ لَا یَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَدْعُوْ وَیَرْجُو الْمُجْرِمُ

اگر نیکو کار ہی آپ سے امید رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جس کو مجرم اور گناہ گار پکارے۔

نہ بخشے سوا نیک کاروں کے گر تُو
کہاں جائے بندہ گناہ گار تیرا

اس کے بعد وَتَرْحَمْنَا کا مزہ لوٹو کہ مغفرت کے بعد سزا سے تو بچ گئے لیکن سزا سے بچنا کافی نہیں، ہم آپ کی رحمتوں کے بھی محتاج ہیں، ہم پر عنایات بھی کیجیے۔ اگر کوئی کہہ دے کہ جاؤ معاف کر دیا لیکن خبردار! اب کبھی میرے سامنے نہ آنا تو تَغْفِرْلَنَا اس کا ہو گیا لیکن تَرْحَمْنَا نہیں ہوا۔ تَرْحَمْنَا کہلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ سکھایا کہ تم میری عنایات کے بھی محتاج ہو۔ اگر میں خالی تمہاری سزاؤں کو معاف کر دوں لیکن اپنی رحمتوں سے محروم رکھوں تو بھی تمہارا کام نہیں بنے گا۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

---

[۱۷۰] شعب الایمان للبیہقی: ۵/۶۶۵(۷۳۰۵)، ھذا دعاء ابی بکر الساسی، فصل فی قراءۃ القرآن بالتفخیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

رحمت میں چار نعمتیں پوشیدہ ہیں:

۱) گناہوں کی وجہ سے ہماری توفیقِ طاعت کم ہو گئی تھی، عبادت کا مزہ چھن گیا تھا لہٰذا اب توفیقِ طاعت کو دوبارہ جاری فرما دیجیے۔ ۲) فراخیٔ معیشت بھی عطا فرمائیے کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے روزی میں کمی آجاتی ہے، رزق میں برکت نہیں رہتی۔ ۳) بے حساب مغفرت فرمائیے۔ ۴) دخولِ جنّت نصیب فرمائیے۔

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روح المعانی میں رحمت کی عجیب و غریب تفسیر کی ہے کہ جب گناہوں کی معافی ہو گئی اور ہمارے گناہ کے آثار و شواہد ختم کر دیے گئے اور مغفرت بھی ہو گئی اور ہمارے گناہوں کو اللہ نے مخلوق سے چھپا دیا اور نیکیوں کو ظاہر فرما دیا لہٰذا اب ہم پر اپنی رحمت کا نزول بھی فرمائیے:

اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِفُنُوْنِ الْاٰلَآءِ مَعَ اسْتِحْقَاقِنَا بِاَفَانِیْنِ الْعِقَابِ[۱]

ہم پر طرح طرح کی نعمتوں کی بارش فرمائیے باوجود اس کے کہ ہم طرح طرح کے عذابوں کے مستحق تھے جیسے چھوٹے بچے کی جب معافی ہو جاتی ہے تو باپ سے کہتا ہے کہ ابو اب مجھے ٹافی بھی دیجیے، سائیکل بھی دلائیے، کلفٹن کی سیر بھی کرائیے۔ اسی طرح اللہ میاں ہمیں سکھا رہے ہیں کہ جب میں نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہاری مغفرت فرما دی اور میں تم سے خوش ہو گیا تو اب مجھ سے مانگو کہ اپنی رحمتوں کی ہم پر بارش فرما دیجیے۔

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا کے ایک جملہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سارے غیر اللہ سے کاٹ دیا کہ سارے عالم سے نا امید ہو جاؤ۔ اگر ساری دنیا تمہیں معاف کر دے تو تمہارا ذرّہ برابر فائدہ نہیں۔ جب ہم معاف کریں گے تب تمہاری معافی ہو گی۔ میرے سوا اور کون تم کو معاف کر سکتا ہے۔ اگر امریکا، جاپان، جرمن سب مل کر سلامتی کونسل میں اعلان کر دیں کہ فلانے مجرم کو معاف کر دیا گیا تو کیا تمہاری معافی ہو جائے گی:

وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ[۲]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ سکھا رہے ہیں کہ اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور اپنی رحمتوں کی نوازش ہم پر نہیں

[۱] روح المعانی: ۴۲/۱۱، ذکر تفسیرہ فی سورۃ التوبۃ (۱۱۷) دار احیاء التراث، بیروت

[۲] اٰل عمرٰن: ۱۳۵

فرمائیں گے تو لام تاکید بانون ثقیلہ سے کہو لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ہم بہت زبردست خسارے میں پڑجائیں گے، اتنابڑا خسارہ کہ جس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا ہمیں خسارے والوں میں نہ کیجیے۔ معلوم ہوا کہ ایک قوم ایسی ہے جو خسارے میں ہے اور اس کی دلیل ہے:

وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ [۱۴۳]

ترجمہ: قسم ہے زمانہ کی (جس میں نفع ونقصان واقع ہوتا ہے) کہ انسان (بوجہ تضییعِ عمر کے) بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے (کہ یہ کمال ہے) اور ایک دوسرے کو (اعتقادِ حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

سارے انسان خسارہ میں ہیں اور اس خسارے سے مستثنیٰ کون ہیں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو ایمان لائے اور عملِ صالح کیا اور گناہ عملِ صالح کے خلاف ہے اور خسارے والوں سے استثناء ان ہی لوگوں کا ہے جو مؤمن بھی ہوں اور عملِ صالح بھی کرتے ہوں اور دعوۃ الی اللہ بھی دیتے ہوں، وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ امر بالمعروف اور وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ نہی عن المنکر ہے لہٰذا اے اللہ! اگر آپ کی صفتِ مغفرت ورحمت ہم پر مبذول نہ ہوگی یعنی اگر آپ ہمیں معاف نہیں کریں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ہم انہیں خسارے والوں میں من تبعیضیہ بن کر داخل ہوجائیں گے یعنی ان خسارہ والوں کا جز بن جائیں گے اور یقیناً بڑے خسارے میں پڑجائیں گے کہ کوئی ہمارا ٹھکانہ نہ ہوگا۔

اُٹھا کر سر تمہارے آستاں سے
زمیں پر گر پڑا میں آسماں سے

اور یہ کلام اللہ کی بلاغت ہے کہ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ فرمایا۔ اگر صرف خٰسِرِيْنَ نازل ہوتا تو یہ بلاغت پیدا نہ ہوتی، من تبعیضیہ ہے اور الف لام استغراق کا ہے جس سے وہ تمام اقوامِ خاسرین اس میں شامل ہوگئیں جن پر ان کے ظلم کے سبب عذاب نازل ہوا۔ اس میں قومِ لوط اور قومِ عاد و ثمود اور جملہ اقوامِ خاسرین آگئیں جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اے رب! اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ان خائب وخاسر

[۱۴۳] العصر:۳-۱

قوموں کا ایک جز بن جائیں گے لہٰذا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ میں کیا مزہ ہے، مانگ مانگ کر یہ مزہ لوٹ لو جیسے کوئی بچہ باپ سے کہے کہ ابو! اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے اور مجھ پر رحم نہیں کریں گے تو میرا اور ہے کون؟ میں تو بہت خسارہ میں پڑ جاؤں گا۔ لہٰذا کوشش کرو اور جان کی بازی لگا دو کہ کوئی گناہ نہ ہو لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ خطا بر بنائے بشریت ہو گی لہٰذا رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی رٹ لگائے رہیے کیوں کہ ہماری ہر سانس مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت غیر محدود ہے اور ہماری طاقتِ اطاعت اور طاقتِ تقویٰ محدود ہے۔ تو محدود طاقتیں غیر محدود کا حق کیسے ادا کر سکتی ہیں اس لیے ہماری ہر سانس رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی محتاج ہے۔

آیت نمبر ۳۰

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى [۱۶۴]

ترجمہ: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں۔

بوقتِ آفرینش اللہ تعالیٰ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرما کر ہماری ارواح کو اپنی شانِ ربوبیت کی تجلی دِکھا دی اور ہمارے خمیر میں اپنی محبت کی تخم ریزی فرما دی یعنی ہمارے مضغۂ دل پر اپنی محبت کی چوٹ لگا کر پھر اس دنیا میں بھیجا کہ جاتو رہے ہو لیکن ہمارے بن کے رہنا۔

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

یہ اسی چوٹ کا اثر ہے جو آج ہم ان کی محبت میں مست ہیں۔ اللہ کے نام میں جو شیرینی و کیف و مستی ہے دونوں جہاں کی لذّتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ جن کو یہ حلاوتِ ذکر نصیب ہو گئی ان سے پوچھو کہ ان کے نام میں کیسا مزہ ہے۔ اللہ کی محبت میں اگر مزہ نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کے سر نہ کٹتے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّيْ اُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ [۱۶۵]

---

[۱۶۴] الاعراف: ۱۷۲

[۱۶۵] صحیحُ البخاری: ۱/۳۹۲، کتابُ الجھاد والسیر، بابُ تمنی الشھادۃ

اے اللہ! میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

اہلِ دنیا اللہ کے نام کی لذّت کو اور ان کی محبت کے مزہ کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ان کے دیوانے جو بظاہر مفلس و قلاش نظر آتے ہیں اپنے سینوں میں ایسی دولت لیے ہوئے ہیں کہ ان کی لذتِ قرب اہلِ ظاہر کی عقل نارسا و فہم و ادراک سے بالاتر ہے بلکہ ہر عاشق کی نسبت مع اللہ کا رنگ الگ ہے، ہر عاشق کی آہ الگ ہے، ہر ولی کو ایک شانِ تفرد حاصل ہے لہٰذا ایک ولی بھی دوسرے ولی کی باطنی لذّت اور اس کے قرب کی تفصیلاتِ کیف سے بے خبر ہوتا ہے۔ اجمالاً ایک دوسرے کے صاحبِ نسبت ہونے کا تو علم ہوتا ہے لیکن اس کے باطن کو کیا لذّتِ قرب حاصل ہے وہ ایک دوسرے پر مخفی ہوتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی لذّت ہر ایک کو الگ الگ دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے چھپا کر دیتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ [۱۷۶]

نکرہ تحت النفی ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی کوئی نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہم مخفی طور پر اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی کہ جس طرح ماں اپنے بچہ کو دودھ دیتی ہے تو دودھ کی شیشی پر کپڑا لپیٹ دیتی ہے تا کہ اس کے پیارے بچوں کی نظر اس کے پیارے بچے کو نہ لگ جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیاروں کو اپنے قرب کی لذّت چھپا کر دیتے ہیں تا کہ ان کے پیاروں کی نظر ان کے پیاروں کو نہ لگ جائے، ایک ولی کی نظر دوسرے ولی کو نہ لگ جائے۔ اس لیے ایک ولی کی باطنی کیفیات کی تفصیلات کا علم دوسرے ولی کو بھی نہیں ہوتا۔ عبد و معبود کے درمیان یہ اتصال و ربطِ خفی ایک سربستہ راز ہوتا ہے جو دوسرے بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے جس کو خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا ہے۔

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

لیکن اہلِ دنیا کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ وہ تو ہمیں دیوانہ ہی کہیں گے کہ دیکھو ان مولویوں کو اور داڑھی والوں کو کہ اللہ کو دیکھا نہیں اور اللہ پر فدا ہو رہے ہیں۔

---

[۱۷۶] السجدۃ: ۱۷

اگر بغیر دیکھے کسی چیز کا تسلیم کرنا خلافِ عقل ہے تو دیکھے بغیر جان کے وجود کو بھی تسلیم نہ کرو۔ اسکول کے ایک دہریہ استاد نے ایک بچہ سے کہا کہ جس چیز کو ہم دیکھتے ہیں اسی کو تسلیم کرتے ہیں، بغیر دیکھے کسی چیز کے وجود کو ماننا حماقت ہے لہٰذا جو لوگ بغیر دیکھے اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، احمق ہیں۔ وہ بچہ کسی اللہ والے کا تھا اس نے کہا: ماسٹر جی! آپ یہ کیا بات کر رہے ہیں۔ اگر آپ کی بات کو میں صحیح مان لوں تو مجھے آپ کو بے عقل کہنا پڑے گا کیوں کہ آپ کی عقل تو مجھے نظر نہیں آتی۔ ماسٹر جی اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔

ایک شخص نے حکیم الامت سے کہا کہ ہم اللہ سے کیسے محبت کریں کیوں کہ اللہ تو نظر نہیں آتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم کو اپنی جان سے محبت ہے یا نہیں؟ اگر کوئی ڈاکو تمہاری جان نکالنے آجائے تو اس سے لڑو گے یا آسانی سے کہہ دو گے کہ یہ جان حاضر ہے لے جا؟ کہا کہ نہیں صاحب! جان بچانے کے لیے جان لڑا دوں گا۔ فرمایا کہ جان کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ کہا: کبھی نہیں دیکھا۔ فرمایا: جیسے بغیر دیکھے جان سے محبت کرتے ہو تو بغیر دیکھے اللہ سے محبت کیوں نہیں کرسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں روح عطا فرما کر ایمان بالغیب کی ایک دلیل خود ہمارے اندر رکھ دی کہ جس طرح اپنی جان پر ایمان بالغیب لاتے ہو اور بغیر دیکھے اپنی جان کو تسلیم کرتے ہو اور اس سے اتنی محبت کرتے ہو کہ جان کی حفاظت میں جان لڑا دیتے ہو، اسی طرح بغیر دیکھے اللہ پر ایمان لانا اور اللہ سے محبت کرنا کیا مشکل ہے۔ ہمارے اندر یہ دلیل رکھ کر اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کا پرچہ آسان کر دیا اور گنجائشِ انکار باقی نہ رکھی۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

آیتِ بالا کی شرح بعنوانِ دِگر

میرے مرشدِ اوّل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب اللہ نے ارواح کو اپنی تجلی دکھائی اور سوال فرمایا اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو اس میں اپنی شانِ ربوبیت کی تجلی دکھادی اور اپنی محبت کی چوٹ لگادی۔ وہی چوٹ لگی ہوئی ہے کہ آج اللہ کا نام سن کر کافر کا بھی دل دہل جاتا ہے اور کتنا ہی فاسق ہو مگر اللہ کا نام سن کر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آہ! جیسے ہم نے کبھی اس نام کو سنا ہے۔ اپنی چوٹ لگا کر ہمیں دنیا میں بھیجا ہے، ان کی محبت ہماری جانوں کا فطری ذوق ہے۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

دل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ اُبھر آئی ہے

جب پُروا ہوا چلتی ہے تو پرانی چوٹ درد کرنے لگتی ہے۔ اللہ کی محبت کی یہ پُروا ہوائیں اللہ والوں کی مجالس میں ملتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جامع صغیر کی روایت ہے کہ

اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْٓ اَیَّامِ دَهْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَهَا لَعَلَّهٗٓ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ نَفْحَةٌ مِّنْهَا فَلَا تَشْقَوْنَ بَعْدَهَآ اَبَدًا[۱۷۷]

اے میری امّت کے لوگو! تمہارے زمانہ کے شب و روز میں اللہ تعالیٰ کے قرب کی ہوائیں آتی رہتی ہیں، تجلیاتِ جذب نازل ہوتی رہتی ہیں، تم ان کو تلاش کرو شاید کہ تم ان میں سے کوئی تجلی، نسیمِ کرم کا کوئی جھونکا پا جاؤ، جس کا یہ اثر ہے کہ پھر تم کبھی بد بخت و بد نصیب نہیں ہو سکتے۔ اس حدیث میں اللہ کے قرب کی ہواؤں کا، تجلیاتِ قرب کے نزول کا زمانہ بتایا گیا۔ لیکن بخاری شریف کی حدیث میں ان کا مکان بھی بتا دیا گیا کہ یہ کہاں نازل ہوتی ہیں:

هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُهُمْ[۱۷۸]

یہ اللہ والے ایسے ہم نشین ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی بد بخت و بد نصیب نہیں رہ سکتا۔

دونوں حدیثوں کو ملانے سے ایک علمِ عظیم عطا ہوا۔ زمانہ کے شب و روز میں جو تجلیاتِ جذب نازل ہوتی ہیں جو شقاوت کو سعادت سے بدل دیتی ہیں ان کی منزل اور محل اور ان کا مکان اہل اللہ کی مجالس ہیں کیوں کہ ان کا جلیس و ہم نشین بد بخت نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوا کہ ان تجلیاتِ مقربات کی جائے نزول مجالسِ اہل اللہ ہیں لہٰذا جو اللہ والوں کے پاس بیٹھتا ہے تو جذب کی کوئی تجلی اس پر بھی پڑ جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے سعید ہو جاتا ہے اور محبت کی پرانی چوٹ جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرما کر اللہ تعالیٰ نے لگائی تھی پھر اُبھر آتی ہے اور یہ اللہ کی محبت کا دردِ مستقل پا جاتا ہے۔

دونوں حدیثوں کے ارتباط سے جو علمِ عظیم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس کی حلاوت سے دل مست ہو

---

[۱۷۷] کنز العمال: ۷/۷۶۹ (۲۱۳۲۴)، باب صلٰوۃ النوافل والفصل فی الترغیب فیھا، مؤسسۃ الرسالۃ

[۱۷۸] صحیح البخاری: ۲/۹۴۸ (۶۴۴۳)، باب فضل ذکر اللہ تعالٰی، المکتبۃ المظھریۃ

ہے۔ جامعِ صغیر کی روایت سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کے شب و روز زمانِ تجلیاتِ جذب ہیں کہ اِن ہی شب و روز میں جن کو وہ تجلیات مل گئیں اس کے بعد کوئی شقی و بدبخت نہیں رہ سکتا۔

مندرجہ بالا حدیثِ پاک سے ان تجلیاتِ جذب، تجلیاتِ مقربات اور نفحاتِ کرم کا زمانہ تو معلوم ہو گیا لیکن دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ تجلیات کہاں ملتی ہیں؟ بخاری شریف کی حدیث لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ سے اللہ تعالیٰ نے فوراً دل میں یہ بات عطا فرمائی کہ اہل اللہ کی مجالس ہی وہ مکان ہیں جہاں ان تجلیات کا نزول ہوتا ہے جن کو پانے کے بعد شقاوت سعادت سے اور بدبختی، نیک بختی سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ تجلیاتِ جذب کے زمان و مکان کا تعین مدلل بالحدیث ہو گیا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے عجیب و غریب علوم عطا فرما رہے ہیں اور یہ آپ حضرات ہی کی برکات ہیں، اس مہینے کی برکات ہیں اور میرے ان بزرگوں کی برکات ہیں جن کے ساتھ ایک عمر اخترؔ نے بسر کی اور ایسی بسر کی کہ جنگل میں دس سال تک فجر سے لے کر ایک بجے تک ناشتہ نہیں کیا کیوں کہ میرے شیخ بھی ناشتہ نہیں کرتے تھے تو میں کیسے کرتا۔ مجھے شرم آتی تھی کہ شیخ تو ناشتہ نہ کریں اور گھر سے میرے لیے ناشتہ آئے۔ میرا ناشتہ اشراق و چاشت اور ذکر و تلاوت سے ہوتا تھا۔ دوپہر ایک بجے تک ایک دانہ اُڑ کر پیٹ میں نہ جاتا تھا۔ خوب کڑاکے کی بھوک لگتی تھی لیکن کیا بتاؤں کہ شیخ کی صحبت میں کیا لطف آتا تھا کہ آج تک وہ مزہ دل میں محسوس ہوتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

آیت نمبر ۱۳۱

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ[۱۷۹]

ترجمہ: اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے۔

شیطانی وَساوِس کا علاج

قرآن پاک میں ہے وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کی مثال اس کتے کی طرح ہے جو بڑے لوگ پالتے ہیں، جب آپ ان کے گھر کی گھنٹی

---

۱۷۹ الاعراف:۲۰۰

بجاتے ہیں تو ان کا کتا بھونکتا ہے لیکن آپ اس کے بھونکنے کا جواب نہیں دیتے بلکہ گھنٹی بجاتے ہیں یا کتے کے مالک کو آواز دیتے ہیں کہ میں آپ کے بنگلے میں آنا چاہتا ہوں، کتے کے مالک کے پاس کتے کے لیے خاص کوڈ ورڈ، خاص الفاظ ہوتے ہیں، وہ اس کوڈ ورڈ میں کتے کو حکم دیتا ہے اور کتا بھونکنا چھوڑ کر دُم ہلانے لگتا ہے، تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں بڑے لوگوں کے کتے کو اگر جواب دو گے تو وہ اور بھونکے گا، اس کے مالک سے رابطہ قائم کرو تو وہ اس کو خاموش کر دے گا، اسی طرح شیطان اللہ کا کتا ہے فَاِنَّ الشَّیْطَانَ کَالْکَلْبِ الْوَاقِفِ عَلَی الْبَابِ شیطان گیٹ والے کتے کی طرح ہے جو اللہ کے دربار کے باہر کھڑا ہوا ہے، دربارِ الٰہی کا مردود ہے اس لیے دربار سے باہر ہے، اب جو دربار میں جانا چاہتا ہے اس کے دل میں وسوسہ ڈالے گا، اگر آپ نے اس کے وسوسے کا جواب دینا شروع کیا تو بس پھر خیریت نہیں ہے، جواب دیتے دیتے آپ کو پاگل کر دے گا، تم کچھ کہو گے وہ بھی کچھ کہے گا، اس سے نجات نہیں ملے گی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی گھنٹی بجاؤ، وہ کون سی گھنٹی ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اے اللہ! میں اس مردود شیطان سے پناہ چاہتا ہوں، ان شاء اس کلمہ کی برکت سے فوراً اللہ کی مدد آئے گی اور شیطان دم ہلانے لگے گا۔ ایک کلمہ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں، وہ کلمہ یہ ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ[۱۸۰]

ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے نبیوں پر۔

آیت نمبر ۳۲

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ[۱۸۱]

۱۸۰؎ مسند احمد ۲/۲۰۱ (رقم الحدیث ۲۳۶۵) ابن عمر رضی اللہ عنہما

۱۸۱؎ الانفال: ۲-۴

ترجمہ: بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لیے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور (ان کے لیے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

اعمال سے مقصود رضائے حق ہے

ان آیات میں ایمانِ کامل کی علامت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ ذکر اللہ سے ان کے قلوب ڈر جائیں اور کلامِ الٰہی سے ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اقامتِ نماز اور انفاقِ مال اس کی راہ میں کرتے ہیں، یہ سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی۔ جنگِ بدر میں جب مالِ غنیمت ہاتھ آیا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجتہادی اختلاف ہوا کہ اس مال کا حق دار کون ہے۔ جو نوجوان آگے لڑ رہے تھے انہوں نے اپنا حق سمجھا اور جو پیچھے پرانے لوگ لڑ رہے تھے انہوں نے اپنا حق سمجھا اور جو لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مقرر تھے انہوں نے اپنا حق سمجھا۔ ان آیات میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ فتح صرف حق تعالیٰ کی طرف سے ہے حتیٰ کہ ملائکہ کا ارسال کرنا بھی صرف بشارت اور اطمینانِ قلب کے لیے تھا:

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [۱۸۲]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس (حکمت) کے لیے کی کہ (غلبہ کی) بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو (اضطراب سے) قرار ہو جاوے اور (واقع میں تو) نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست، حکمت والے ہیں۔

۱۸۲؎ الانفال: ۱۰

پس ان آیات کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ اپنے آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے حق تعالیٰ کے فیصلے پر مالِ غنیمت کو تقسیم کریں اور جب خدا کا نام درمیان میں آجائے تو ہیبت و خوف سے کانپ اُٹھیں اور اُسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں غرض عقیدہ و خلق و عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔[۱۸۳]

آیت نمبر ۳۴

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ یُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ یُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ[۱۸۴]

ترجمہ: (اور اس وقت کو یاد کرو) جس وقت کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لیے اور (اس سے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو (حدثِ اصغر و اکبر سے) پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔ (اور اس وقت کو یاد کرو) جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (مددگار) ہوں (سو مجھ کو مددگار سمجھ کر) آپ ایمان والوں کی ہمت بڑھائیں میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔

قلّتِ وسائل سے گھبرانا نہیں چاہیے

جنگِ بدر کا معرکہ سخت معرکہ تھا۔ کفار کی تعداد تین گنا زیادہ تھی اور وہ مسلح تھے جب کہ مؤمنین

---

۱۸۳ تفسیرِ عثمانی

۱۸۴ الانفال: ۱۱، ۱۲

بے سر و سامان اور تعداد میں تھوڑے تھے پھر کفار نے اپنے لیے اچھی جگہ لے لی اور وہاں پانی تھا۔ یہ بے چارے نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، پانی کے بغیر غسل اور وضو کی تکلیف اور پیاس کی شدت شیطان نے وساوس ڈالے کہ تم مقبول ہوتے تو حق تعالیٰ تمہاری مدد کرتے۔ حق تعالیٰ نے اس وقت پانی برسایا جس سے کفار کیچڑ میں پھسلنے لگے اور مؤمنین کے لیے ریت جم گئی اور پانی جمع کرلیا اور پھر حق تعالیٰ نے ایک اونگھ طاری فرمائی جب آنکھ کھلی تو سارا تکان اور خوف و ہراس دور ہوگیا اور تازہ دم ہوگئے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ کبھی تھوڑی چیز کو بندوں کے لیے کافی فرمادیتے ہیں اس لیے کوئی نعمت زیادہ نہ ہو تو گھبرانا نہیں چاہیے۔ چھ گھنٹے کی نیند سے وہ کام نہیں ہوسکتا جو ذرا دیر کی اونگھ سے حاصل ہوا۔

آیت نمبر ۳۴

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ [۱۸۵]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

حقیقی زندگی اطاعتِ حق اور اطاعتِ رسول کا نام ہے

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ اطاعت حق اور اطاعتِ رسول کے بدون زندگی صورتاً زندگی ہوتی ہے، حقیقتاً زندگی، زندگی سے محروم رہتی ہے اور دوسری تعلیم یہ ہے کہ حکم ماننے میں دیر نہ کیا کرو کہ شاید تھوڑی دیر میں دل ایسا نہ رہے۔ اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے تابع ہے جدھر چاہے پھیر دے بے شک وہ کسی کے دل کو اپنی رحمت سے ابتداءً نہیں روکتا، نہ اس پر مہر کرتا ہے ہاں جب بندہ امتثالِ احکام میں سستی اور کاہلی کرتا ہے تو اس کی جزاء میں روک دیتا ہے یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنالے تو مہر

۱۸۵؎ الانفال: ۲۴

کر دیتا ہے کَذَا فِیْ مُوْضِحِ الْقُرْاٰنِ اور بعض نے یہاں قرب کے معنیٰ لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ یعنی وہ بندہ کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ۔ تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو، خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال واسرار پر مطلع ہے، خیانت اس کے آگے نہ چلے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے، وہاں سارے اسرار کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔

آیت نمبر ۳۵

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ [۱۸۶]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔

کافر لوگ طواف کی حالت میں کہتے تھے: غُفْرَانَكَ اے خدا! ہم کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ آیت کافروں کے لیے نازل فرمائی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اے نبی! جب تک آپ ان کافروں میں زندہ ہیں اس وقت تک میں ان پر عذاب نازل نہیں کروں گا اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے۔ حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ نے کافروں کو جو بشارت دی ہے وہ دنیا کے لیے ہے کہ اگر کافر بھی استغفار کرتا رہے تو دنیا میں اس پر عذاب نہیں ہوگا لیکن آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا بوجہ ایمان نہ لانے کے۔

محدثِ عظیم ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اِذَا كَانَ الْاِسْتِغْفَارُ يَنْفَعُ الْكُفَّارَ فَكَيْفَ لَا يُفِيْدُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْاَبْرَارَ [۱۸۷] یعنی جب استغفار کافروں کو بھی نفع دے

---

۱۸۶ الانفال: ۳۳

۱۸۷ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۲۳، باب الاستغفار والتوبۃ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

رہا ہے اور ان کو دنیا کے عذاب سے بچا رہا ہے تو مسلمان کو کیوں نفع نہ دے گا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ جلد نمبر ۵ کتاب الاستغفار میں نقل فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین! سن لو اور قیامت تک کے لیے سن لو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے بچانے کے لیے دو امان نازل فرمائے تھے۔ فَرُفِعَ اَحَدُهُمَا تو عذاب سے نجات کا ایک ذریعہ تو ہم سے اُٹھ گیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے اٹھا لیے گئے وَبَقِیَ ثَانِیْهِمَا اور دوسرا باقی ہے یعنی استغفار۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہو، گریہ وزاری کرتے رہو تو ان شاء اللہ! عذاب سے بچ جاؤ گے۔ جس سے بھی کوئی خطا ہو جائے دو رکعات توبہ پڑھ کر اللہ سے رو لو استغفار کر لو، جہاں جہاں آنسو لگ جائیں گے دوزخ کی آگ وہاں حرام ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کریم ہیں جب ایک جُز کو جنّت میں داخل کریں گے تو پورا جسم ہی جنّت میں داخل کر دیں گے۔ ان کے کرم سے یہ بعید ہے کہ چہرہ تو جنّت میں داخل کر دیں اور باقی جسم دوزخ میں ڈال دیں بس اگر گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ سے معافی مانگیں اور بندوں کے حقوق میں کوتاہی ہو جائے تو بندوں سے معاف کرائیں، یہ نہیں کہ کسی کا مال مار لیا اور زبان سے کہہ رہے ہیں توبہ، یا اللہ توبہ، یا اللہ توبہ، اس وقت محض زبانی توبہ سے معافی نہیں ہو گی جب تک کہ اس کا مال واپس نہیں کریں گے، جب اس کا مال اس کو دے دیں گے تب معافی ہو گی۔

آیت نمبر ۳۶

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[۱۸۸]

ترجمہ: اس کے متوّلی سوائے متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں۔

ذکر اللہ کے ساتھ تقویٰ اختیار کرو۔ ولایت کی بنیاد نوافل پر نہیں ہے۔ اگر ایک شخص کوئی نفل نہیں پڑھتا، صرف فرائض، واجبات وسنّت مؤکدہ ادا کرتا ہے لیکن ایک گناہ بھی نہیں کرتا یہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور اس کی دلیل قرآنِ پاک کی آیت ہے اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اللہ تعالیٰ کے ولی کون ہیں؟ متقی بندے ہیں۔

---

۱۸۸ الانفال: ۳۴

اور جو شخص رات بھر تہجد پڑھتا ہے، دن بھر تلاوت کرتا ہے، ہر سال حج و عمرہ کرتا ہے لیکن کسی عورت کو دیکھنے سے باز نہیں آتا، بد نظری کرتا ہے، گانا سنتا ہے، غیبت کرتا ہے یہ شخص ولی اللہ نہیں ہو سکتا باوجود حج و عمرہ کے، باوجود تہجد کے یہ فاسق ہے۔ جو گناہ کرتا ہے شریعت میں وہ فاسق ہے اور فسق و ولایت جمع نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص جو فرض، واجب، سنّتِ مؤکدہ ادا کرتا ہے لیکن ہر وقت باخدا ہے، کسی وقت گناہ نہیں کرتا یہ متقی ہے، ولی اللہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جو ولی اللہ ہیں وہ نوافل ضرور پڑھتے ہیں، وہ تو ہر وقت اللہ کی یاد میں بے چین رہتے ہیں، بغیر اللہ کے ذکر کے ان کو چین ہی نہیں ملتا۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن کو ذکر اللہ کا مزہ مل گیا وہ سر سے پیر تک ذکر میں غرق ہیں، کسی اعضاء سے وہ گناہ نہیں ہونے دیتے کیوں کہ ذکر کا حاصل ترکِ معصیت ہے۔

اللہ کا نام لینے میں وہ شخص دنیا کی زمین پر جنّت سے زیادہ مزہ پائے گا جو تقویٰ اختیار کرتا ہے، دلیل کیا ہے؟ دلیل یہ ہے کہ جنّت مخلوق ہے، حادِث ہے اور اللہ تعالیٰ قدیم ہیں اور واجب الوجود ہیں۔ کیا خالق کی لذّت کو مخلوق پا سکتی ہے۔ جنّت خالق نہیں ہے، مخلوق ہے تو اللہ کے نام کی مٹھاس اور لذت کو مخلوق کیسے پائے گی جب کہ خود فرما رہے ہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ نکرہ تحت النفی واقع ہو رہا ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے یعنی اللہ کا کوئی ہمسر نہیں تو پھر اللہ کے نام کی لذت کا کیسے کوئی ہمسر ہو سکتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ اللہ کے ولی ہونے کی دو علامتیں ہیں: نمبر ایک جس کو اللہ اپنا ولی بناتا ہے اپنے اولیاء کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے:

وَمِنْ اَمَارَاتِ وِلَايَتِهٖ اَنْ يَّرْزُقَهٗ مَوَدَّةً فِيْ قُلُوْبِ اَوْلِيَاءِهٖ

اور دوسری علامت ہے:

لَوْ اَرَادَ سُوْءً اَوْ قَصَدَ مَحْظُوْرًا عَصَمَهٗ عَنِ ارْتِكَابِهٖ[۱۸۹]

کسی خلافِ شریعت کام کا اگر وہ ارادہ کرے اور وہ صاحبِ نسبت ولی اللہ ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور گناہ کے ارتکاب سے اس کو محفوظ رکھتے ہیں۔ یا تو گناہ کو اس سے بھگا دیتے ہیں یا اس کو گناہ سے بھگا دیتے ہیں، کوئی بے چینی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ مقام وہ ہے کہ آدمی خود سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے

۱۸۹؎ مرقاۃ المفاتیح: ۵/۹۲، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

اپنے لیے قبول فرمالیا ہے۔ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا ولی بناتے ہیں تو اسے بھی پتا چل جاتا ہے۔

پانچ باتوں پر جو سو فیصد عمل کرلے گا۔ ان شاء اللہ! یقین سے کہتا ہوں کہ بغیر ولی اللہ بنے ہوئے اس کا انتقال نہیں ہو سکتا:

۱) اہل اللہ کی مصاحبت۔ ۲) ذکرُ اللہ پر مداومت۔ ۳) گناہوں سے محافظت۔ ۴) اسبابِ گناہ سے مُباعَدت۔
۵)... اِتّباعِ سنّت پر مُواظبت۔

حصولِ ولایت کے پانچ اعمال

اب میں متن پیش کرتا ہوں یعنی پانچ اعمال جن سے آپ کو ولایت کا اسٹرکچر (structure) اور فنشنگ (finishing) معلوم ہوجائے گی۔

۱) اہل اللہ کی مصاحبت: روئے زمین پر جس کسی اللہ والے سے مناسبت ہو اس کی صحبت میں رہا کرو اور خواتین اس کی باتیں اور تقریر سنتی رہیں اور اس کی کتابیں پڑھتی رہیں۔ مرد آنکھوں سے صحبت یافتہ ہوں گے اور عورتیں کانوں سے صحبت یافتہ ہوجائیں گی۔ اس اللہ والے کا فیضِ نسبت اور دردِ دل الفاظ کے ذریعے کانوں سے ان کے دل میں اُتر جائے گا۔ عورتیں رابعہ بصریہ ہوجائیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس کی دلیل کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہ پڑو۔ لیکن کتنا عرصہ اللہ والوں کے ساتھ رہو؟ تفسیر روح المعانی پیش کرتا ہوں جو عربی زبان میں سب سے بڑی تفسیر ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خَالِطُوۡھُمۡ لِتَکُوۡنُوۡا مِثۡلَھُمۡ[۱۹۰] اتنا زیادہ اللہ والوں کے ساتھ رہو کہ ان ہی جیسے ہوجاؤ۔ اگر ان جیسے نہیں ہوئے تو تمہارا کُوۡنُوۡا جو ہے کُوۡنُوۡا نہیں ہے، کانا ہے۔ تم دردِ دل سے اللہ والوں کے ساتھ نہیں ہو، جانبازی کے ساتھ نہیں ہو، اخلاص کے ساتھ نہیں ہو، مخنثیت اور ہیجڑے پن کے ساتھ ہو کہ جہاں تمہیں آسانی ملتی ہے شیخ کے ساتھ رہتے ہو، جہاں کہیں مشکل لگتی ہے، جہاں گناہ سے بچنا ہوتا ہے تو شیخ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہو اور حرام لذت سے اپنی جان کو آشنا کرکے اس کو ناپاک اور پلید کرکے مقامِ لید پر پہنچ جاتے ہو۔ بھلا یہ رفاقت ہے شیخ کی! یہ رفاقت نہیں ہے۔ ایسا شخص

---

[۱۹۰] روح المعانی: ۱۱/۵۶، التوبۃ (۱۱۹)، داراحیاء التراث، بیروت

شیخ کے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہیں ہے۔

۲) ذکر اللہ پر مداومت: شیخ جو ذکر بتائے اس پر مداومت کرو، ہمیشگی کرو، کبھی ناغہ نہ کرو، تھک جاؤ تو تعداد کم کردو مثلاً اگر سو دفعہ ذکر کرتے ہو تو دس مرتبہ کرلو مگر ناغہ نہ کرو اور اپنے نفس کے گریبان میں مُنہ ڈالو اور پوچھو کہ تمہارے کتنے دن رات ایسے گزرے ہیں جس دن تم نے ایک دفعہ بھی اللہ نہیں کہا اور کھانا کھا کر سو گئے حالاں کہ کوئی عذر نہ تھا۔ اگر کسی دن زیادہ تھک گئے اور سو دفعہ پڑھتے تھے تو دس دفعہ پڑھ لو، اور اگر تین سو مرتبہ پڑھتے تھے تو اس دن تیس مرتبہ پڑھ لو تو تمہارا تین سو ادا ہو جائے گا کیوں کہ ایک پر دس کا وعدہ ہے۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب نے اپنے مرشد حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ نے مجھ کو ستر مرتبہ صلوٰۃ تنجینا بتایا ہے اور میں جونپور کی شاہی مسجد میں سولہ سبق پڑھاتا ہوں اور سب موقوف علیہ سے اوپر کے ہیں یعنی مشکوٰۃ شریف اور جلالین کے اوپر کے۔ تو حکیم الامت نے لکھا کہ اگر آپ علمِ دین کی مشغولی سے ستر دفعہ نہیں پڑھ سکتے تو سات دفعہ پڑھ لیں، قرآنِ پاک میں ایک پر دس کا وعدہ ہے تو سات کو دس سے ضرب کرلو، ستر دفعہ ہو جائے گا، شیخ ایسا حکیم الامت جیسا ہونا چاہیے۔ اگر کسی دن آپ کو سستی ہو اور دل نہیں چاہتا تو کم از کم سو کی جگہ دس مرتبہ پڑھ کر سو جاؤ۔ اگر اتنا بھی نہ کر سکو تو ایسے ظالم مرید کو کہتا ہوں کہ اس دن کھانا مت کھاؤ، بغیر کھائے سو جاؤ۔ کچھ غیرت کرو شیخ کی بات پر، ایک وقت نفس کو فاقہ کراؤ، یہ نفس بغیر سزا کے صحیح نہیں ہوتا، اس کا کورٹ مارشل کرنا پڑتا ہے مگر روح کو چیف ایگزیکٹیو بننا پڑتا ہے، روح کا بھی یہ مقام ہونا چاہیے کہ نفس کو سزا دینے کی طاقت رکھے، روحانیت اتنی قوی ہونی چاہیے۔

۳) گناہوں سے محافظت: بابِ مفاعلت کیوں استعمال کر رہا ہوں کہ باب مفاعلت میں فعل دونوں طرف سے ہوتا ہے جیسے مقاتلہ میں قتال دونوں طرف سے ہوتا ہے تو محافظت کے معنٰی یہ ہوئے کہ آپ گناہ سے اپنے کو دور رکھیے اور گناہ کو بھی اپنے سے دور رکھیے، بھاگیے بھی اور بھگائیے بھی تب محافظت ہوگی، بھاگو اور بھگاؤ، معشوقوں کو اپنے سے بھگاؤ اور خود معشوقوں سے بھاگو کیوں کہ بعض معشوق ایسے ہوتے ہیں کہ جس رفتار سے آپ بھاگیں گے وہ اپنی تھوڑی سی اسپیڈ بڑھا کر آپ کو دبوچ لیں گے پھر آپ ایک نئے صوبے دبوچستان پہنچ جائیں گے، جہاں عاشق معشوق کو دبوچ لیتے ہیں، لہٰذا اتنا تیز بھاگو کہ فرار میں معشوق کی اسپیڈ آپ کو نہ پا سکے۔ اپنی جان کی بازی لگا دو، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آجائے گی۔ اللہ اس دبوچیا

یعنی ڈبوچنے والے کو خود بھگادیں گے۔ خوب سمجھ لو کہ گناہ سے خود بھاگو اور گناہ کو بھگاؤ۔ اگر آپ کے کمرے میں کوئی معشوق آجاتا ہے تو آپ اس کو کمرے سے بھگادیجیے اور صاف کہہ دیجیے کہ آپ میرے ایمان کے لیے مضر ہیں، آپ کہیں دور جا کر بیٹھیے۔ اگر اس کو دعا تعویذ چاہیے تو کسی اور کے ذریعے بھجوا دیجیے، آپ بیچ میں کوئی رابطہ بنالیجیے یا کہیے کہ کسی کو بھیج دیجیے میں اس کو تعویذ دے دوں گا، آپ کے خط کا جواب لکھ دوں گا، وہاں جا کر پڑھ لینا۔ اس میں بھاگنا بھی ہے بھگانا بھی ہے، بھاگو اور بھگاؤ، جاگو اور جگاؤ۔

۴) اسبابِ گناہ سے مباعدت: گناہ کے جو اسباب ہیں ان سے آپ دور رہیے اور ان کو دور رکھیے، مثلاً لڑکیاں پی۔ اے (P.A) مت رکھو ورنہ بے پیے ہر وقت پیئے رہو گے۔ دنیا کا نقصان برداشت کرلو لیکن اللہ کو ناراض نہ کرو۔ یہ نہ سوچو کہ اگر اپنے جنرل اسٹور میں لڑکیاں رکھیں گے تو لڑکیوں کی وجہ سے گاہک زیادہ آئیں گے، دنیا تو ملے گی مگر مولیٰ نہیں ملے گا، دنیا تو ایک دن لات مارے گی اور قبر میں دفن ہو جاؤ گے پھر دیکھتا ہوں کہ قبر کے اندر کون کام آتا ہے۔ تو اسبابِ گناہ سے بھی بچو، لڑکے ہوں یا لڑکیاں، یہ قید نہیں کہ ان میں حسن ہو، حسن ہو یا نہ ہو ان سے دور رہو۔ نامحرم عورتوں سے شرعی پردہ کرو۔ چچازاد بھائی، ماموں زاد بھائی، خالہ زاد بھائی، پھوپھی زاد بھائی یہ جتنے ہمزاد ہیں سب سے بچو اور ایسے ہی چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد بہنوں سے بچو اور بھابھی سے تو بہت ہی بچو۔ بعض وقت میرے پاس ایسے کیس آئے کہ ایک صاحب نے کہا میری بھابھی دو بجے رات کو آ کے مجھے جگاتی ہے اور میرا بھائی ڈیوٹی پر رہتا ہے۔ کہتی ہے کہ مجھے چھوٹے بچے کے لیے دودھ گرم کرنا ہے اور وہاں بلّی بیٹھی رہتی ہے، مجھے بلّی سے بہت ڈر لگتا ہے۔ بھیا! تم چل کے بلّی کو بھگاؤ تاکہ میں دودھ گرم کرلوں۔ اور اگر بلی نہ بھی ہو تو بھی جب تک میں دودھ گرم کروں وہیں کھڑے رہنا کہیں بلّی نہ آجائے۔ اب اس میں کیا کیا راز ہیں۔ بتاؤ! ایک غیر محرم مرد سے اس قدر قریب ہونا کہ وہ تنہائی میں باورچی خانے میں بلی بھگائے یہ سب شیطان کے ہتھکنڈے ہیں۔ عورتیں آدھی عقل کی ہیں مگر بڑے بڑے عقل والوں کی عقل اُڑادیتی ہیں مگر سب ایک سی نہیں ہوتیں، بہت سی اللہ والی ہوتی ہیں مگر چاہے اللہ والی کیا رابعہ بصریہ بھی ہو لیکن تنہائی میں اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں، اس کو دیکھنا اور گندے خیالات پکانا سب حرام ہے۔ اسی طرح لڑکوں سے احتیاط کرو خصوصاً جو لڑکے اللہ والے ہوں ان سے اور زیادہ احتیاط چاہیے کیوں کہ شیطان یہ کہہ کر کہ یہ اللہ والا ہے اس سے قریب کردیتا ہے اور پھر گناہ میں مبتلا کردیتا ہے کیوں کہ جو اسبابِ گناہ سے قریب ہوا پھر اس

کی خیر نہیں۔ تو اسبابِ گناہ سے مباعدت کے معنیٰ ہیں کہ گناہ کے اسباب سے دور رہو، کسی کو قریب نہ آنے دو۔ اگر گناہ کے اسباب سے قریب رہوگے تو کب تک بچوگے؟ ایک دن مبتلا ہو جاؤ گے۔

۵) طریقِ سنّت پر مواظبت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ سنّت پر قائم رہنا، یہ شریعت و طریقت کی جان ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیارا بننے کا قریب ترین راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [۱۹۱]

اے نبی! آپ اعلان کر دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا چلن چلو اللہ تم کو پیار کرلے گا، میں اللہ کا ایسا پیارا ہوں کہ جو میری چلن چلتا ہے اللہ اس کو بھی اپنا پیارا بنالیتا ہے۔ میرے دو شعر ہیں ؎

گر اتباعِ سنّتِ نبوی کا ہو چلن
رفتار سے پوچھے کوئی رفتار کا عالم

نقشِ قدم نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے ہیں جنّت کے راستے
اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے ملاتے ہیں سنّت کے راستے

یہ پانچ باتیں یاد کرلیجیے۔ یہ ان شاء اللہ تعالیٰ! آپ کو ولی اللہ بنادیں گی اور جلد بنادیں گی اور نہایت اعلیٰ درجہ کا ولی اللہ بنانے کی یہ پانچ باتیں ضمانت ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آیت نمبر ۳۷

وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [۱۹۲]

ترجمہ: اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ہر لحظہ حق تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار انعامات و احسانات بندوں پر ہو رہے ہیں لیکن اگر کوئی واقعہ یا حادثہ کبھی بظاہر تکلیف دہ پیش آجاتا ہے تو انسان ناشکرا اور بے صبرا ہو جاتا ہے مگر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے

۱۹۱؎ اٰل عمرٰن: ۳۱

۱۹۲؎ الانفال: ۴۶

نیک اور مقبول بندوں کے فیضِ صحبت سے دین کی خوش فہمی عطا فرمائی ہے ان کا قلبِ سلیم رنج و تکلیف کی حالت میں بھی اپنے رب سے راضی رہتا ہے، اس وقت وہ بندے دین کی اس سمجھ سے کام لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ دنیا شفا خانہ ہے اور ہم سب مریض ہیں۔ طبیب کبھی مریض کو حلوہ بادام کھلاتا ہے اور کبھی چرائتہ و گلو نیب جیسی تلخ دوائیں پلاتا ہے اور دونوں حالتوں میں مریض ہی کا نفع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں حاکم بھی ہیں، رحیم بھی ہیں پس ہمارے اوپر تقدیرِ الٰہی سے جو حالات بھی آتے رہتے ہیں خواہ راحت کے ہوں یا تکلیف کے ہر حال میں ہمارا ہی نفع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علمِ الٰہی میں بعض بندوں کے لیے جنّت کا جو عالی مقام تجویز ہو چکا ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے ان کے پاس عمل نہیں ہوتا تو حق تعالیٰ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا فرما دیتے ہیں جس پر صبر کر کے وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب بندۂ مؤمن کو بخار آتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح موسمِ خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں وارِد ہے کہ مؤمن کو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب دنیا کے مصائب پر صبر کے عوض قیامت کے دن ثواب عطا ہونے لگیں گے تو ہر مصیبت زدہ بندہ تمنا کرے گا کہ کاش! دنیا میں میری کھال قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی تو آج کیا ہی اچھا انعام ملتا۔

پس مؤمن کو چاہیے کہ تکلیف کی حالت میں بھی راضی رہے یعنی زبان پر شکایت اور دل میں اعتراض نہ لائے البتہ گناہوں سے استغفار اور عافیت کی دعا خوب کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم کمزور ہیں، بلاؤں کے تحمل کی طاقت نہیں، آپ اپنی رحمت سے اس نعمتِ بلا کو عافیت کی نعمت سے تبدیل فرما دیجیے، مصیبت و بلا کو مانگنے کی ممانعت ہے اور عافیت طلب کرنے کا حکم ہے۔ بلاؤں کا مانگنا اپنی بہادری کا دعویٰ ہے اور عافیت مانگنا اپنے ضعف و عاجزی کا اظہار ہے جو عند اللہ محبوب ہے۔ اگر ہمیشہ عافیت و راحت ہی رہے تو مزاجِ عبدیت استقامت سے ہٹ جائے، بغیر تکلیف و مصیبت کے زاری و شکستگی پیدا نہیں ہوتی۔ حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس رہتا ہوں:

اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ[۱۹۳]

صبر سے دل ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ صبر تلخ ہوتا ہے۔ حزن و غم کی حالت میں جس توجہ عاجزی و اضطرار کے

---

[۱۹۳] کشف الخفاء للعجلونی: ۳۸۸/۲ (۲۸۳۶)، المکتبۃ العلم الحدیث / التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف: ۱۶۳، المکتبۃ المظہریۃ

ساتھ بندہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات وگریہ وزاری کرتا ہے یہ اضطرار راحت وعیش کی حالت میں کیسے پیدا ہو سکتا تھا۔ یہی مصیبت اس کو اللہ تک پہنچا دیتی ہے اور قلب میں حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دشمنیٔ خلق رحمت ہو گئی

مجذوبؔ

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ حالتِ حزن میں حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد اور تیزی سے طے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پریشانی اور غم سے قلب میں ایک شکستگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ اس حالت میں حق تعالیٰ کی خصوصی معیت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے ایّام خواہ عیش کے ہوں یا تکلیف کے سب کو فنا ہے بس نہ تو عیش سے اِترانے لگے نہ تکلیف سے شکایت واعتراض کرنے لگے۔ راحت پر شکر اور تکلیف پر صبر ورضا و تسلیم سے کام لینا چاہیے، مقصدِ حیات کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو سب مشکلوں کا حل نکل آئے اور مقصدِ حیات صرف رضائے حق کا حصول ہے اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کا طریقہ ان کے بتلائے ہوئے قانون پر اہتمام سے عمل کرنا اور کوتاہیوں پر توبہ واستغفار کرتے رہنا ہے، اگر اتباعِ سنّت نصیب ہے تو عیش ہو یا تکلیف دونوں حال اس بندے کے لیے مبارک ومفید اور ذریعۂ قرب ورضا ہیں۔ اگر اتباعِ سنّت حاصل نہیں تو عیش کس کام کا!

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ گناہ گار اور نافرمان پر بھی تکالیف اور بلائیں آتی ہیں اور نیکوں پر بھی آتی ہیں۔ پھر دونوں میں فرق کیسے ہو کہ یہ بلا وتکلیف شامتِ اعمال ہے یا ذریعۂ قُربِ الٰہی ہے؟ تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جس مصیبت وکلفت میں اتباعِ سنّت نصیب رہے اور قلب میں حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ محبت وانس ورضا کا تعلق ورابطہ محسوس ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ تکلیف ذریعۂ قُربِ الٰہی ہے اور جس تکلیف سے دل میں ظلمت، وحشت اور حق تعالیٰ سے دوری محسوس ہو اور توفیقِ انابت وگریہ وزاری نہ عطا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ شامت اعمالِ بد کے سبب ہے۔ اس وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہیے۔ سورۂ نوح میں استغفار کی برکت مذکور ہے کہ استغفار سے حق تعالیٰ بارش عطا فرماتے ہیں، باغات عطا فرماتے ہیں اور مال واولاد میں برکت ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عرصہ تک یہ اِشکال رہا کہ جو مقام حق تعالیٰ شانہٗ بعد مجاہدات کے سالک کو عطا فرماتے ہیں وہ اس پر بھی قادر ہیں کہ بدونِ مجاہدہ ہی وہ مقام عطا فرمادیں پھر ان کی رحمت مجاہدہ کی تکلیف کو اپنے بندوں کے لیے کیوں کر گوارا کرتی ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن خود بخود قلب میں اس اِشکال کا حل وارد ہوا وہ یہ کہ بدونِ مجاہدہ اگر تمام مقامات سالک کو عطا فرمادیے جاتے تو نعمت کی قدر نہ ہوتی اور قدرِ نعمت نہ ہوتی تو نعمت کا بقا اور اس کی ترقی نہ ہوتی جیسا کہ شکر پر نعمت کی زیادتی منصوص ہے اسی طرح اس کے عکس پر سلب کا خطرہ تھا۔

احقر عرض کرتا ہے کہ حزن و اضطرار میں گریہ وزاری اور انابت کی جس درجہ توفیق ہوتی ہے راحت وعافیت میں عادتاً یہ توفیق کوشش گریہ اور نقل بکا سے بھی اس درجہ نہیں ہوتی۔ لیکن مصیبت کو طلب نہ کرنا چاہیے۔ طلبِ عافیت مطلوب ہے لیکن من جانب اللہ اگر کوئی رنج و مصیبت پیش آجائے تو گھبرانا نہ چاہیے اور بے صبری نہ کرنا چاہیے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ اپنا بنانے کا انتظام فرمارہے ہیں اور درجات بلند فرمارہے ہیں، رنج والم بھی بندے کے لیے نعمت ہے کہ اس اضطرار میں دل سے دعا نکلتی ہے، سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہوتی ہے اور لذّتِ مناجات عطا ہوتی ہے جو خود ایک عظیم نعمت ہے۔

آیت نمبر ۳۸

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ[۱۹۴]

ترجمہ: اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔

صحابہ میں سب سے پہلے جن کو امیر المؤمنین کا لقب ملا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جن کے اسلام لانے سے آسمانوں پر خوشیاں منائی گئیں اور یہ شرف ملا کہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا:

یَا مُحَمَّدُ اِسۡتَبۡشَرَ اَهۡلُ السَّمَآءِ بِاِسۡلَامِ عُمَرَ[۱۹۵]

آج عمر کے اسلام لانے سے آسمان پر فرشتے خوشیاں منارہے ہیں۔ آپ سوچئے کہ کیا درجہ تھا ان حضرات کا

۱۹۴؎ الانفال: ۶۴

۱۹۵؎ سنن ابن ماجۃ: ۳۹/۱ (۱۰۳)، باب فضل عمر، دار الفکر بیروت

کہ جن کے اسلام لانے سے، کلمہ پڑھنے سے آسمانوں پر فرشتوں نے خوشیاں منائیں اور یہ خبر دینے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت ایک آیت لے کر نازل ہوئے اور آیت کیا تھی؟ یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور آپ کے تابعدار اور غلام یہ مؤمنین بھی آپ کے لیے کافی ہیں۔ اس سے پہلے یہ آیت نازل نہیں ہوئی حالاں کہ چالیس آدمی ایمان لاچکے تھے۔ ان کے ایمان لانے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اس کی شانِ نزول حضرت عمر ہیں یعنی ان کا اسلام لانا اس آیت کے نزول کا سبب ہوا کہ اے نبی! اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر اور طاقت ور صحابی آپ کو دیا جارہا ہے ایسے تابعدار مؤمنین بھی آپ کے لیے کافی ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسۡبُکَ اللّٰہُ پر وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کو کیوں عطف کیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کی کفایت کے باوجود ایمان والوں کی کفایت یعنی کافی ہونے کا تذکرہ کیوں کیا گیا۔ جس کے لیے اللہ کافی ہو جائے تو اللہ کے کافی ہوتے ہوئے پھر مؤمنین کی کفایت کی کیا ضرورت تھی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان دکھانی تھی کہ ان کے آتے ہی کعبہ میں اذان ہوئی اور جماعت سے نماز ادا کی گئی۔ ان کے ایمان لاتے ہی صحابہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا یہاں تک کہ کعبہ تک تکبیر کی آواز پہنچ گئی اور حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو ہم خفیہ نماز کیوں ادا کریں لہٰذا دو صفیں بنائیں۔ ایک صف میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رکھا، ایک صف میں خود ہوئے اور بیچ میں شمعِ نبوت کو رکھا اور یہ دو صفوں کے ساتھ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر کعبۃ اللہ میں آئے اور نماز ادا کی اور اسلام کو سربلند کردیا۔

کَانَ الۡاِسۡلَامُ قَبۡلَ اِسۡلَامِ عُمَرَ فِیۡ غَایَۃِ الۡخِفَاءِ وَبَعۡدَہٗ عَلٰی غَایَۃِ الۡجَلَاءِ

اسلام پہلے جتنا پوشیدہ تھا ان کے ایمان لانے کے بعد اتنا ہی واضح ہو گیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کفایت کے ساتھ مؤمنین کی کفایت کو اس لیے فرمایا کہ کفایت کی دو قسمیں ہیں: ایک حقیقی کفایت ہے کہ اصل میں تو اللہ ہی بندہ کے لیے کافی ہے لیکن ایک کفایتِ ظاہری بھی ہوتی ہے، فوج ولشکر کی طاقت بھی ہوتی ہے تاکہ ظاہری طور پر بھی دشمنوں پر رعب جم جائے۔ طواف کے دوران رمل کیوں ہے کہ دوڑ کر چلو؟ کافروں پر رعب جمانے کے لیے ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اے نبی! اصل کافی تو آپ کے لیے اللہ ہی ہے، لیکن حضرت عمر جیسا بہادر صحابی اور دوسرے جاں نثار صحابہ آپ کو دے رہا ہوں تاکہ ظاہری طور پر بھی دشمنوں پر رعب جم

جائے۔ معلوم ہوا کہ اسبابِ ظاہرہ بھی نعمت ہیں۔ اپنے دوستوں کی تعداد پر شکر ادا کیجیے۔ اگر آپ مہتمم ہیں، کسی دینی ادارہ کے مدیر ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو دینی خدمت میں مدد کرنے والے دے دیں تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کیوں کہ یہ کفایتِ ظاہرہ میں سے ہیں۔ کفایتِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندہ کے لیے کافی ہے مگر ظاہری اسباب بھی ایک نعمت ہیں چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اسلام کو کس قدر ترقی ہوئی۔

آیت نمبر ۳۹

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا [۱۹۶]

ترجمہ: جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ [۱۹۷]

ترجمہ: یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ [۱۹۸]

ترجمہ: اور اسی کو بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست، حکمت والا ہے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے یعنی جو لوگ اپنے کو کسی درجہ میں بڑا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ بڑائی آئی اور اللہ کی محبت ٹوٹ گئی، سارا معاملہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ متکبر سے محبت نہیں فرماتے تو وہ غیر محبوب ہوا۔ اس قضیہ کا عکس کر لیجیے تو یہ مطلب نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے ناراضگی ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں تم سے محبت نہیں کرتا۔

---

۱۹۶ التوبة: ۲۵

۱۹۷ النحل: ۲۳

۱۹۸ الجاثية: ۳۷

اس قضیہ کا عکس کیا جائے تو یہ مطلب نکلے گا کہ ناراضگی ہے۔ پس جو لوگ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہیں جب تک کہ توبہ نہ کریں۔ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نہ تو محبت کرتا ہے اور نہ آیندہ کرے گا جو لوگ متکبر ہیں اور متکبر رہیں گے یعنی جب تک توبہ نہ کریں گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم رہیں گے۔

حضرت حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جملہ جو ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ میں ہے اس آیت کی بہترین تفسیر ہے، فرماتے ہیں کہ جب بندہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ نالائق و گناہ گار ہوں، اللہ تعالیٰ کی کسی عبادت کا حق مجھ سے ادا نہیں ہو رہا ہے اور سر سے پیر تک میں قصوروار ہوں تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں معزز ہوتا ہے، بڑا ہوتا ہے۔ جب اپنی نظر میں وہ بُرا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھلا ہوتا ہے اور جب اپنی نظر میں بھلا ہوتا ہے تو اللہ کی نظر میں وہ بُرا ہوتا ہے۔ لہٰذا سوچ لینا چاہیے کہ ہم اپنی نظر میں بھلے ہو جائیں تو فائدہ ہے یا ہم اللہ کی نظر میں بھلے ہو جائیں تو ہمارا فائدہ ہے، انسان اپنی عقل سے فیصلہ کر لے۔

آگے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل میں بڑائی کا حق بھی تو تم کو نہیں ہے۔ فرماتے ہیں وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ بڑائی اللہ ہی کو زیبا ہے، صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے، لام تخصیص کا ہے اور تَقْدِیْمُ مَاحَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوبِ بیان خود بتاتا ہے کہ کبریائی اور بڑائی صرف اللہ کا حق ہے جس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں۔ لہٰذا وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ کے لیے بڑائی ہے بلکہ ترجمہ یہ ہوگا کہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے ہے، اور کسی مخلوق کے لیے بڑائی نہیں وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی کو بڑائی ہے آسمان و زمین میں وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور وہ زبردست طاقت والا اور زبردست حکمت والا ہے۔

اب یہاں ان دو اسماء کے نازل کرنے میں کیا خاص بات ہے؟ ننانوے ناموں میں سے یہاں عزیز و حکیم کیوں نازل فرمایا؟ بات یہ ہے کہ بڑائی کی وجہ صرف دو ہی ہوتی ہیں، زبردست طاقت اور زبردست طاقت کا حسنِ استعمال یعنی حکمت اور قاعدہ سے طاقت کا استعمال۔ لہٰذا ان ناموں کو نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ میری بڑائی کی وجہ یہ ہے کہ میں زبردست طاقت رکھتا ہوں، جس چیز کا ارادہ کر لوں بس کُنْ کہتا ہوں اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے کُنْ فَیَکُوْنُ اور میری زبردست طاقت کے ساتھ ساتھ میری زبردست حکمت، دانائی، سمجھ اور فہم کارفرما ہوتی ہے اور جیسا کہ وہاں طاقت کا استعمال ہونا چاہیے اس طریقہ سے میری

طاقت حکمت کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ دیکھیے اگر کسی گھر میں کوئی لڑکا زبردست طاقت والا ہو جائے لیکن ہو بے وقوف تو پھر کسی کی خیریت نہیں ہے کیوں کہ اس کو اندازہ ہی نہیں کہ طاقت کو کہاں استعمال کرنا چاہیے کبھی ابا کو ایک گھونسہ لگا دیا، کبھی چھوٹے بھائی کو لگا دیا، کبھی اماں کو پیٹ دیا۔ اس لیے بڑائی کا وہ مستحق ہے جو زبردست طاقت کو زبردست حکمت کے ساتھ استعمال کرے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم زبردست طاقت والے اور زبردست حکمت والے ہیں۔

اور تیسری آیت جو حضرت حکیم الامت نے خطباتُ الاحکام میں عجب و کبر کے بیان میں تلاوت فرمائی یہ ہے اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا [۱۹۹] (اور یاد کرو) جب (جنگِ حُنین میں اپنی) کثرت پر تم کو ناز ہوا تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آئی۔

طائف اور مکہ کے درمیان میں ایک وادی ہے جس کا نام حُنین ہے۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری جلد ۴، صفحہ ۱۵۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ غزوۂ حنین میں کافروں کی تعداد چار ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ لہٰذا بعض مسلمانوں کو اپنی کثرت پر کچھ نظر ہوگئی کہ ہم لوگ آج تعداد میں بہت زیادہ ہیں بس آج تو بازی مار لی، آج تو ہم فتح کر ہی لیں گے اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتے یعنی اسباب پر ذرا سی نظر ہوگئی۔ اپنی کثرتِ تعداد پر کچھ ناز سا پیدا ہو گیا کہ ہم آج تعداد میں کفار سے بہت زیادہ ہیں، آج تو فتح ہو ہی جائے گی۔ چناں چہ شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری شکست کی وجہ یہی ہے کہ تمہیں اپنی کثرت بھلی معلوم ہوئی اور ہماری نصرت سے نظر ہٹ گئی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب انہوں نے توبہ و استغفار کی تو دوبارہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا، فوراً مدد آگئی اور اللہ تعالیٰ نے فتحِ مبین نصیب فرمائی۔

مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ ان کی مجلس کو جن لوگوں نے دیکھا ہے بتاتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت کی مجلس کی بالکل نقل تھی، وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً [۲۰۰]

جب بادشاہ کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کر

[۱۹۹] التوبۃ: ۲۵

[۲۰۰] النمل: ۳۴

دیتے ہیں یعنی بڑے بڑے لوگوں کو، بڑے بڑے سرداروں کو گرفتار کرلیتے ہیں تاکہ کبھی بغاوت نہ کرسکیں۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جس کے قلب میں اپنی عزت کا اور اپنی عظمتوں کا جھنڈا لہراتے ہیں، جس کے دل کی بستی کو اپنے لیے قبول فرماتے ہیں اس دل کے کبر کے چوہدری کو، عجب کے چوہدری کو، ریا کے سردار کو گرفتار کرلیتے ہیں۔ اس کے نفس کو مٹادیتے ہیں۔ لہٰذا کبر اور نسبت مع اللہ جمع نہیں ہوسکتے۔ وہ شخص ہرگز صاحبِ نسبت نہیں ہوسکتا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو۔

آیت نمبر ۴۰

قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ[۲۰۱]

ترجمہ: آپ فرمادیجیے کہ ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑسکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر فرمایا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور سب مسلمانوں کو اپنے سب کام اللہ تعالیٰ کے سپرد رکھنے چاہئیں۔

لَنَا کا ''لام'' یہاں نفع کے لیے ہے۔ مؤمن کو جو مصیبت پہنچتی ہے اس میں مؤمن ہی کا نفع ہے۔ اس کے بعد حکیم الامت نے مفتی صاحب سے فرمایا کہ چوں کہ آپ منطقی آدمی ہیں اس لیے منطق سے سمجھاتا ہوں کہ مؤمن کو جو تکلیف اللہ دیتا ہے اس میں سراسر مؤمن کا ہی فائدہ ہے۔ مؤمن کو جو تکلیف یا بلا اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اس میں صرف چار صورتیں ہیں۔ چیلنج کرتا ہوں کہ پانچویں کوئی صورت نہیں ہے۔

۱) مؤمن کو تکلیف دے کر اللہ سو فیصد فائدہ اٹھالے یہ ناممکن ہے کیوں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بندوں کا محتاج ہے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ سارے عالم سے بے نیاز ہے لہٰذا یہ صورت محال ہے۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ سو فیصد نفع نہ لے، پچاس فیصد لے یعنی ففٹی ففٹی کرلے کہ پچاس فیصد بندے کو دے دے، پچاس فیصد خود لے لے۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ اس میں بھی اللہ کا محتاج ہونا لازم آتا ہے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں نہ کم نہ زیادہ۔ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

---

[۲۰۱] التوبۃ:۵۱

۳) تیسری شکل یہ ہے کہ نہ بندہ کا فائدہ ہو نہ اللہ کا۔ جس کو چاہا کھانسی دے دی، جس کو چاہا بخار دے دیا، کسی کو صدمہ و غم دے دیا، کسی کا ایکسیڈنٹ کرادیا جس میں کوئی فائدہ اور مقصد نہیں تو بے فائدہ کام کرنا، بے مقصد کام کرنا، فضول اور لغو کام کرنا یہ اللہ کی عظمت کے خلاف ہے۔ اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

۴) اب صرف چوتھی شکل باقی ہے کہ ہر مصیبت اور تکلیف میں سو فیصد مؤمن ہی کا فائدہ ہے۔ قُلۡ لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوۡلٰنَا میں "لام" نفع کے لیے ہے ورنہ "علیٰ" آتا جو ضرر کے لیے آتا ہے۔

تو یہ کہتا ہوں کہ ہر نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرو، ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرو، تشکر کی کیفیت غالب رہے تو تکبر پاس نہیں آئے گا۔ تکبر سے وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر تشکر غالب ہو کیوں کہ تشکر سبب قرب ہے، شکر کرنے سے قربِ الٰہی بڑھتا ہے اور تکبر سے بُعد اور دوری ہوتی ہے اور دوری اور حضوری میں تضاد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے۔

آیت نمبر ۴۱

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ [۲۰۲]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنّت ملے گی۔

"مشتری" میں اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ بھی جاذب ہوتے ہیں کیوں کہ اشتری کے لوازم میں جلب المشتری المبیع ہے۔ مراد یہ ہے کہ اے اللہ! آپ تو تمام کھینچنے والوں سے قوی اور غالب ہیں پس ہم کو گناہوں میں مبتلا کرنے کے لیے جو تقاضے اور جو اسباب مثلاً حسنِ مجازی وغیرہ اپنی طرف کھینچ رہے ہیں تو آپ اگر اپنے کرم سے ہم کو اپنی طرف جذب فرمائیں گے تو چوں کہ آپ غالب ہیں سب پر، اس لیے ہم یقیناً آپ ہی کے ہو جائیں گے اور غیروں کا جذب بے اثر ہو جائے گا۔

---

[۲۰۲] التوبۃ: ۱۱۱

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا

اُن ہی کا اُن ہی کا ہوا جارہا ہوں

ایک اِشکال اور اس کا جواب

ایک اِشکال یہ ہے کہ تجاذب کے لیے ہم جنس ہونا شرط ہے بقاعدہ مشہورہ ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کبوتر با کبوتر باز با باز

تو حق تعالیٰ تو ہمارے ہم جنس نہیں ہیں، وہ پاک ہیں اور ہم ناپاک، وہ باقی ہیں اور ہم فانی۔ تو جواب یہ ہے کہ جذب کے لیے ہم جنس ہونا جو مشروط ہے وہ جذبِ طبعی کے لیے ہے لیکن جذبِ عقلی اور جذبِ ارادی کے لیے ہم جنس ہونا شرط نہیں۔ جس طرح انسان اپنے جانور کو چرواہی کے وقت دوسروں کے کھیتوں سے اپنی طرف کھینچتا ہے کہ خیانت نہ ہوجائے پس یہ جذب عقلی اور ارادی ہے نہ کہ طبعی کیوں کہ انسان اور جانور کے طبائع ہم جنس نہیں ہیں البتہ اس مثال میں انسان کبھی اپنے جذب میں ناکام ہوسکتا ہے مثلاً جانور مضبوط ہو جیسا کہ قربانی کے جانور بعض وقت ہاتھ کی گرفت سے نکل جاتے ہیں اگرچہ گرفت کتنی ہی مضبوط رکھی جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا جذب کبھی ناکام نہیں ہوسکتا کیوں کہ ان کی گرفت اور قوتِ جذب غالب ہے اور ہماری قوتِ گریز مغلوب ہے اگرچہ نفس و شیطان اور اسبابِ معاصی اور تمام اہلِ زمانہ اپنی اجتماعی قوت سے اس نفسِ امارہ بالسّوء کی اعانت بھی کریں تب بھی وہ ذاتِ پاک ہمارے جذب پر غالب ہی ہوگی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اَنۡفُسَهُمۡ فرمایا قُلُوۡبَهُمۡ اور اَرۡوَاحَهُمۡ نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ جو کریم ہوتا ہے وہ بازار میں عیب دار سودے کو خریدتا ہے تاکہ اس کا مالک جو سمجھتا ہے کہ میرے اس عیب دار مال کو کون خریدے گا خوش ہوجائے تو قلب اور روح کے مقابلے میں نفس چوں کہ عیب دار سودا تھا اس لیے اس کریم مالک نے اس کو خریدنے کی بشارت دے دی تاکہ بندے خوش ہوجائیں کہ ہمارا عیب دار سودا خرید لیا گیا۔

آیت نمبر ۴۲

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ[۲۰۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔

تصوّف کی حقیقت

آج کل لوگوں نے چند وظیفوں پر، چند تسبیحات پر اور چند خوابوں اور مراقبات پر اور نفلی عبادات پر تصوف کی بنیاد رکھی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ قرآنِ پاک کا اعلان سن لیجیے:

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[۲۰۴]

ہمارے ولی صرف متقی بندے ہیں۔ تصوف کی حقیقت صرف تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ اگر اللہ والوں کے پاس رہنا ہے تو تقویٰ سیکھیے اور اگر یہ ارادہ نہیں ہے تو بلاوجہ وقت ضایع نہ کیجیے۔ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یعنی معیتِ اہل اللہ سے مقصد کیا ہے؟ تقویٰ ہے۔ کیوں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ میں تقویٰ کا حکم ہے اور وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ حصولِ تقویٰ کا طریقہ ہے۔

معیّتِ صادقین کے دوام واستمرار پر استدلال

اللہ تعالیٰ نے وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ فرمایا ہے اور كُوْنُوْا امر ہے اور امر بنتا ہے مضارع سے اور مضارع میں تجددِ استمراری کی صفت ہوتی ہے جس کا مطلب ہوا کہ استمراراً اور دواماً اہل اللہ کے ساتھ رہو، کوئی زمانہ اہل اللہ سے مستغنی نہ رہو۔ لہٰذا اگر کسی کے شیخ کا انتقال ہو جائے تو اس کو فوراً دوسرے شیخ سے تعلق قائم کرنا چاہیے جیسے ڈاکٹر کا انتقال ہو جائے تو طبعی غم ہونا ہی چاہیے لیکن اب اس کی قبر پر جاکر کوئی انجکشن لگوا سکتا ہے؟ فوراً دوسرا ڈاکٹر تلاش کرتے ہیں۔ اسی طرح جب شیخ کا انتقال ہو جائے تو اپنی اصلاح کے لیے دوسرا شیخ تلاش کیجیے۔ جس طرح جسمانی علاج زندہ ڈاکٹر ہی کر سکتا ہے، روحانی اصلاح زندہ شیخ ہی سے ہوتی ہے۔

---

۲۰۳ التوبۃ: ۱۱۹

۲۰۴ الانفال: ۳۴

دیکھیے میرے مرشد شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے حکیم الامت کے انتقال کے بعد مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے تعلق قائم کیا۔ ان کے انتقال کے بعد خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب سے تعلق کیا، ان کے انتقال کے بعد شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری کو پیر بنایا، ان کے بعد شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو، ان کے بعد مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو۔ کتنے مشائخ بدلے۔ یہ لوگ ہیں جو دین کو خوب سمجھتے ہیں اور یہ ان کا کمالِ اخلاص ہے کہ ہمیشہ اپنے کو اہل اللہ کا محتاج سمجھا حالاں کہ خود شیخِ وقت ہیں۔

مفسرین اور ہمارے اکابر **كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** کا ترجمہ **كُوْنُوْا مَعَ الْمُتَّقِيْنَ** کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے کہ قرآنِ پاک کی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت کرتی ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ [۲۰۵]

معلوم ہوا کہ صادقون اور متقون کلیانِ متساویان ہیں، ہر صادق متقی اور ہر متقی صادق ہے، دونوں میں نسبت تساوی ہے۔ پس اے اللہ! اولیائے صدیقین کا گروہ لاتعداد بے اندازہ اور ان گنت آپ نے پیدا فرمایا ہے ان کے نورِ صدق و تقویٰ میں ہم کو بھی غرق کر دیجیے اور ہم کو بھی اہلِ صدق و صفا بنا دیجیے یعنی جو صدق و صفا میں آپ کے ساتھ باوفا ہیں ان اولیاء کی صف میں ہم کو بھی شامل فرما دیجیے۔

اور اہلِ صدق اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان میں صادق الوعد اور صادق العہد ہو یہاں تک کہ جان دے دے مگر اللہ کو ناراض نہ کرے اور جو اللہ کی راہ میں جان دینے سے گریز کرتا ہے، گناہ کی لذت کو چھوڑنے کا غم نہیں اُٹھاتا، اپنے کو مجاہدہ کے غم سے بچانے کے لیے گناہ کرتا ہے کہ جہاں تقاضا ہوا نفس کی بات مان لی تو یہ شخص صادق نہیں ہے، اللہ کے ساتھ باوفا نہیں ہے بلکہ عملاً منافق ہے یعنی منافقوں جیسے کام کرتا ہے اگرچہ مؤمن ہے لیکن اس کے ایمان کا چراغ انتہائی ضعیف اور ٹمٹماتا ہوا ہے گویا کہ صرف زبان پر ایمان ہے اگر قلب میں ایمانِ کامل ہوتا تو لاکھوں تقاضوں کے باوجود یہ گناہ نہ کرتا۔ جس کو ہر وقت یہ استحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں وہ کیسے گناہ کر سکتا ہے، وہ گناہوں کو اوڑھنا بچھونا نہیں بنا سکتا، اس کو چین نہیں آئے گا جب تک توبہ و گریہ وزاری سے اللہ کو راضی نہ کر لے۔

لوگ کہا کرتے ہیں کہ آج کل شیخ اور مرشد اچھے نہیں ملتے، اس لیے ہم کہاں اور کس کے پاس جائیں؟ مگر ان کی یہ بات صحیح نہیں، یہ اللہ تعالیٰ پر ایک طرح کا الزام ہے کیوں کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

۲۰۵ البقرۃ: ۱۷۷

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور (عمل میں) سچوں کے ساتھ رہو۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ ایسے صادقین کو پیدا فرماتے رہیں گے، وگرنہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ جس کا وجود اس کے کارخانۂ قدرت میں نہ ہو "تَکۡلِیۡفُ مَا لَا یُطَاق" ہے جس سے اس کی ذات بَری ہے جس کی شہادت یہ آیتِ کریمہ دے رہی ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا[۲۰۶]

اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ معلوم ہوا کہ ہر دور اور ہر عہد میں باصدق و باصفا مشائخ کا ہونا لازمی ہے تاکہ لوگوں کو ان کی صحبت و معیت کا شرف حاصل ہوتا رہے جس سے اللہ کی یاد آئے، دنیا کی محبت کم ہو اور آخرت کی فکر بڑھے۔ کوئی ان مشائخ اور بزرگوں کو نہ جانے اور نہ پہچانے تو یہ اس کی کور نگاہی ہے اور طبیعت کی سہل انگاری کا کرشمہ ہے، اس میں قانونِ قدرت کا کوئی قصور نہیں۔

دیکھیے! آج کوئی مریض ہوتا ہے تو وہ کسی ڈاکٹر اور حکیم کے پاس علاج کے لیے ضرور جاتا ہے، ایسے مریض کے لیے کبھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا گیا کہ آج کل کے ڈاکٹر اور حکیم اچھے نہیں ہیں۔ اس لیے مجھے اپنی حالت میں رہنے دو، میں علاج نہیں کراتا، ہاں حکیم اجمل خاں اپنی قبر سے باہر آئیں گے تو ان سے میں علاج کراؤں گا۔ تو جب لوگ اپنے امراضِ جسمانی میں اسی زمانے کے حکمائے جسمانی کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور شفا پاتے ہیں تو کیا اپنے امراضِ روحانی میں اس دور کے حکمائے روحانی سے ربط و تعلق پیدا کر کے ان امراض سے نجات نہیں پائیں گے؟ یقیناً پائیں گے اگر لوگوں کے اندر اس کی فکر ہو اور مرض کا احساس ہو اور یہ خیال ہو کہ روح کی بیماری جسم کی بیماری سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوستی کی پیشکش

اس آیت کا عاشقانہ ترجمہ میں یہ کرتا ہوں کہ اے ایمان والو! میرے دوست بن جاؤ۔ میں تمہاری غلامی کے سر پر اپنی دوستی کا تاج رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے تقویٰ فرض کرتا ہوں اور ولی اللہ بننا، میرا دوست بننا یہ تمہارا اختیاری مضمون نہیں ہے، لازمی مضمون ہے۔ بتاؤ تقویٰ فرض کرنا کیا اللہ تعالیٰ کا کرم نہیں ہے اور تقویٰ ہی اللہ کی دوستی کی بنیاد ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ اللہ کے

---

[۲۰۶] البقرۃ:۲۸۶

اولیاء صرف متقی بندے ہیں۔ پس آیت اِتَّقُوا اللّٰہَ میں تقویٰ لازم کر کے گویا اللہ تعالیٰ ہم سب کو غلامی کے دائرہ سے اُٹھا کر اپنی دوستی کے دائرہ میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور اپنی ولایت کا تاج ہمارے سر پر رکھنا چاہتے ہیں اسی لیے تقویٰ فرض کر کے گویا ہر مؤمن کو اپنا دوست بننا فرض کر دیا کیوں کہ اللہ کی دوستی کا مادّۂ ترکیبیہ یعنی (material) صرف دو ہی جزء سے بنتا ہے۔ ایک ایمان دوسرا تقویٰ، جس کا ایک جزء یعنی ایمان تو تمہارے پاس موجود ہی ہے دوسرا جزء تقویٰ اور حاصل کر لو تو ولی ہو جاؤ گے لیکن اس جزء سے تم پیچھے ہٹتے ہو، بھاگتے ہو جب کہ تمہاری طبعی شرافت کا بھی تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو کیوں کہ نافرمانی دوستی اور وفاداری کے خلاف ہے۔ مزید احسان اور کرم بالائے کرم فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھایا، بندوں نے درخواست نہیں کی تھی کہ اے خدا! ہم سب کو اپنا ولی بنالے کیوں کہ منی اور حیض کے ناپاک میٹریل (material) سے پیدا ہو کر بندے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ اللہ کے دوست ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہماری مایوسیوں اور ناامیدیوں کے بادلوں سے اُمید کا چاند طلوع فرمایا اور یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ نازل فرما کر ہمیں اپنا دوست بنانے کی پیش کش فرمادی کہ جس چیز کو تم سوچ بھی نہیں سکتے تھے اس کی ہم پہل کرتے ہیں اور اتنے بڑے اور عظیم الشّان مالک ہو کر ہم تمہیں اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔ یہ پہل ہم نے کی ہے تم نے یہ پہل نہیں کی کیوں کہ تم پہلوان نہیں ہو، کمزور ہو، اپنی قوتِ ارادیہ کی شکست وریخت سے تم ہمیشہ غم زدہ اور پریشان رہتے ہو، ارادے کرتے ہو لیکن شیطان اور نفس کے غلبہ سے وہ پھر ٹوٹ جاتے ہیں تو ایسے کمزور وضعیف بندے اللہ کا ولی بننے کا تصور کیسے کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبوبیت کا ایک اور راستہ

اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا پیارا راستہ بتا دیا کہ ہم تمہارے اس ضعف اور کمزوری کے باوجود تمہیں اپنا دوست بنارہے ہیں تاکہ تمہارے ارادے توبہ کے ٹوٹنے نہ پائیں اور اگر ٹوٹ جائیں اور ہماری دوستی میں تم کمزور پڑ جاؤ تو پھر توبہ کر لو، پھر اشکبار ہو جاؤ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ ہم توبہ کرنے والوں کو اپنے دائرۂ محبوبیت سے خروج نہیں ہونے دیتے اور توبہ کی برکت سے صاحبِ خطا صاحبِ عطا ہو جاتا ہے اور صاحبِ ذنب لاذنب ہو جاتا ہے:

اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنۡبِ کَمَنۡ لَّا ذَنۡبَ لَہٗ [۲۰۷]

---

۲۰۷ مشکٰوۃ المصابیح: ۲۰۶، باب الاستغفار والتوبۃ، المکتبۃ القدیمیۃ

توبہ کی برکت سے بندہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس سے گناہ ہوا ہی نہیں اور وہ اللہ کا پیارا اور محبوب ہو جاتا ہے۔ دنیا کے لوگ معافی تو دیتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ بھئی! معاف کر دیا لیکن سامنے مت آیا کرو، تم کو دیکھ کر تمہاری اذیتیں آجاتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے کسی گناہ گار سے نہیں فرمایا کہ میرے سامنے مت آیا کرو، تمہارے نماز پڑھنے سے اور میرے سامنے تمہارے اشکبار ہونے سے اور آہ وفغاں کرنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے، تمہاری سابقہ کافرانہ اور فاسقانہ حرکتوں اور بدمعاشیوں سے مجھے اذیت ہوتی ہے بلکہ فرمایا کہ تم اگر توبہ کرلو تو ہم تم کو صرف معاف ہی نہیں کریں گے بلکہ اپنا پیارا بنالیں گے: اَلتَّائِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ توبہ کرنے والا اللہ کا پیارا بن جاتا ہے۔

وصول الی اللہ کی شرط

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوست بنانے کا جو حکم دیا ہے اس کو اختیاری نہیں رکھا بلکہ فرض کر دیا تاکہ تم خالی میرے مؤمن غلام ہی نہ رہو، مؤمن دوست بن جاؤ، تمہاری غلامی کے سر پر ہم تاجِ ولایت رکھنا چاہتے ہیں مگر بغیر اپنے کو پاک کیے ہوئے تم اللہ پاک کو نہیں پاؤ گے۔ اللہ پاک ہے، ناپاک کو نہیں ملتا، جس کا تزکیہ ہو گیا اسی دن وہ ولی اللہ اور صاحبِ نسبت ہو گیا۔ تزکیہ اور نسبت مع اللہ میں ایک ذرّہ کا فرق نہیں۔ اسی کو مولانا رومی فرماتے ہیں؎

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی

جب تم بد نظری، عشقِ مجازی، حسن پرستی، تکبر، غصہ، حسد، کینہ وغیرہ تمام باہی اور جاہی رذائل سے پاک ہو کر زیبا ہو جاؤ گے تو وہ حقیقی زیبا یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا پیار کرلے گا کیوں کہ زیبا کسی نازیبا کو پیار نہیں کرتا، زیبا، زیبا ہی کو پیار کرتا ہے جس دن مزکیٰ ہو گئے، تمہارے اخلاقِ رذیلہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل گئے اسی دن نسبت عطا ہو جائے گی۔ پس گناہ سے اپنی روح اور قلب کو پاک کرلو تو اللہ پاک اپنی تجلیاتِ خاصہ سے تمہارے دل میں آجائے گا۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلب کی طہارت اور قالب کی حفاظت کے لیے جہاں تقویٰ کا یعنی اپنی دوستی کا حکم دیا وہیں اس کا راستہ بھی بتا دیا اور یہ کمالِ رحمت ہے کہ حکم دے کر اس پر عمل کا طریقہ بھی بتا دیا تاکہ آسانی سے تم اس حکم کے نتیجہ کو پالو اور متقی یعنی میرے دوست ہو جاؤ اور اس میں یہ راز بھی پوشیدہ ہے کہ تم لوگ تقویٰ اختیار نہیں کر سکتے جب تک میرے بتائے ہوئے راستے پر عمل نہیں کرو گے کیوں کہ تمہارے پاس جو نفسِ امّارہ ہے اس کو اولیاء اللہ کا نفس بنانے کے لیے ایک ٹیکنالوجی (technology) اختیار کرنا پڑے گی۔

چودہ سو برس قدیم آسمانی ٹیکنالوجی

اب اختؔر کی زبان سے سائنس سنو۔ لوگ کہتے ہیں کہ مولوی لوگ سائنس نہیں جانتے، ابھی بتاؤں گا کہ مولوی جو سائنس جانتا ہے اس کی خبر سائنس دانوں کو بھی نہیں ہے۔ دیسی آم کو لنگڑا آم بنانے کے لیے پیوند کاری سائنس نے اب ایجاد کی ہے لیکن ہمارے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں چودہ سو برس پہلے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی ٹیکنالوجی نازل کی کہ اگر تم اپنے دیسی دل کی اللہ والوں کے دل سے پیوند کاری کرلو، اپنے دیسی دل کو اللہ والوں کے دل سے باندھ لو تو تمہارا دیسی دل اللہ والا ہو جائے گا، تمہارا نفسِ امارہ، اولیاء اللہ کا نفسِ مطمئنہ ہو جائے گا، بس شرط یہ ہے کہ دیسی اور غافل دل کو کسی اللہ والے صاحبِ نسبت دل سے ملا دو۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کر دے
یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی ٹیکنالوجی حیوانات و نباتات کی ٹیکنالوجی نہیں ہے، اشرف المخلوقات کی ٹیکنالوجی ہے۔ ان سائنس دانوں کی ٹیکنالوجی تو دیسی آم کو لنگڑا آم بناتی ہے، نبات ادنیٰ کو نبات اعلیٰ بناتی ہے لیکن چودہ سو برس پہلے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی جو ٹیکنالوجی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی یہ انسانِ ادنیٰ کو انسانِ اعلیٰ بناتی ہے، یہ غافل اور نافرمان انسانوں کو اللہ والا بنا کر صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات بناتی ہے۔ ان سائنس دانوں کی ٹیکنالوجی حیوانات اور نباتات کے لیے ہے لیکن انبیاء کیوں کہ اشرف الناس ہیں ان کی ٹیکنالوجی اشرف المخلوقات کے لیے ہے۔

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی پیوند کاری کا طریقہ

لیکن اس کا کیا طریقہ ہے؟ اگر کوئی شخص خالی دعا کرتا رہے کہ یا اللہ! مجھے متقی بنا دے اور متقی بننے کی تدبیر نہ اختیار کرے تو خالی دعاؤں سے متقی نہیں بنو گے۔ اگر دیسی آم دس ہزار سال تک دعا کرتا رہے کہ اے خدا! مجھے لنگڑا آم بنا دے لیکن جب تک لنگڑے آم کے ساتھ پیوند کاری کی ٹیکنالوجی اس کو نہیں ملے گی دیسی ہی رہے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے چودہ سو برس پہلے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی یہ سائنس اور ٹیکنالوجی اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ اُمت کو عطا فرمائی کہ تمہارے گناہ گار قالب اور گناہوں کا خوگر

قلب کیسے متقی بنے گا؟ کسی متقی سے متصل ہو جاؤ اور اس کے ساتھ رہ پڑو اور کتنا رہو؟ تفسیر روح المعانی میں اس کی تفسیر ہے خَالِطُوْهُمْ لِتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ اتنا رہو کہ تم بھی اس اللہ والے جیسے بن جاؤ یعنی جیسا وہ اللہ والا ہے تم بھی ویسے ہی بن جاؤ، اس کا تقویٰ، اس کی خشیت اس کی محبت تمہارے اندر منتقل ہو جائے۔ اگر تم ویسے نہیں بن پا رہے تو پھر کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کی ٹیکنالوجی پر تمہارا عمل کمزور ہے، تمہاری پیوند کاری صحیح نہیں اور تمہاری خیانت اس میں پوشیدہ ہے، تم نے اچھے دل سے، صاف دل سے اور پکے ارادے اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو اپنا مراد نہیں بنایا اور اس اللہ والے سے تمہارا تعلق ڈھیلا ڈھالا ہے کہ اپنی رائے کو تم نے فنا نہیں کیا، اس کی تجویزات اور مشوروں کی اتباعِ کامل نہیں کی، یہی دلیل ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ تمہاری پیوند کاری صحیح نہیں ہے۔ ہمیں اللہ والوں کے ساتھ اس ارادے سے رہنا ہے کہ اللہ ہماری مراد ہو جائے اور وہ مراد مل بھی جائے۔ ایک ہے مراد ہونا، دل میں ارادہ ہونا کہ میری یہ مراد ہے اور ایک مراد مل جانا ہے، مراد کا پا جانا ہے، دونوں میں فرق ہے۔ اللہ تو ہر مؤمن کا مراد ہے مگر دل میں مراد پا جاؤ، اللہ تعالیٰ مل جائے، مولیٰ کا قربِ خاص دل محسوس کرنے لگے یہ بغیر اس ٹیکنالوجی کے اور اس پیوند کاری کے یعنی صاف قلب سے اخلاص کے ساتھ کسی اللہ والے کے ساتھ رہے بغیر ممکن نہیں۔ اگر اللہ والے سے صحیح تعلق نصیب ہو جائے تو ایک دن ضرور بالضرور اللہ والے بن جاؤ گے۔ یہ قرآن پاک کا اعلان ہے، یہ تصوف بلا دلیل نہیں ہے۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر تقویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو تو صادقین کے ساتھ، ہمارے سچے بندوں کے ساتھ رہو اور صادقین سے مراد متقین ہیں اور متقین سے مراد اللہ کے اولیاء اور پیارے ہیں اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ لٰہذا پیاروں کے ساتھ رہو گے تو پیارے بن جاؤ گے اور صادقین سے مراد متقین ہیں اس کی دلیل ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

معلوم ہوا کہ جو صادق ہے وہ متقی ہے اور جو متقی ہے وہ صادق ہے اور جو متقی ہے وہ اللہ کا دوست ہے لٰہذا اللہ کے دوستوں کے ساتھ پیوند کاری کی ٹیکنالوجی حاصل کرو۔ دیسی آم کے لنگڑا آم بننے کی بھی ایک حد اور (limit) ہوتی ہے کہ اتنے دن تک لنگڑے آم کے ساتھ رہے کہ دیسی آم کی بو اور خاصیت ختم ہو جائے اور لنگڑے آم کی خوشبو، لذّت اور خاصیت آ جائے، اسی طرح متقین صادقین یعنی اللہ کے دوستوں کے ساتھ نہایت قوی تعلق سے، اخلاصِ نیت سے اور اللہ کو دل میں مراد بنا کر اتنے زمانے تک رہو کہ ان اللہ والوں کی عادت و خصلت، ان کا تقویٰ، ان کی خشیت، ان کی محبت اور ان کی وفاداری، ان کی آہ وزاری، ان کی اشکباری اور ان کی یاری تمہارے قلب میں منتقل ہو جائے۔

اولیاء اللہ کی صفت ولی سازی

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح سورج میں گرمی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور چاند کو ٹھنڈک اللہ نے بخشی ہے اسی طرح اللہ والوں کے اندر اللہ نے ولی سازی کی خاصیت عطا فرمائی ہے یعنی ان کی برکت سے دوسرے لوگ بھی اللہ کے ولی بنتے ہیں۔ یہ خاصیت ان کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ یہ ان کی ذاتی صفت نہیں ہے، جب خود ان کا ولی بننا اللہ کی عطا ہے تو ولی سازی کیسے ان کی ذاتی خاصیت ہو سکتی ہے۔ جس طرح مشہور ہے کہ۔

آہن کہ بہ پارس آشنا شد
فی الفور بصورتِ طلا شد

جو لوہا پارس پتھر کے ساتھ مل جائے، متصل ہو جائے، touch ہو جائے، چھو جائے تو وہ لوہا فوراً سونا بن جاتا ہے تو پارس پتھر میں لوہے کو سونا بنانے کی جو خاصیت ہے وہ پارس پتھر کی ذاتی نہیں ہے اس کو دی گئی ہے، اسی طرح اللہ والوں کے اندر ولی سازی یعنی ولی اللہ بنانے کی خاصیت اُن کی ذاتی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے۔

کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کی ٹیکنالوجی کا طریقِ حصول

نباتِ ادنیٰ کو نباتِ اعلیٰ بنانے کی ٹیکنالوجی یعنی دیسی آم کو لنگڑا آم بنانے کی سائنس دانوں کی ایجاد تو اس صدی کی ہے لیکن انسانِ ادنیٰ کو انسانِ اعلیٰ، فاسق اور فاجر کو ولی اللہ اور غافل اور نافرمان کو حقیقی معنوں میں اشرف المخلوقات بنانے کی ٹیکنالوجی کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ چودہ سو برس پہلے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک پر نازل ہوئی اور یہ سائنس دان چوں کہ زمینی ہیں اس لیے ان کی ٹیکنالوجی حیوانات و نباتات تک محدود ہے اور انبیاء علیہم السلام اشرف الناس ہوتے ہیں اس لیے ان کی ٹیکنالوجی اشرف المخلوقات یعنی انسانوں کے لیے ہے۔ لہٰذا کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کی ٹیکنالوجی کا فیض کس طرح منتقل ہوتا ہے؟ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کا فیض طالبین اور مریدین میں، ان کے ہمنشینوں اور ساتھ رہنے والوں میں چار طریقے سے منتقل ہوتا ہے۔ یعنی اللہ والوں کے اندر ولایت سازی کی جو خاصیت ہے، ان کو جو اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی اور تقویٰ کی حیات حاصل ہے وہ چار طریقوں سے منتقل ہوتی ہے۔

نفس و شیطان کو مغلوب کرنے کے داؤ پیچ

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی دین کی ایسی بات سنا دیں گے اور ایسا داؤ پیچ سکھا دیں گے کہ نفس کو پٹکنے میں آسانی ہو جائے گی۔ جیسا کہ دنیا کے اکھاڑے میں ہوتا ہے کہ داؤ پیچ جاننے والا دبلا پتلا چالیس کلو کا پہلوان تین من کے پہلوان کو گرا دیتا ہے۔ تو اللہ والے اپنے ملفوظات سے ہمیں نفس و شیطان کو پٹکنے کے داؤ پیچ سکھاتے ہیں جس سے نفس و شیطان غالب نہیں آتے۔

اہل اللہ سے مستفید ہونے کی شرطِ اوّلیں

لیکن شرط یہ ہے کہ ان کی باتوں پر عمل کرے اور ان کی رائے کے سامنے اپنی رائے کو فنا کر دے تب یہ مقام نصیب ہو گا کہ جیسے وہ نفس و شیطان کو پٹکتے ہیں آپ بھی پٹکنے لگیں گے اور اس کی مثال وہی ہے کہ جیسے لنگڑے آم میں جو خاصیت، لذت اور ذائقہ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ دیسی آم کا صرف اتنا کام ہے کہ لنگڑے آم کے سامنے اپنا خاص ہونا بھول جائے کہ میں بھی کوئی خاص چیز ہوں، اپنے وی آئی پی (VIP) ہونے کا احساس ختم ہو جائے، اپنے کو مٹا کر لنگڑے آم سے مل جائے۔ اسی طرح اللہ والوں کے سامنے اپنی بڑائی، اپنا علم و قابلیت سب ختم کر دو، اپنی ضَرَبَ یَضْرِبُ بھی بھول جاؤ ورنہ ساری زندگی ضارب و مضروب رہو گے۔ کہیں مارو گے کہیں مارے جاؤ گے اور کہیں مَفْعُوْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ ہو جاؤ گے، پتا بھی نہیں چلے گا کہ کون مار کر چلا گیا۔ کبھی ایسی پٹائی بھی ہوتی ہے کہ پیٹنے والا کوئی نشہ پلا کر بے ہوش کر دیتا ہے اور خوب پٹائی کرتا ہے۔ صبح کو جب ہوش آتا ہے تو چوٹ کا درد تو محسوس کرتا ہے مگر پیٹنے والے کا پتا نہیں چلتا اس کا نام عربی زبان میں مَفْعُوْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ ہے یعنی وہ مفعول جس کے فاعل کا پتا نہ چلے جیسے ضُرِبَ زَیْدٌ زید مارا گیا اور مارنے والے کا پتا نہیں۔ ایسے ہی شیطان کی مار ہے کہ شیطان نظر نہیں آتا لیکن بہکاتا ہے اور گناہ کا وسوسہ ڈالتا ہے لہٰذا جو لوگ گناہ کر رہے ہیں وہ سب کے سب شیطان کے مَفْعُوْلُ مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ ہیں کہ ان کی پٹائی ہو رہی ہے اور انہیں خبر بھی نہیں کہ ان کی پٹائی کرنے والا شیطان ہے کیوں کہ وہ سامنے نہیں آتا، دل میں گناہ کا تقاضا پیدا کرتا ہے۔

وسوسۂ شیطانی اور وسوسۂ نفسانی کا فرق

اس طرح نفس بھی بہکاتا ہے اور وسوسہ ڈالتا ہے لیکن شیطان اور نفس کے وسوسہ میں کیا فرق ہے؟

یہ مجددِ زمانہ حکیم الامت کی زبان سے سنیے کہ اگر ایک دفعہ گناہ کا وسوسہ آیا اور پھر ختم ہو گیا تو سمجھ لو کہ یہ شیطان تھا بہکا کر چلا گیا لیکن جب گناہ کا تقاضا بار بار ہو تو سمجھ لو کہ یہ اندر کا دشمن نفس ہے جو پہلو میں بیٹھا ہوا بار بار تقاضا کر رہا ہے کہ یہ گناہ کر لو، یہ گناہ کر لو اور گھر کا دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

شیطان کا نہایت پیارا خلیفہ

شیطان تو بہت مصروف یعنی ''بزی busy'' شخصیت ہے، اس کے پاس اتنا ٹائم نہیں کہ ایک ہی آدمی کے پیچھے لگ جائے اس لیے ایک دفعہ بہکا کر خود تو چلا جاتا ہے لیکن اپنا خلیفہ یعنی نفسِ امارہ چھوڑ جاتا ہے جو اس کا بہت ہی پیارا اور فرماں بردار خلیفہ ہے جو گناہ کا بار بار تقاضا کرتا رہتا ہے۔

اللہ والوں کا فیض منتقل ہونے کا ایک راستہ معلوم ہو گیا کہ ان کے ارشادات میں ہدایت ہوتی ہے، نفس و شیطان و معاشرہ کے شر سے بچنے کے داؤ پیچ معلوم ہوتے ہیں۔

اہل اللہ کا نورِ باطن منتقل ہونے کے دو راستے

ان کی صحبت سے ان کے قلب کا نور ہمارے قلب میں دو طرح سے داخل ہوتا ہے ایک تو یہ کہ قلب سے قلب میں فاصلے نہیں ہیں۔ اجسام میں تو فاصلے ہوتے ہیں لیکن دلوں میں فاصلے نہیں ہیں جیسے ایک بلب یہاں جل رہا ہے اور دوسرا وہاں جل رہا ہے، تیسرا اور فاصلے پر جل رہا ہے تو بلب کے اجسام میں تو فاصلے ہیں لیکن روشنی میں فاصلے نہیں ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں بلب کی روشنی یہاں تک ہے اور فلاں کی وہاں تک ہے، نور کی کوئی حدِّ فاصل نہیں ہوتی، نور مخلوط ہوتا ہے۔ پس جب ہم اللہ والے کے پاس بیٹھیں گے تو اس مجلس میں اس اللہ والے کا نور اور طالبین کا نور سب کی روشنیاں آپس میں مل جائیں گی اور نور میں اضافہ ہو جائے گا اور قوی النور شیخ کے نور سے مل کر ضعیف النور طالبین کا نور بھی قوی ہو جائے گا اور نور منتقل ہونے کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ اللہ والے جب اپنے ارشادات سے اللہ کا راستہ بتاتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ؎

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند
نور را با لفظہا ہمرہ کند

اللہ والے، صاحبِ نور اللہ کا راستہ بھی بتاتے ہیں اور اپنے نورِ باطن کو اپنے لفظوں کے کیپسول میں رکھ کر

طالبین کے کانوں کے قیف سے ان کے دلوں میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ نورِ متعدی نورِ قلب کے متعدی ہونے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا اپنے قالب کو ان کی مجلس میں لے جاؤ، ان کے پاس بیٹھو اور ان کی باتیں سنو اور عورتوں کے لیے اہل اللہ کی صحبت ان کا وعظ سننا ہے۔ وہ کان کے ذریعہ سے صاحبِ نسبت اور ولی اللہ ہو جائیں گی۔ کانوں سے سنتی رہیں یا ان کے کیسٹ سنتی رہیں اور کیسٹ دستیاب نہ ہوں تو اللہ والوں کی کتابیں پڑھیں لیکن وعظ سننے کا فائدہ زیادہ ہے کتاب سے کیوں کہ وعظ میں ان کا دردِ دل براہِ راست شامل ہوتا ہے لہٰذا جہاں وعظ ہو رہا ہو پہنچ جاؤ بشرطیکہ پردہ کا انتظام ہو۔ جس پیر کے یہاں دیکھو کہ عورتیں اور مرد مخلوط بیٹھے ہیں تو سمجھ لو یہ پیر نہیں ہے پیر ہے، وہاں سے اپنے پیر جلدی سے اٹھالو اور ادھر کارخ بھی نہ کرو۔ کیوں کہ یہ اللہ والا نہیں ہے شیطان ہے، شاہ صاحب نہیں ہے سیاہ صاحب ہے اور اس کی خانقاہ نہیں ہے خواہ مخواہ ہے۔

اہل اللہ سے شدید تعلق و محبت اور اس کی مثال

وہ راتوں میں اپنے پاس کے بیٹھنے والوں کے لیے اور اپنے صحبت یافتہ لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں کہ اے خدا! جو بھی خانقاہ میں آئے محروم نہ جائے۔ ان کی آہ کو اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا۔ دیکھیے: ایک بچہ کسی کے ابّا سے لڈو مانگ رہا ہے۔ ابّا اس کو لڈو نہیں دیتا کہ یہ میرا بیٹا تھوڑی ہے لیکن اتنے میں اس کا بچہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ ابو! یہ میرا کلاس فیلو ہے، میں اس کے ساتھ کھیلتا ہوں اور اسی کے ساتھ پڑھتا ہوں یہ میرا جگری دوست ہے، جب جگری دوست کہتا ہے تو ابا کا جگر ہل جاتا ہے کہ میرے بیٹے کا جگری دوست ہے اور فوراً اس کو بھی لڈو دے دیتا ہے، تو اللہ والوں سے جگری دوستی کرو، معمولی دوستی سے کام نہیں بنے گا، اتنی دوستی کرو کہ وہ آپ کو دوست کہہ سکیں اور اللہ سے بھی کہہ سکیں کہ یا اللہ! یہ میرا دوست ہے تو اللہ جب ان کو اپنے قرب کا لڈو دے گا تو جس کو وہ اپنا دوست کہہ دیں گے اس کو بھی یہ لڈو مل جائے گا۔ بتاؤ اس سے زیادہ واضح مثال اور کیا ہوگی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اِنَّ جَلِیْسَھُمْ یَنْدَرِجُ مَعَھُمْ فِیْ جَمِیْعِ مَا یَتَفَضَّلُ اللہُ بِہٖ عَلَیْھِمْ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے دوستوں کو اپنے اولیاء کے رجسٹر میں درج کرتے ہیں اور ان پر وہ تمام افضال و مہربانیاں فرماتے ہیں جو اپنے اولیاء پر فرماتے ہیں اور اس کی وجہ کیا ہے؟ اِکْرَامًا لَّھُمْ بوجہ اپنے دوستوں کے اکرام کے۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ آپ کا کوئی پیارا دوست آتا ہے تو آپ اس کے ساتھیوں کی بھی وہی خاطر مدارات کرتے ہیں جو اپنے اس خاص دوست کی کرتے ہیں۔

لہٰذا اللہ والوں کے ساتھ رہ پڑو اور اتنا ساتھ رہو کہ دنیا بھی سمجھے کہ یہ فلاں کے ساتھی ہیں۔ چناں چہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جارہے تھے کہ ایک تابعی نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: ھٰذَا صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰہِ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ صحابی کے اس واقعہ سے اختر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ اتنا رہو کہ دنیا کی زبان پر قیامت تک یہ جاری ہو جائے کہ یہ فلاں کے ساتھ تھے، جو جتنا زیادہ ساتھ رہتا ہے اتنا ہی گہرا دوست ہوتا ہے اور اگر دوستی کمزور ہو، مثل نہ ہونے کے ہو تو وہ کیسے کہے گا کہ یہ میرا دوست ہے لیکن میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ یا اللہ! جو خانقاہ میں آئے محروم نہ جائے، مدرسہ و مسجد خانقاہ کے ایک ایک ذرّہ میں جذب کی کشش بھر دے کہ یہاں جس کا قدم آجائے وہ بھی دردِ دل، دردِ نسبت اور دردِ محبت پاجائے، نورِ تقویٰ پاجائے اور ولی اللہ بن جائے۔

دردِ محبت میں اہل اللہ کے خود کفیل ہونے کی مثال

اللہ تعالیٰ نے جس طرح پارس پتھر میں سونا سازی یعنی لوہے کو سونا بنانے کی خاصیت رکھی ہے، آگ میں گرمی اور جلانے کی خاصیت رکھی ہے اور برف میں ٹھنڈا کرنے کی خاصیت رکھی ہے اور ان کی خاصیت بلا دلیل تسلیم کی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ والوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاصیت رکھی ہے اولیاء سازی کی کہ ان کی صحبت میں رہنے والے ولی اللہ ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ آگ جلائیں اور کوئی پوچھے کہ آگ میں گرمی کیوں ہے، اسی طرح کوئی کہے کہ چاند سے گرمی نہیں ملتی لیکن سورج میں کیوں گرمی ہے تو آپ یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ خاصیت رکھی ہے اور سورج کا ایندھن جس سے سورج چمکتا ہے اس کا خرچہ کتنا ہے؟ سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ سارے عالم میں جتنا ایندھن خرچ ہوتا ہے سورج میں آگ کا ایندھن ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ خرچ ہوتا ہے لیکن یہ ایندھن سورج کہاں سے پاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایندھن میں سورج کو خود کفیل بنایا ہے۔ اس کے اندر ہزاروں لاکھوں ہائیڈروجن بم ہر وقت پھٹتے رہتے ہیں جن سے خود بخود آگ پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر سورج اپنے ایندھن میں خود کفیل نہ ہوتا تو اتنا ایندھن کہاں سے پاتا؟ جب کہ ساری دنیا کا ایندھن اس کے ایک گھنٹہ کے ایندھن کے برابر ہے۔ ایسے ہی اللہ والے جو ہدایت کے سورج ہیں ان کے قلب دردِ دل کے ایندھن میں خود کفیل بنائے جاتے ہیں، ان کا یہ ایندھن کہاں سے آتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کے قلب پر علومِ غیبیہ وارد کرتا ہے، ان کے دلوں کے اندر اپنے دردِ محبت کا ایندھن دیتا ہے، ان کے اندر ہمہ وقت دردِ دل کے ایسے دھماکے ہوتے رہتے ہیں جن سے وہ خود بھی گرما

گرم رہتے ہیں اور ان کی برکت سے ان کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی ایمانی گرمیاں مل جاتی ہیں اور ایک دن کے ہم نشینوں کے قلب بھی ہدایت کے سورج بن کر اپنے دردِ دل کی آگ میں خود کفیل ہو جاتے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

آیت نمبر ۴۳

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ[۲۰۸]

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضایع نہیں کرتے۔

اللہ اپنے عاشقوں کے اجر کو ضایع نہیں کرتا، کہاں مردہ لاشوں پر جاتے ہو؟ دونوں میں کوئی نسبت نہیں اس لیے وہ لوگ انتہائی بے وقوف اور احمق ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دنیا پر مر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ پر مرنا سیکھو اور یہ بھی اللہ والوں ہی کے صدقہ میں آئے گا۔ حوصلۂ شہبازی کس سے آئے گا؟ بازِ شاہی سے اور بازِ شاہی کیسے بنو گے؟ صحبت کی برکت سے۔ دنیا میں کوئی ولی اللہ نہیں ہوا جب تک کسی ولی اللہ کی صحبت نہیں ملی۔ دیسی آم کو لنگڑے آم کے متعلق ایک لاکھ کتابیں پڑھا دو، ایم ایس سی کرا دو لیکن ایک لاکھ کتابوں کے باوجود دیسی ہی رہے گا لیکن اسے کوئی کتاب نہ پڑھاؤ لنگڑے آم کی قلم لگا دو آہستہ آہستہ وہ خود لنگڑا آم بن جائے گا۔

اور ایک بہت بڑی بات اور بتا دوں کہ اگر کوئی مرید اپنی بے وقوفی سے اپنے شیخ کے بلند مقام کو نہ پہچانتا ہو اور شیخ بھی خود اپنی ولایت کے مقام کی بلندی سے ناواقف ہو لیکن اس کی صحبت میں ولایت سازی کی خاصیت ضرور ہو گی کہ اس کی برکت سے مرید کامیاب ہو جائے اور ولایت نصیب ہو جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر جو خاصیت رکھی ہے اس کا اثر ظاہر ہو گا جیسے کوئی نہ جانتا ہو کہ آگ کیا چیز ہے اور آگ کو بھی اپنے آگ ہونے کا علم نہ ہو لیکن اس میں جلانے کی خاصیت ضرور ہو گی۔

جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

بعض بندے اللہ کے ولی ہوتے ہیں لیکن انہیں بوجہ اپنی سادگیٔ طبع کے خود بھی پتا نہیں ہوتا کہ ہم کس درجہ کے ولی اللہ ہیں لیکن ان کے فیض سے کوئی محروم نہیں رہتا۔

۲۰۸؎ التوبۃ: ۱۲۰

آیت نمبر ۴۴

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ[۲۰۹]

ترجمہ: واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے حلیم الطبع، رحیم المزاج، رقیق القلب تھے۔

تعلّقِ خُلّت (خالص دوستی) کی علامت

اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیۡبٌ آیت دال بر علامت تعلقِ خلّت ہے۔ جب روحِ سالک کو یہ مقامِ خُلّت عطا ہوتا ہے تو وہ کثرتِ آہ سے مشرف ہو جاتی ہے۔ اِنابت کی صفت سے قبل اَوَّاهٌ کو بیان فرما کر بتا دیا کہ اِنابتِ کاملہ کی صفت مخفی اور باطنی ہے پس دوسرے لوگ کیسے پہچانیں گے ہمارے خلیلوں کو۔ اس لیے پہلے ہی اَوَّاهٌ کی صفت بیان فرمادی کہ آتشِ غم کے تحمل کے لیے وہ بکثرت آہ کیا کرتے ہیں۔

آہ کو نسبت ہے کچھ عُشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور آپ کی خُلّت بھی منصوص ہے وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا[۲۱۰] اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنایا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی دلیل

كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ[۲۱۱] یعنی یہ لوگ (کفّار) اس روز اپنے رب کا دیدار کرنے سے روک دیے جائیں گے۔ یہ عنوانِ سزا حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے۔ بر عکس دنیا کے حُکّام چوں کہ حُکّامِ محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے اس لیے جب سے روئے زمین قائم ہے آج تک کسی سلطان یا حاکم نے مجرمین کو یہ سزا نہیں سنائی ہے کہ تم کو اس جرم کے سبب ہم اپنی صورت کے دیدار سے

۲۰۹؎ هود: ۷۵

۲۱۰؎ النساء: ۱۲۵

۲۱۱؎ المطففين: ۱۵

محبوب اور محروم کرتے ہیں اور اگر کوئی حاکم یہ اعلان کرے کبھی تو مجرمین کہیں گے کہ تیری صورت پر جھاڑو پھرے تو ہماری جان بخش دے اور حق تعالیٰ شانہٗ کفار سے فرمائیں گے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ ہم تمہیں اپنی رؤیت سے مشرف کریں اور کس انداز سے فرمائیں گے **کَلَّآ** ہرگز نہیں اور صفتِ ربوبیت بیان فرمائی جو علت محبوبیت ہے یعنی پالنے والا محبوب ہوتا ہے اور محبوب کے دیدار سے محرومی کتنی بڑی محرومی ہے جو کفار کے لیے باعثِ حسرت ہوگی۔ **ذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِيَ اللهُ تَعَالٰى شَانُهٗ بِلُطْفِهٖ**

آیت نمبر ۴۵

قَالَ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ [۲۱۲]

ترجمہ: یوسف (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب! جس (واہیات) کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔

اللہ کے راستے کا غم اللہ کا پیار ہے

مرنے والی لاشوں کو مت دیکھو، نہ دیکھنے کا غم اُٹھاؤ، غم سے کیوں بھاگتے ہو؟ اس غم کو پیار کرو کیوں کہ خدا کے راستے کا غم ہے۔ اس غم کو اللہ پیار کرتا ہے جس غم کو اللہ پیار کرے وہ غم پیارا نہیں ہے؟ یہ غم نہیں یہ اللہ کے راستے کا پیار ہے۔ جب اللہ خوش ہوتا ہے تو حلاوتِ ایمانی دیتا ہے لٰہذا اس غم پر شکر ادا کرو۔ جب چپکے چپکے نظر بچالو تو کہو کہ اے اللہ! آپ کا احسان ہے کہ آپ نے اپنے راستے کا غم عطا فرمایا۔ آپ کی راہ کا ایک کانٹا سارے عالم کے پھولوں سے بہتر ہے اور آپ کے راستے کا غم سارے عالم کی خوشیوں سے بہتر ہے، اللہ کے راستے میں اگر ایک کانٹا چبھ جائے تو ساری دنیا کے پھول اگر اس کانٹے کو سلامِ احترامی اور گارڈ آف آنر پیش کریں تو اس کانٹے کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ کے راستے میں نظر بچانے میں، گناہ سے بچنے میں ایک ذرّہ غم دل میں آجائے تو یہ اتنا مبارک غم ہے کہ ساری دنیا کی خوشیاں اگر اس غم کو سلام کریں تو اس غم کی عظمت کا حق ادا نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ اللہ کے راستے کا غم ہے۔ اسی لیے جانِ یوسف علیہ

---

۲۱۲ یوسف: ۳۳

السلام نے اعلان فرمایا تھا رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ اے میرے رب! مجھے قید خانہ محبوب ہی نہیں بلکہ اَحبّ ہے اس بات سے جس کی طرف یہ مصر کی عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ آہ! جن کی راہ کے قید خانے احب ہیں ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے۔

دوستو! میرا یہ مضمون، یہ سبجیکٹ (subject) ہائی کلاس کا ہے یا نہیں؟ پی ایچ ڈی (Phd.) سے بھی آگے کا ہے یا نہیں؟ بس سمجھ لو آج کل اختر کو میرے مالک نے کس اعلیٰ مضمون کا ٹیچر بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اختر سے آج کل اتنے اونچے مقام کا مضمون بیان کرا رہا ہے کہ اس پر جو عمل کرلے وہ ان شاء اللہ! اولیائے صدیقین کی منتہا تک پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد پھر ولایت کی سرحد ختم ہے سب سے اعلیٰ درجہ میں داخل ہو جاؤ گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ کے قرب کی منزل اتنی قیمتی ہے کہ دنیا میں اس سے قیمتی کوئی منزل نہیں ہے۔ پس اللہ کے راستے کا غم کتنا قیمتی ہوگا، ان کے راستے کے کانٹے کتنے قیمتی ہوں گے؟ حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے دھمکی دی کہ اگر میری فرمایش پوری نہیں کروگے تو ہم تمہیں قید خانہ میں ڈلوا دیں گے۔ ہم بادشاہ کی بیوی ہیں۔ آپ نے اس سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ سے رجوع کیا، اپنے رب کو پکارا رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ... الخ اس آیت میں اشارہ ہے کہ ایسے وقت میں اللہ سے رجوع ہو جاؤ، جب زمین والے تم کو ستائیں تو آسمان والے سے فریاد کرو، زمین کے مقناطیس جب ہم کو کھینچیں تو آسمان والے جاذب کو پکارو جس کی قوتِ جاذبہ سب سے بڑی ہے اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی جانِ پاک نے جو اعلان کیا تھا وہی اعلان کرو کہ رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ اے میرے پالنے والے! تیرے راستے کا قید خانہ مجھے پیارا ہے اس گناہ سے جس کی طرف یہ بادشاہِ مصر کی عورت مجھے بلا رہی ہے اور مجھے دھمکی دے رہی ہے کہ اگر گناہ نہیں کروگے تو تم کو قید خانہ میں ڈال دیں گے لیکن اے خدا! تجھے ناخوش کرنے سے مجھے قید خانہ اَحبّ ہے، تیری لذّتِ قرب کے سامنے ساری دنیا کے رنج و صعوبتیں ہیچ ہیں، تیرے راستے کا غم سارے عالم کی خوشیوں سے مجھے عزیز تر ہے۔ تیری راہ کا قید خانہ اور قید خانے کا غم مجھے محبوب ہی نہیں بلکہ اَحبّ ہے اس خبیث بات سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں۔ اور یہاں جمع کا صیغہ یدعون کیوں نازل ہوا؟ جب کہ بلانے والی واحد تھی یعنی صرف زُلیخا بلا رہی تھی۔ تو حضرت حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمع کا صیغہ اس لیے نازل کیا کیوں کہ مصر کی عورتوں نے سفارش کی تھی کہ اے یوسف! اس کی خواہش پوری کردو لہٰذا گناہ میں تعاون کرنا، مدد کرنا اور سفارش کرنا اتنا ہی جرم ہے جتنا

اصل مجرم کا۔ اسی لیے رشوت کا دِلانے والا اتنا ہی مجرم ہے جتنا لینے والا۔

اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے پیارے ہیں کہ جن کے راستے کے قید خانے اَحبّ ہوتے ہیں تو ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے؟ یہ جملہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تو میری اُردو کی لذت پر ندوہ کے علماء مست ہو گئے اور فرمایا کہ کیا استدلال ہے اور کیا شیرینی زبان ہے کہ جن کی راہ کے قید خانے محبوب ہی نہیں احب ہیں ان کی راہ کے گلستاں کیسے ہوں گے؟ جن کے راستے کی تلخیاں پیاری ہیں تو ان کی شیرینیاں کیسی ہوں گی؟ جن کی راہ کے غم اور تکالیف اَحبّ ہیں تو ان کے نام کی لذت کا کیا عالم ہو گا؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں تو ان کے نام کی لذت بھی بے مثل ہے جو جنّت میں بھی نہیں ملے گی خاص کر نظر بچانے کے غم پر حلاوتِ ایمانی کا جو وعدہ ہے یہ حلاوتِ ایمانی اس دنیا ہی میں ملتی ہے، یہ جنّت میں بھی نہیں ملے گی کیوں کہ جنّت میں نظر بچانے کا حکم ختم ہو جائے گا، وہاں شریعت نہیں رہے گی، وہاں سب فرشتوں کی طرح پاک ہو جائیں گے تو یہ مزہ دنیا ہی میں اُٹھالو۔ نظر بچا کر یہ حلوۂ ایمانی لوٹ لو۔

اگر ہم ارادہ کرلیں اور ہمت سے کام لیں کہ گناہ نہیں کرنا اور گناہ نہ کرنے کا غم اُٹھانا ہے اور غم کے اس قید خانے کو دل و جان سے محبوب رکھنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ناخوش کر کے حرام خوشیاں قلب میں درآمد نہیں کرنا ہیں، غیر اللہ کی شکل و صورت سے بچنے میں جان کی بازی لگانا ہے تو ان شاء اللہ! بطفیلِ سرورِ عالم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج بھی اللہ تعالیٰ وہ مستی دینے پر قادر ہے کہ غم محسوس ہی نہ ہو گا اور ایسی مستی عطا ہو گی جس کا نشہ کبھی نہیں اُترے گا۔

آیت نمبر ۴۶

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ [۲۱۳]

ترجمہ: بے شک نفس (ہر ایک کا) بُری ہی بات بتلاتا ہے بجز اس (نفس) کے جس پر میرا ربّ رحم کرے۔

۲۱۳؎ یوسف: ۵۳

لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ جملہ اسمیہ سے نازل ہونے کاراز

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ بے شک نفس امارہ بالسّوء ہے یعنی کثیر الامر بالسّوء ہے، برائی کا بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے اور'' اِنَّ '' داخل کر کے جملۂ اسمیہ کیوں نازل فرمایا؟ اس لیے کہ عربی قواعد کے لحاظ سے جملۂ اسمیہ دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نفس جوان ہو یا بڈھا ہو اس سے ہمیشہ آخری سانس تک ہوشیار رہو، یہ ہمیشہ کثیر الامر بالسوء ہے، ہمیشہ کثرت سے برائیوں کا حکم دیتا رہے گا، اس لیے جن لوگوں کے بال سفید ہوگئے ان کو پریشان نہ ہونا چاہیے کہ اب بھی ہم کو نگاہوں کے وسوسے آتے ہیں اور وہ مایوس ہونے لگتے ہیں کہ کب تک یہ کم بخت ہم کو پریشان کرے گا۔ جملۂ اسمیہ سے دوام پر دلالت کر کے اللہ تعالیٰ نے نفس کی فطرت بیان کر دی ہے کہ یہ ہمیشہ کثیر الامر بالسوء رہے گا، برائیوں کی طرف تقاضا کرے گا۔

نفس کے خلاف جہاد کا طریقہ

لیکن تقاضوں سے نہ گھبرانا، تقاضوں سے کچھ نہیں ہوتا جب تک تم ان تقاضوں پر عمل نہ کرو، لہٰذا اس کے حرام تقاضوں پر غم نہ کرنا۔ اگر روزہ ہے اور آپ کا سو مرتبہ پانی پینے کو دل چاہا، شدید تقاضا ہوا لیکن آپ نے پیا نہیں تو بتائیے آپ کا روزہ ہے یا نہیں؟ لہٰذا جس طرح پیاس کا تقاضا ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح برے تقاضوں سے تقویٰ نہیں ٹوٹتا جب تک ان تقاضوں پر عمل نہ کیا جائے۔ جس کو روزہ میں سو مرتبہ پانی پینے کا تقاضا ہوا اور اس نے نہیں پیا تو اس کے روزے کا اجر زیادہ ہو جائے گا۔ ایسے ہی ہزار مرتبہ دل میں گناہ کا تقاضا ہو مثلاً بد نظری کا یا کسی اور گناہ کا تو اس سے اجر اور بڑھتا ہے اور تقاضے سے تقویٰ نہیں ٹوٹتا جب تک کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے۔

حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے کیا عمدہ مثال دی کہ تقویٰ سے رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا باوضو رہنا آسان ہے۔ وضو میں کیا ہوتا ہے؟ اگر وضو ٹوٹ گیا تو آپ دوبارہ وضو کر لیتے ہیں اسی طرح اگر تقویٰ ٹوٹ جائے تو توبہ کر کے دوبارہ تقویٰ کے لیے کمر باندھ لیجیے کہ یا اللہ! مجھ سے نالائقی ہوئی، آیندہ آپ کو ناراض نہیں کروں گا اور گناہ سے پہلے نفس سے پوری لڑائی لڑیے، پورا مقابلہ کیجیے، جہاد کا حق ادا کیجیے، یہ نہیں کہ نفس کان پکڑ کر تمہیں گدھے کی طرح جدھر چاہے لے جا رہا

ہے اور تم پیچھے پیچھے چلے جارہے ہو۔ جو شخص نفس سے جہاد نہیں کرتا وہ مجرم ہے، اس سے موٴاخذہ ہوگا کہ تم نے گناہ سے پہلے نفس سے لڑائی کیوں نہیں کی۔ ایک ہے گٹر میں گرنا، ایک ہے اپنے کو گٹر میں گرانا، ایک ہے پھسلنا، ایک ہے پھسلانا، ایک ہے گناہ ہوجانا اور ایک ہے جان بوجھ کر گناہ کرنا، دونوں میں فرق ہے۔

نفس کا اژدہا اور اسبابِ معصیت

نفس پر اعتماد مت کرو، یہ اپنی فطرت کے اعتبار سے بچھو کے ڈنک اور کتے کی دم کی طرح ہے۔ ایک شخص نے دس سال تک کتے کی دم کو نلکی میں ڈال کر رکھا اور تیل بھی لگادیا کہ گرمی سے سیدھی ہوجائے گی لیکن دس سال کے بعد جب نکالا تو ٹیڑھی ہی تھی۔ یہی حال نفس کا ہے لیکن تقویٰ اس کے بُرے تقاضوں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ برے تقاضے اللہ نے ہمیں مٹیریل اور اجزاء دیے ہیں تعمیرِ تقویٰ کے لیے۔ جب نفس میں برے تقاضے پیدا ہوں آپ ان سے جہاد کریں یعنی ان پر عمل نہ کریں، اسی کا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ یہ نہیں ہے کہ برائی کا خیال ہی نہ آئے اور ہیجڑا و مخنث ہوجائے، خوب سمجھ لیجیے!

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ کا ترجمہ ہے کہ نفس امارہ بالسّوء ہے یعنی کثیر الامر بالسّوء ہے اور جملۂ اسمیہ سے کیوں بیان فرمایا؟ تاکہ مرتے دم تک تم نفس سے بے خبر نہ رہو، جملۂ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے یعنی نفس شہوت کے بُرے بُرے تقاضوں سے پریشان رکھے گا، یہ کش کرتا رہے گا آپ مکش رہیے، اس کشمکش کے لیے اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے کہ چند دن کشمکش میں رہو، اس کشمکش سے ایک نور پیدا ہوگا۔

کلام اللہ کا اعجازِ بلاغت

اس کے بعد سوال ہے کہ بالسوء پر ''الف لام'' کیوں داخل کیا؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ یہ الف لام جنس کا ہے اور جنس وہ کلی ہے جو انواع مختلف الحقائق پر مشتمل ہوتی ہے یعنی گناہوں کی جتنی قسمیں ہیں وہ سب اس الف لام میں داخل ہیں یعنی جس وقت قرآن نازل ہورہا تھا اس وقت بھی گناہوں کی جتنی قسمیں تھیں اور قیامت تک جتنی قسمیں گناہوں کی پیدا ہوں گی وہ سب ''الف لام'' میں داخل ہیں، یعنی نفس تم کو ہر برائی کا حکم کرتا رہے گا، موجودہ جتنے گناہ ہیں اور آیندہ جو ہوں گے ان سب کا تمہیں تقاضا کرتا رہے گا، یہ ''الف لام'' جنس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت دیکھو، کیا شان ہے اس کی! جب قرآن نازل ہورہا تھا اس وقت ریڈیو، آڈیو کہاں تھے، ویڈیو اور فلمیں نہیں تھیں، سینما نہیں تھے، اتنے نئے

نئے گناہ نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی کیا شان ہے کہ الف لام جنس کا داخل کیا جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کلام ہے جس میں ایسی بلاغت ہے کہ قیامت تک گناہوں کی جتنی بھی نئی نئی صورتیں ایجاد ہوں گی اور جتنے بھی انواع و اقسام پیدا ہوں گے یہ الف لام سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ مگر وہ لوگ جن پر اللہ کی رحمت کا سایہ ہو وہی نفس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ یہ آیت بھی نازل کی تاکہ معلوم ہو کہ ہر وقت یہ رحمت نہیں رہ سکتی اس کے لیے گڑ گڑا کر مانگنا پڑے گا۔ اس آیت میں مَا کیا ہے؟ یہ ظرفیہ، زمانیہ، مصدریہ ہے تو اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ [۲۱۴] کا ترجمہ ہوا اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ [۲۱۵] یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس وقت تک رہے گی جب تک تم اللہ کی رحمت کے سائے میں رہو گے۔ فِیْ سے ظرفیہ بن گیا اور وقت سے زمانیہ بن گیا اور رَحِمَ ماضی رحمت سے مصدر بن گیا یعنی جب تک اللہ کی رحمت کا سایہ رہے گا اس وقت تک تم بچے رہو گے، اس عنوان سے کیا نصیحت ہوئی کہ کسی شخص کو یہ ناز نہیں ہونا چاہیے، اس لیے مَنْ نازل نہیں فرمایا جس کا ترجمہ ہوتا کہ "مگر وہ لوگ" یعنی جن لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے وہ گناہوں سے بچتے ہیں، مَنْ نازل نہیں کیا، "مَا" نازل کیا، جس کا ترجمہ ہوا کہ جب اللہ کی رحمت نازل ہو اسی وقت لوگ گناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وقت بدلتا رہتا ہے، کسی وقت رحمت ہوگی کسی وقت نہیں ہوگی اور کسی وقت تمہارے دل کے حالات بدل سکتے ہیں۔

نفس کی تعریف

اللہ کی رحمت لینے کے لیے نفس کے شر سے حفاظت ضروری ہے لہٰذا سوال یہ ہے کہ نفس کی تعریف کیا ہے؟ نفس کیا چیز ہے؟ اب نفس کی چار تعریفیں بیان کرتا ہوں:

۱) اَلنَّفْسُ کُلُّھَا ظُلْمَۃٌ وَّسِرَاجُھَا التَّوْفِیْقُ نفس بالکل اندھیرا ہے اور اس کا چراغ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ یہ تعریف علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔

۲) نفس کی دوسری تعریف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں اَلْجَسَدُ کَثِیْفٌ وَّالرُّوْحُ لَطِیْفٌ وَّالنَّفْسُ بَیْنَھُمَا مُتَوَسِّطَۃٌ [۲۱۶] نفس نہ کثیف ہے نہ لطیف ہے، اگر نیک عمل کرتے رہو تو

---

۲۱۴ یوسف:۵۳

۲۱۵ روح المعانی:۱۳/۲، یوسف (۵۳)، دار احیاء التراث، بیروت

۲۱۶ مرقاۃ المفاتیح:۲۵۵/۱، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، دار الفکر بیروت

نفس لطیف ہو جاتا ہے اور اگر برا عمل کرو تو نفس کثیف ہو جاتا ہے یعنی ایک سادہ تختی اللہ نے دی ہے چاہو تو اس پر خیر لکھ دو، چاہو تو برائی لکھ دو، نفس تم کو مجرد، سادہ دیا گیا ہے، جیسے بچے کو سادہ تختی دی جاتی ہے چاہے تو اس پر قرآن شریف لکھو، چاہے تو اس پر گندی باتیں لکھ دو۔ نفس کی دو تعریفیں بیان ہو گئیں، ایک علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی اور ایک ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی۔

۳) اب ایک حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف بھی سن لو، فرماتے ہیں کہ نفس نام ہے مرغوباتِ طبعیہ غیر شرعیہ کا یعنی طبیعت کی وہ مرغوبات، وہ پسندیدہ چیزیں جن کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو، جیسے گناہ کے تقاضے کہ ان کی طرف طبیعت تو مائل ہوتی ہے لیکن خدا کا حکم ہے کہ ان سے بچو، ان سے فرار اختیار کرو یعنی طبیعت کی وہ پسندیدہ چیزیں جو اللہ کو ناپسند ہیں ان کا نام نفس ہے۔

۴) چوتھی تعریف اس فقیر کی ہے، وہ کیا ہے؟ مجاریٔ قضائے شہوات، شہوات کے جہاں سے فیصلے جاری ہوتے ہیں، یعنی ہیڈ کوارٹر، مجریٰ کے معنیٰ ہیں جاری ہونے کی جگہ، تو شہوت کے فیصلے جہاں سے جاری ہوتے ہیں اس کا نام نفس ہے، مجاریٔ قضائے شہوات۔

نفس کے شر سے بچنے کے نسخے

تو اللہ تعالیٰ نے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کی رحمت دینے کے لیے یہ دعا سکھائی:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ [۲۱۷]

اس لیے ایک دعا تو آپ یہ مانگ لیجیے اس طرح آپ نفس کے شر سے ان شاء اللہ محفوظ رہیں گے۔ نفس کے شر سے بچنے کا یہ نسخہ بیان ہو رہا ہے ذرا غور سے سنیے۔ نمبر ایک کیا ہے؟ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا سے اِلَّا مَا رَحِمَ کی رحمت مانگ لو کہ استقامت علی الدین جب ہو گی کہ تم نفس کے شر سے بچے رہو اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کے ذریعہ سے نفس کے شر سے بچنے کا اعلان نازل ہو رہا ہے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ اے اُم سلمہ میری ماں! سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کون سا وظیفہ زیادہ پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یَا مُقَلِّبَ

---

۲۱۷ اٰل عمرٰن: ۸

اَلْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ[۲۱۸] کثرت سے پڑھتے تھے، ترمذی شریف کی روایت ہے۔ لہٰذا دوسری دعا یہ پڑھتے رہو کہ اے دلوں کے بدلنے والے! میرے دل کو دین پر قائم رکھیے۔

تیسری دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ سکھائی کہ یوں کہو:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ[۲۱۹]

اے زندہ حقیقی! اے سنبھالنے والے!، اے سارے عالم کو تھامنے والے! میرے چھوٹے سے دل کو دین پر قائم رکھیے۔ اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ میری ہر حالت کو آپ درست فرما دیجیے، جتنی بگڑی ہے سب بنا دیجیے۔ یہ مطلب ہے اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ کا کہ میری جتنی بگڑی ہے خواہ دنیا کی بگڑی ہو یا آخرت کی سب بنا دیجیے، کس قدر جامع دعا ہے۔ شَاْنِیْ مفعول ہے اَصْلِحْ کا اس لیے تاکید کُلَّہٗ منصوب آرہی ہے وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ[۲۲۰] ایک سانس کو بھی مجھے نفس دشمن کے سپرد نہ فرمایئے، ایک سیکنڈ کے اندر بھی یہ وار کر جاتا ہے، ایسا ظالم دشمن دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ورنہ ہر دشمن دنیا میں کچھ تو اسکیم بنائے گا، کچھ تو وقت لے گا لیکن نفس کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک سانس کے لیے، پلک جھپکنے کے برابر بھی اے اللہ! مجھے میرے نفس کے حوالے نہ فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ سکھاتے ہیں کہ دیکھو ہماری رحمت نفس سے حفاظت والی کب ملے گی؟ جب تم میری نصیحت پر عمل کروگے جیسے ابّا کہتا ہے کہ میرا یہ انعام اور وظیفہ جب ملے گا جب یہ کام کروگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کی رحمت کب ملے گی؟ جب تم معصیت کے اسباب سے دور رہوگے تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا[۲۲۱] میری حدود یعنی گناہوں کی جو سرحدیں ہیں جن کو میں نے حرام کیا ہے اگر ان سے قریب نہ رہوگے تو میری رحمت پاجاؤگے۔

علومِ اُلوہیت اور علومِ رسالت میں مطابقت

دیکھو علومِ نبوت کو علومِ قرآن سے کتنی مناسبت ہے:

۲۱۸؎ جامع الترمذی: ۳۶/۲، باب ما جاء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن، ایچ ایم سعید

۲۱۹؎ السنن الکبرٰی للنسائی: ۱۴۷/۶، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یقول اذا امسٰی

۲۲۰؎ کنز العمال: ۱۳۹/۲ (۳۴۹۸)، ادعیۃ الصباح والمساء، مؤسسۃ الرسالۃ

۲۲۱؎ البقرۃ: ۱۸۷

تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا[۲۲۲]

اللہ کی حدود سے قریب نہ رہنا، نافرمانی کے اڈّوں سے قریب مت رہنا۔ اب علمِ نبوت دیکھو:

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ[۲۲۳]

اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا فاصلہ کردے جتنا مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے۔

دیکھا آپ نے قرآنِ پاک کی اس آیت سے کلامِ نبوت کو ملاؤ تب پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور آپ کے علومِ نبوت دلیلِ نبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ[۲۲۴] میں مال کو مقدم کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو جو دعا دی اس میں بھی مال کو مقدم کیا اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْ مَالِهٖ اور یہاں بھی جب اللہ تعالیٰ نے یہ نازل کیا کہ گناہوں کے قریب بھی نہ رہو، تو اللہ کے نبی نے بھی فوراً دعا مانگی کہ اے اللہ! آپ اپنی رحمت سے ہم کو گناہوں سے اتنا دور کردیجیے جتنا فاصلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا اور سکھائی: اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ اے اللہ! ہمیں وہ رحمت عطا فرمادے جس سے گناہوں کو چھوڑنے کی توفیق ہو جائے۔ سبحان اللہ! کیا دعا سکھائی، دوستو! اگر یہ لڈو نہ کھاؤ تو قیامت کے دن سوچ لینا ؎

ہم بلاتے تو ہیں اُن کو مگر اے ربِّ کریم
سب پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے

یہ ہم سب پر حجت ہے، اس مقرر پر بھی حجت ہے کہ کیا کہتے ہو اور کیا عمل کرتے ہو۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ جس قول پر عمل نصیب نہ ہو اس قول سے بھی بزرگوں نے استغفار کیا ہے۔ توبہ استغفار پر رسالے لکھنے والے توبہ پر مضامین جمع کرنے والے اور وعظ کے لیے منبروں پر جلوہ فرمانے والے خود توبہ نہیں کررہے ہیں ؎

واعظاں کہ جلوہ بر محراب و منبر می کنند
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کم تر می کنند

---

۲۲۲ البقرة: ۱۸۷

۲۲۳ صحیحُ البخاری: ۱/۱۰۲ (۷۴۹)، کتابُ الاذان، باب ما یقرأ بعد التکبیر، المکتبة المظهرية

۲۲۴ نوح: ۱۲

اپنے مطالعہ پر ناز مت کرو، تصنیف و تالیف پر ناز مت کرو، عمل کر کے مخلوق کو مت دِکھاؤ ورنہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن اور حجت ہو جائے گی۔ اللہ میاں پوچھیں گے کہ خانقاہ میں رہتے تھے؟ اچھا بڑے علوم حاصل کیے تھے، ایسے معارف کے ساتھ آپ یہ کیا کرتے تھے، یہ علوم کا تم نے شکریہ ادا کیا؟ دیکھو اللہ تعالیٰ کے نبی نے کیا بات سکھائی اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اے اللہ! ہم پر رحمت نازل فرما۔ کیسے؟ گناہوں کو چھوڑ دینے کے ذریعہ سے۔ کیا مطلب؟ کہ جس کو ترکِ معصیت کی توفیق نہیں ہے، جو گناہ نہیں چھوڑ رہا ہے وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ دیکھیے وہی اِلَّا مَا رَحِمَ چلا آرہا ہے وہی خاص رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مانگ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں اس آیت سے یہ مضمون ڈالا اور کتنی حدیثوں سے اس کی تفسیر ہو رہی ہے اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اللہ! ہم پر رحم نازل کر دیجیے۔ کون سا رحم؟ ترکِ معاصی والا جس سے ہم معصیت چھوڑ دیں یعنی وہی اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ والی رحمت اور نفس کے شر سے میں بچ جاؤں اور تیسری کیا چیز ہے ایک دعا اور بھی سکھائی وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِيَتِكَ[۲۲۵] اے اللہ! مجھے بد بخت نہ بنائیے گناہوں کے ذریعے سے لَا تُشْقِنِیْ یعنی میری قسمت کو بد بختی سے بچائیے بِمَعْصِيَتِكَ یعنی اپنی نافرمانی سے ہمیں شقاوت و بد بختی میں مبتلا نہ کیجیے، شقی ہے وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اسی سے پیدا ہوتی ہے، گناہ کرتے کرتے حیا ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اللہ پناہ میں رکھے، حالات بگڑتے بگڑتے اتنا فاصلہ ہو جائے گا کہ ایمان کے سلب کا خطرہ ہو جائے گا۔ الفاظِ نبوت تو دیکھو وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِيَتِكَ اے اللہ! اپنی نافرمانیوں سے ہمیں شقی و بد بخت نہ بنائیے، آمین۔

آیت نمبر ۴۷

وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ[۲۲۶]

ترجمہ: اور غم سے (روتے روتے) ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ (غم سے جی ہی جی میں) گھٹا کرتے تھے۔

۲۲۵؎ جامع الترمذی: ۲/۱۹۷ (۳۵۷۰)، باب فی دعاء الحفظ، ایچ ایم سعید- کنزالعمال: ۱۶/۱۵(۴۳۲۳۲)، الترھیب الاحادی من الاکمال، ذکرہ بلفظ ولولا رجال خشع، وصبیان رضع ودواب رتع لصب علیکم البلاء صبا، مؤسسۃ الرسالۃ

۲۲۶؎ یوسف: ۸۴

صاحبِ حُزن اللہ کی راہ جلد طے کرلیتا ہے

صاحبِ حزن اللہ تعالیٰ کی راہ کو جتنا جلد طے کرلیتا ہے اتنا جلد غیر صاحبِ حزن طے نہیں کر سکتا اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو بھی حزن میں مبتلا فرمایا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ اور ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں بسبب ان کے غم سے گھٹنے کے۔ یہاں وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فرمایا کہ ان کی دونوں آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں اور نسبت یعقوب علیہ السلام کی طرف فرمائی کہ وہ غم کو دل ہی دل میں دبا رہے تھے اور غم سے گھٹ رہے تھے۔ اپنی طرف غم کو عطا فرمانے کی نسبت نہیں فرمائی ورنہ بندے ڈر جاتے اور ساتھ ساتھ ادب بھی سکھا دیا۔ جیسا کہ سورۂ شعراء میں فرمایا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ[۲۲۷] اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ جب میں مریض ہوتا ہوں اور اس میں ادب کی تعلیم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مرض کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی فَهُوَ يَشْفِيْنِ تو اللہ مجھے شفا دیتا ہے۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ یہ جملہ حالیہ معرضِ تعلیل میں ہے جس میں ذوالحال یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں علت فَهُوَ كَظِيْمٌ میں بیان فرمائی یعنی ان کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں بوجہ اس کے کہ وہ دل ہی دل میں گھٹا کرتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا بطورِ معجزہ واپس آنا بھی قرآن حکیم میں موجود ہے۔ ارشاد فرمایا فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا[۲۲۸] جب خوشخبری دینے والا آیا اور یوسف علیہ السلام کا کرتا یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔ یہاں یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا واپس لوٹ آنا بطورِ معجزہ تھا۔ جو اس کو کرامت سمجھتے ہیں وہ نادان ہیں کیوں کہ جن خوارقِ عادت چیزوں کا ظہور انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے وہ معجزہ ہے کرامت نہیں۔ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا کا عاشقانہ ترجمہ یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام ٹکاٹک دیکھنے لگے۔

درد از یار است و درماں نیز ھم
دل فدائے اُو شد و جاں نیز ھم

درد بھی یار کی طرف سے ہے اور درمان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے بوجہ حزن اگر بلڈ پریشر ہائی

۲۲۷؎ الشعراء:۸۰

۲۲۸؎ یوسف:۹۶

یالو (low) ہو جائے تو پریشان ہر گز نہ ہو۔ بلڈ بھی ان کا ہے اور پریشر بھی ان کی طرف سے ہے اس لیے پریشانی کیسی؟ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ غم غیر اختیاری طور پر آجائے ورنہ غم کی تمنا نہ کرے۔ خود سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غم سے پناہ مانگنے کی تعلیم اپنی امت کو تلقین فرمائی، فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡھَمِّ وَالۡحُزۡنِ[۲۲۹] اے اللہ! میں ھَمّ اور حزن سے پناہ چاہتا ہوں، ھَمّ اس غم کو کہتے ہیں اَلَّذِیۡ یُذِیۡبُ الۡاِنۡسَانَ[۲۳۰] جو انسان کو گھلا دے۔ غم کو طلب کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلوانی دِکھانا ہے حالاں کہ ارشادِ ربّانی ہے وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا[۲۳۱]، خُلِقَ مجہول کا صیغہ ہے کہ انسان کو ضعیف بنایا گیا۔ اس میں پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں فرمائی اور تعلیم فرمائی کہ نقص کی نسبت اللہ کی طرف نہ کرے۔ ہاں اگر غیر اختیاری طور پر خود بخود غم آجائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ گویا یہ ایسا انعام ہے جس کا مانگنا جائز نہیں۔ یہ ایسا مہمان ہے کہ جس کا بلانا جائز نہیں۔

آیت نمبر ۴۸

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[۲۳۲]

ترجمہ: خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک کا خلقتًا و فطرتًا عاشق پیدا فرمایا ہے یعنی ہر انسان مرتبہ فطرتِ انسانیت میں عاشقِ حق ہے۔ حق تعالیٰ نے اس دعویٰ پر ایک دلیلِ مثبت قرآنِ پاک میں ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ اے ہمارے بندو! خوب کان کھول کر سن لو کہ تمہارے سینوں میں جو قلوب رکھے گئے ہیں ان کو سکون اور چین صرف ہماری یاد ہی سے مل سکتا ہے۔ ہم تمہارے اور تمہارے قلوب کے خالق ہیں۔ ہم نے تمہارے سینوں میں ایک ایسا مضغۂ لحمیہ یعنی گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا ہے جس کی غذا صرف میری یاد ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر اہلِ سلطنت اور اہل دولت خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل

۲۲۹؎ سنن ابی داؤد:۱/۲۱۶، باب فی الاستعاذة، ایچ ایم سعید

۲۳۰؎ مرقاة المفاتیح:۵/۲۱۷، باب الدعوات فی الصفات، المکتبة الامدادیة، ملتان

۲۳۱؎ النساء:۲۸

۲۳۲؎ الرعد:۲۸

ہونے کے باوجود خوش و خرم کیوں نظر آتے ہیں تو در حقیقت ان کی یہ خوشی ہماری ظاہری آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے، ان کے دلوں کو اگر ٹٹولا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ہرگز مطمئن اور چین سے نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ فسق و فجور کی گندگی سے ان کے دل بیمار ہوتے ہیں قلبِ سلیم کی غذا صرف ذکرِ حق ہے، بیمار قلب کا تو احساس بھی غلط ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم آپ اگر پائخانہ کا ٹوکرا دیکھ لیں یا سونگھ لیں تو فوراً متلی قے بلکہ بے ہوشی تک لاحق ہونے کا امکان ہوتا ہے لیکن بھنگی رات دن پائخانہ کے پاس رہتا ہے اس کے باوجود اس کی بدبو سے اس کے احساس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس بھنگی کا احساسِ سلیم پاخانہ کی گندگی سے رفتہ رفتہ زائل ہو گیا۔ اب آپ چاہیں تو تجربہ کے طور پر اس امر کو آزمالیں کہ دنیائے مردار کی لذّات میں رات دن غرق رہنے والے کسی انسان کو چند دن کے لیے کسی اللہ والے کی صحبت میں رکھیں اور یہ شخص حق تعالیٰ کی یاد میں لگ جائے پس رفتہ رفتہ اس کا وہ سابق فطری اور طبعی مذاق اس کے قلب میں بیدار ہونا شروع ہو جائے گا اور ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ اسی شخص کو اب ذکر چھوڑ کر مشاغلِ دنیوی میں لگنا بہت مشکل اور دوبھر ہو جائے گا اب اس کے شب و روز غفلت میں نہیں گزر سکتے۔ شب و روز کیا معنیٰ ایک لمحہ اور ایک سانس غفلت میں گزارنا اس کو موت سے بدتر نظر آئے گا۔ ہر وقت ایک کیفیتِ حضوری اس کے قلب کو میسر ہوگی گویا دل ہر وقت اللہ کو دیکھ رہا ہے اس کر و فرِ قرب کے سامنے بھلا پھر دنیائے فانی کی لذّتوں کی طرف اس کا قلب کب رجوع کر سکتا ہے؟ اس وقت اس کو تمام مجموعۂ لذّاتِ کائنات مردار نظر آئے گا اور اللہ کی یاد کی برکت سے ایسی سلطنت قلب کو ملے گی کہ اس کے سامنے سلطنتِ ہفت اقلیم ہیچ نظر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلاطین کو جب ذکر کا مزہ مل گیا تو آدھی رات کو چپکے سے گدڑی اوڑھی اور جنگل کو نکل گئے۔

عظیم الشان ذکر

استغفار کرنا، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا، معافی مانگنا بہت بڑا ذکر ہے۔ جو اپنے مالک کو راضی کرلے وہ اصلی ذاکر ہے اس لیے میں نے یہ آیات تلاوت کی کہ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ اگر توبہ کر کے مالک کو خوش کرلو، معافی مانگ لو تو تمہارے قلب کو چین آئے گا کیوں کہ ذکر سے دل کے چین کا واسطہ اور رابطہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ضابطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارے سینے میں دل ہم نے بنایا ہے۔ لہٰذا اس دل کو چین صرف ہماری یاد ہی سے ملے گا اور نافرمانی اور گناہ سے تم بے چین اور پریشان رہوگے۔ بے چینی کا سبب گناہ

ہے لہٰذا اس کا علاج یہی ہے کہ استغفار کرکے تم ہم کو راضی کرلو۔ یہ بہت بڑا ذکر ہے اس سے بڑا ذکر کیا ہوگا کہ تم اپنے مالک کو راضی کرلو لہٰذا اس آیت کی تلاوت کی یہ وجہ تھی کہ استغفار بہت بڑا ذکر ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ جلدی استغفار اور جلدی توبہ کرکے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر تم اللہ تعالیٰ کو خوش کردو۔ یہ بہت بڑا ذکر ہے، اس کی برکت سے تم چین و سکون پاجاؤ گے ورنہ کہیں سکون نہیں پاؤ گے۔

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

جب دل تباہ ہوتا ہے تو سارا عالم اندھیرا لگتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لوگے تو ان شاء اللہ! اس کی برکت سے دل باغ و بہار ہوجائے گا، چین آجائے گا اور جب دل میں چین ہوتا ہے تو سارے عالم میں چین نظر آتا ہے، جب دل غم زدہ ہوتا ہے تو سارے عالم میں غم نظر آتا ہے۔ یہ آنکھیں تابعِ دل ہیں، بصارت تابعِ بصیرت ہے یعنی قلب کا جو حال ہوگا آنکھ کا وہی حال ہوگا۔ اگر دل خوش ہے تو ہر طرف خوشی نظر آئے گی اور اگر دل میں غم ہے تو ہر طرف غم نظر آئے گا اور اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ اور ذکر کی برکت سے دل میں چین آئے گا تو سارے عالم میں آپ کو چین ملے گا، بال بچوں میں بھی سکون سے وہی آدمی رہتا ہے۔ اور جس کا دل گناہوں سے پریشان رہتا ہے وہ اپنی بیوی سے بھی لڑتا ہے، بچوں کی بھی پٹائی کرتا ہے، ہر شخص سے اُلجھتا ہے کیوں کہ اس کا دل معتدل اور نارمل (normal) نہیں ہے مثل پاگل ہوجاتا ہے۔ پاگل آدمی ہر ایک کو ستاتا ہے پاگل کا کیا بھروسہ۔ یاد رکھو جو عقل کا خالق ہے جب اس کو راضی کروگے تو عقل ٹھیک رہے گی ورنہ جو جتنا گناہ کرتا ہے عقل خراب ہوتی چلی جاتی ہے اور عقل کی خرابی سے آدمی پاگل ہوتا ہے اور پاگل نہ خود چین سے رہتا ہے نہ چین سے رہنے دیتا ہے۔ آج کا جو مضمون ہے بس اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور آج کیا سارے عالم میں اخترؔ جہاں جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مددِ شاملِ حال ہوتی ہے۔

آپ چاہیں ہمیں ہے کرم آپ کا
ورنہ ہم اس کرم کے تو قابل نہیں

بزرگوں کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی ستاری اور پردہ پوشی اور رحمت کی یاری اور بارش ہے۔

آیت نمبر ۴۹

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [۲۳۳]

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے (ایمان کی) روشنی کی طرف لاؤ۔

جن درختوں کا مالی ہوتا ہے وہ درخت نہایت موزوں، خوبصورت اور سبک ہوتے ہیں کیوں کہ بے ہنگم شاخوں کو مالی اور باغبان کاٹتا رہتا ہے، اسی طرح جو شیخ سے اپنی اصلاحِ نفس کا تعلق رکھتے ہیں ان کے اخلاق واعمال نہایت معتدل اور پیارے ہوتے ہیں کہ جو اُن کو دیکھتا ہے ان کے اخلاقِ حمیدہ سے متأثر ہوتا ہے لیکن حقیقی مزکی اور مصلح اللہ تعالیٰ ہیں مگر عادۃ اللہ یہی ہے کہ تزکیہ کا دروازہ اور ظاہری وسیلہ رجالُ اللہ ہیں۔ اسی لیے قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیانُ القرآن کے حاشیہ مسائل السلوک میں تحریر فرماتے ہیں:

اِسۡنَادُ الۡاِخۡرَاجِ اِلَی النَّبِیِّ مَعَ کَوۡنِ الۡمُخۡرِجِ الۡحَقِیۡقِیِّ ھُوَ اللہُ تَعَالٰی
ھٰذَا اَقۡوٰی دَلِیۡلٍ عَلٰی اَنَّ لِلشَّیۡخِ مَدۡخَلًا عَظِیۡمًا فِیۡ تَکۡمِیۡلِ الۡمُرِیۡدِ [۲۳۴]

ظلمتوں سے نور کی طرف اخراج کی نسبت نبی کی طرف کرنا باوجود یہ کہ مُخرجِ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں اس میں نہایت قوی دلیل ہے کہ شیخ کو مرید کی تکمیلِ اصلاح میں زبردست دخل ہے۔ بس اہل اللہ دروازۂ تزکیہ ہیں، وسیلۂ تزکیہ ہیں، اصل مزکی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اَللہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ [۲۳۵]

۲۳۳؎ ابرٰھیم:۵

۲۳۴؎ بیانُ القراٰن:۳/۶،مسائل السلوک،ابرٰھیم (۵)،ایچ ایم سعید

۲۳۵؎ البقرۃ:۲۵۷

اللہ تعالیٰ ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا:

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ [۲۳۶]

اس آیت کے مخاطبِ اوّل صحابہ ہیں، صحابہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے صحابہ! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو قیامت تک تم میں سے کوئی پاک نہیں ہو سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ فرماتا ہے۔ تو جب صحابہ جن کو سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آفتابِ نبوت کی صحبت حاصل تھی، اُس آفتابِ نبوت کی صحبت کہ ایسا آفتاب نہ پہلے پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا اُن کا تزکیہ جب اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ومشیت پر موقوف ہے تو پھر کس کا منہ ہے جو اس فضل ورحمت ومشیت کا محتاج نہ ہو۔ پس اے اللہ! ہم آپ سے اس مشیتِ تزکیہ کی بھیک مانگتے ہیں جو بندوں کی اصلاح کا اصل سبب ہے۔ لہٰذا آپ اپنا وہ فضل اور وہ رحمت اور وہ مشیت ہمارے شاملِ حال کر دیجیے جس پر تزکیہ موقوف ہے۔

آیت نمبر ۵۰

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکُمۡ لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ [۲۳۷]

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (سمجھ رکھو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے، جس قوت پر شکر زیادہ کرو گے، جس نعمت پر شکر زیادہ کرو گے اس میں زیادتی ہوگی اور اگر شکر ادا نہیں کرو گے تو اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ میرا عذاب بہت

---

[۲۳۶] النّور: ۲۱

[۲۳۷] ابرٰھیم: ۷

سخت ہے۔ من جملہ اور نعمتوں کے ایک نعمت ہے جس کا ہم لوگوں کو خیال نہیں آتا اور وہ ہے ترکِ معصیت اور اس وقت اس کا شکر ادا کرنا ہے اور اس نعمت کا تعلق محض رحمتِ الٰہیہ سے ہے، جس پر رحمت ہوتی ہے وہی گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِیْ اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل فرما جس سے ترکِ معصیت کی توفیق ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ اصل رحمت یہ ہے اور یہ جو مکانوں پر لکھ دیتے ہیں هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ تو کچھ فضل حاصل نہیں اگر معصیت میں مبتلا ہیں، نہایت ہی عذاب اور ذلت میں ہیں مگر وہ بندے جو گناہوں سے محفوظ کیے گئے اور اگر یہ نہیں ہے تو وہ رحمت سے محروم ہے۔ معلوم ہوا کہ گناہوں کو چھوڑ دینا بہت بڑی نعمت ہے لیکن عام لوگ گناہ چھوڑنے کو نعمت نہیں سمجھتے حالاں کہ یہ نعمتِ عظمیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ولایت کی ضمانت ہے کیوں کہ بغیر متقی ہوئے کوئی اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا اور بغیر گناہ چھوڑے کوئی متقی نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ ترکِ معصیت سے بڑھ کر دونوں جہاں میں کوئی نعمت نہیں کیوں کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی دوستی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اسی سے وہ ذات ملتی ہے جو بے مثل ہے۔ یہاں ولایتِ عامہ کی بات نہیں کر رہا ہوں، ولایتِ عامہ تو ہر گناہ گار مسلمان کو بھی حاصل ہے، یہاں ولایتِ خاصہ مراد ہے یعنی وہ تعلقِ خاص جو اولیاء اللہ کو عطا ہوتا ہے اور یہ تعلق موقوف ہے گناہوں کے چھوڑنے پر۔ پس ترکِ معصیت اتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ صرف اپنے دوستوں کو دیتا ہے، یہ نعمت نہ کافر کو ملتی ہے، نہ منافق کو ملتی ہے، نہ گناہ گار کو ملتی ہے، یہ غذائے اولیاء ہے جس کو یہ نعمت مل گئی وہ فاسق رہ ہی نہیں سکتا ولی ہو جاتا ہے۔

بندہ جس وقت ترکِ معصیت کا ارادہ کرتا ہے اسی وقت سے اس کی ولایت کا آغاز ہو جاتا ہے اور وہ ولی اللہ لکھ لیا جاتا ہے جس دن اس نے ارادہ کر لیا کہ آج سے کوئی گناہ نہیں کروں گا، نہ آنکھوں سے نامحرموں کو دیکھوں گا، نہ کانوں سے ان کی بات سنوں گا، سارے اعضاء سے فرماں بردار رہوں گا اسی وقت سے وہ ولی ہو گیا کیوں کہ اس وقت جب وہ گناہوں سے توبہ کر رہا ہے اس وقت اس کا ارادہ توبہ توڑنے کا نہیں ہے اس لیے ارادۂ توبہ قبول ہے بشرطیکہ توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو اور اگر پھر بھی وسوسہ آئے کہ میری توبہ ٹوٹ جائے گی، ہزار بار میں اپنے دست و بازو کو آزما چکا ہوں تو یہ وسوسۂ شکستِ توبہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے کیوں کہ یہ عبدیتِ کاملہ ہے کہ بندہ توبہ تو کر رہا ہے مگر اپنے ارادہ پر اسے بھروسہ نہیں، کہتا ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے پھر گناہ نہ ہو جائے اس لیے اے اللہ! آپ کی مدد چاہتا ہوں کیوں کہ صرف گناہوں سے بچنے والے ہی آپ کے دوست ہیں۔

معلوم ہوا کہ ترکِ معصیت سب سے بڑی نعمت ہے کیوں کہ وہ سببِ ولایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ولایت سب سے ارفع و اعلیٰ نعمت ہے۔ پس جب گناہ سے بچنے کی توفیق ہو تو بتایئے شکر ضروری ہے یا نہیں؟

جب ہر نعمت پر شکر ادا کرنے کا حکم ہے تو ترکِ معصیت پر کیوں شکر ادا نہیں کرتے؟ اس نعمت پر تو سب سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے کیوں کہ اس نعمت کے بغیر کوئی ولی اللہ نہیں بن سکتا اِنۡ اَوۡلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا کوئی ولی نہیں ہے لیکن وہ جو گناہوں سے بچتے ہیں یعنی میرے ولی صرف وہ ہیں جو مجھے ناراض نہیں کرتے۔ وہ کیسے دوست ہو سکتے ہیں جو میری نافرمانی پر دلیری اور جرأت کرتے ہیں۔ اس لیے یہ نہیں فرمایا کہ تہجد پڑھنے والے یا ذکر کرنے والے یا اوّابین پڑھنے والے یا صلوٰۃ اشراق و چاشت پڑھنے والے میرے دوست ہیں بلکہ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ فرمایا کہ میرے دوست صرف اہلِ تقویٰ ہیں۔ لہٰذا جس کو کسی گناہ کے مشغلہ سے چھٹی مل جائے اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے تاکہ شکر کی برکت سے حسبِ وعدۂ الٰہی اور زیادہ مدد آئے، اور زیادہ فضل و رحمت نازل ہو، اور زیادہ توفیق ہو اور شکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر آج ہم میں نوّے فیصد تقویٰ ہے تو شکر کی برکت سے سو فیصد ہو جائے گا کیوں کہ شکر پر نعمت میں اضافہ کا وعدہ ہے لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ فرمایا کہ ہم کمًّا اور کیفًا نعمت میں اضافہ کریں گے، جس کمیت سے متقی ہو اس کیفیت میں بھی اضافہ ہو جائے گا اور کیفیت میں اضافہ یہ ہے کہ صرف تقویٰ اختیار کرو گے اور گناہوں سے فرار اختیار کرو گے اور اگر کبھی احیاناً خطا ہو گئی تو نہایت ندامت کی کیفیت طاری ہو گی۔ پس شکر سے تقویٰ میں ترقی ہو گی اور ترقی پر شکر کرے گا تو تقویٰ میں اور اضافہ ہو گا اور اضافہ پر شکر کرے گا تو نعمت میں مزید ترقی ہو گی اور اس طرح ترقی کا تسلسل قائم ہو جائے گا۔ پس شکر ترقی فی التقویٰ کا اور ترقی فی التقویٰ ترقی فی الولایت کا ذریعہ ہے۔

سب سے بڑی نعمت ترکِ معصیت یعنی تقویٰ ہے۔ اس لیے اس نعمت پر شکر کرنا بھی سب سے زیادہ ضروری ہے کیوں کہ اس نعمت کے بغیر کوئی ولی اللہ نہیں بن سکتا، غیر متقی کو اللہ کی دوستی مل ہی نہیں سکتی، جب تقویٰ کا آغاز ہوتا ہے اسی وقت اللہ کی دوستی کا آغاز ہوتا ہے اور متقی کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اس سے کبھی گناہ ہی نہ ہو۔ متقی رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا باوضو رہنا۔ اگر وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کرلو۔ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے پھر متقی بن جاؤ۔ اوّل تو کوشش کرنے سے ان شاء اللہ! گناہ بالکل چھوٹ جاتے ہیں جس کے دل میں اللہ تعالیٰ آجاتا ہے اس کو گناہوں سے شرم آتی ہے۔ میرا شعر ہے ؎

جب تجلی اُن کی ہوتی ہے دلِ برباد میں
آرزوئے ماسویٰ سے خود ہی شرماتا ہے دل

لیکن اگر باوجود کوشش کے پھر گناہ ہو جائے تو توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِرْ [۲۳۸]

جب تک موت کا غرغرہ نہ شروع ہو جائے اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ بہرحال توبہ سے گناہوں کی معافی تو ہو جاتی ہے لیکن شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ گناہ کبھی نہ ہو اور طبیعت شریف بن جاتی ہے جب دل میں وہ حقیقی شریف یعنی اللہ آجاتا ہے، پھر غیر شریفانہ حرکت سے خود شرم آتی ہے۔ جب تک دل میں اللہ نہیں آتا یعنی جب تک اللہ تعالیٰ سے نسبتِ خاصہ حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک گناہ کے تقاضوں سے آدمی مغلوب ہو جاتا ہے لیکن جب دردِ دل مستقل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے نسبتِ مستقل قائم ہو جاتی ہے، تعلق مع اللہ علیٰ سطح الولایۃ نصیب ہو جاتا ہے تو پھر آدمی گناہوں سے کانپتا رہتا ہے اور اس غم میں گھلتا رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے گناہ نہ ہو جائے۔ اس لیے نافرمانی سے سخت احتیاط کرو ورنہ یہ نفس کی زندگی کی علامت ہے، مولانا رومی فرماتے ہیں۔

تا ہویٰ تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہویٰ جز قفلِ آں دروازہ نیست

جب تک خواہشِ نفسانی گرم ہے اس وقت تک ایمان تازہ نہیں ہے کیوں کہ خواہشِ نفس اس بارگاہِ شاہی کے دروازۂ قرب کے لیے تالا کا کام کرتی ہے۔ گناہ اللہ کے دروازۂ قرب پر تالا کا قائم مقام ہے اور اللہ کا تالا کون کھول سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے تالا پر بھلا تمہاری کنجی لگے گی؟ اللہ تعالیٰ کا تالا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کھلتا ہے **اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ** [۲۳۹] اے اللہ! آپ کا تالا آپ کے ذکر ہی سے کھلتا ہے، جس کا تالا ہے اسی کے نام کی برکت سے کھلے گا دنیا کی کوئی تدبیر اللہ تعالیٰ کا تالا نہیں کھول سکتی، یہ تالا ایسا ہے جس پر کوئی کنجی نہیں لگتی سوائے اللہ تعالیٰ کے نام کے اور جب تالا کھلتا ہے تب خزانہ نظر آتا ہے اور گناہ ذکر کی ضد ہے پس گناہ کے ساتھ دل کے تالے کیسے کھل سکتے ہیں لہٰذا گناہوں کو چھوڑو، اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تب یہ تالے کھلیں گے اور قرب کے خزانے ہی خزانے نظر آئیں گے۔

لہٰذا سب گناہوں کو جلد از جلد چھوڑ دو اور گناہ چھوڑ کر شکر بھی کرو لیکن پھر بھی اپنے کو پاک نہ سمجھو اپنا تزکیہ کرانا، گناہوں سے پاک ہونا تو فرض ہے لیکن اپنے کو پاک سمجھنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم تمہیں خوب جانتے ہیں:

۲۳۸؎ جامع الترمذی: ۱۹۴/۲، باب فضل التوبۃ والاستغفار، ایچ ایم سعید

۲۳۹؎ کنز العمال: ۶۹۹/۷ (۲۰۹۹۰)، فصل رابع فی الاذان والترغیب فیہ... الخ، مؤسسۃ الرسالۃ

وَاِذۡ اَنۡتُمۡ اَجِنَّۃٌ فِیۡ بُطُوۡنِ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی [۲۴۰]

جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے خون اور حیض میں لتھڑے ہوئے پھر ہمارے سامنے کیا پاک بنتے ہو، اپنے کو تم پاک اور مقدس نہ سمجھا کرو، ہم خوب جانتے ہیں کہ کون کتنا متقی ہے۔

یعنی کون متقی ہے اور کون نہیں، معلوم ہوا کہ پاک کر دن ضروری، پاک گفتن حرام یعنی اپنے کو پاک کرنا واجب ہے لیکن خود کو پاک کہنا اور پاک سمجھنا حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حسن بھی ایک نعمت ہے۔ تو حسن کا شکریہ کیا ہے؟ سورۂ یوسف کی تفسیر میں دیکھیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بہت حسین تھے اس لیے تفسیر روح المعانی میں حسن کے شکر کا طریقہ لکھا ہے۔ کیا یہ شکر ہے کہ کاجل قلو پطرہ لگا کر اپنی چٹک مٹک دکھلاؤ؟ حسن کا شکریہ ہے کہ اپنے حسن کو کسی نافرمانی میں مبتلا نہ ہونے دے، اللہ پاک جس کو حسین پیدا کرے اس کا شکریہ ہے کہ حسن کے خالق کو ناراض نہ کرے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا نہ ہو:

اَنۡ لَّا یُشَوِّہَ حُسۡنَہٗ فِیۡ مَعَاصِی اللہِ تَعَالٰی شَانُہٗ [۲۴۱]

اپنی خوبصورتی کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں استعمال نہ کرے اور خوبصورتی ایک کلی مشکک ہے۔ کلی مشکک اس کلی کو کہتے ہیں جس میں بہت سے درجات ہوں جیسے کوئی زیادہ حسین ہے، کوئی اس سے کم ہے، کوئی اس سے کم ہے۔ پس جس درجہ میں بھی حسن ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرنا حسن کا شکر ہے حدیثِ پاک کی دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ حَسَّنۡتَ خَلۡقِیۡ فَحَسِّنۡ خُلُقِیۡ [۲۴۲]

اے اللہ! آپ نے مجھے حسین خلق فرمایا پس آپ کا احسانِ عظیم ہو گا کہ آپ میرے اخلاق کو بھی حسین کر دیجیے تاکہ اس نعمتِ حسن کو آپ کی معصیت میں استعمال کر کے اپنے اخلاق کو میں خراب نہ کروں۔ پھر اگر کوئی فاسق و فاجر اس نعمتِ حسن کو غلط استعمال کرتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کیوں کہ وہ تو پہلے ہی خدا سے دور ہے لیکن اگر کوئی اللہ والوں کا صحبت یافتہ مبتلائے معصیت ہو جائے تو آہ! کس قدر افسوس و تعجب کا مقام ہے۔

آہ! مقربِ حق ہو کر دوری کے عذاب میں مبتلا ہے اس لیے ہر گناہ سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے رہو

---

[۲۴۰] النجم: ۳۲

[۲۴۱] روح المعانی: ۷۵/۱۳، دار احیاء التراث، بیروت، ذکرہ فی اشارات سورۃ یوسف

[۲۴۲] شعب الایمان للبیہقی: ۳۶۴/۶ (۸۵۴۳)، باب فی حسن الخلق، مکتبۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت

اور کوشش کرو کہ ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ ہونے دو۔ گناہ سے بچنے کی طاقت موجود ہے۔ اگر طاقت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ حکم نہ دیتے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ، اِتَّقُوا اللّٰهَ کا حکم اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے ہمیں طاقتِ تقویٰ دی ہے مگر ہم اسے استعمال نہیں کرتے۔ آنکھوں کو اجنبیہ عورتوں سے اور امردوں سے بچانا، کانوں کو ساز اور گانوں سے بچانا، ہونٹوں کو غلط کاموں سے بچانا، ہر اعضاء کے احکام ہیں اور سب کی طاقت اللہ تعالیٰ نے دی ہے لیکن نفس کی محبت ہم کو زیادہ ہے بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے، جب بھینس کو اپنے بچہ کی محبت زیادہ ہوتی ہے تو مالک کو دودھ پورا نہیں دیتی، چار پانچ کلو مالک کو دیتی ہے تو ایک کلو بچہ کے لیے بچا لیتی ہے اسی طرح نفس دشمن کو خوش کرنے کے لیے ہم طاقتِ تقویٰ کو بچا لیتے ہیں، طاقت کو پورا استعمال نہیں کرتے تاکہ نفس دشمن کو مزہ آجائے حالاں کہ نفس دشمن، بین الاقوامی دشمن سے بھی زیادہ قوی دشمن ہے اور بین الاقوامی بھی کوئی چیز نہیں۔ نفس کو خوش کرنے کے لیے بعض بے وقوف اللہ تعالیٰ کو ناراض کردیتے ہیں، اس لیے ہر گناہ سے استغفار و توبہ کرو اور ہر گناہ سے بچنے کی پوری کوشش کرو، جو ہمت اور طاقت اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی دی ہے اس ہمت اور طاقت کو پورا استعمال کرو۔ گناہ سے بچنے کے لیے تین ہمتوں کی ضرورت ہے۔

۱) ایک ہمت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو دی ہے اس کو استعمال کرو۔

۲) دوسرے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ اے خدا! جو ہمت تو نے تقویٰ کی دی ہے اس ہمت کو استعمال کرنے کی ہمیں توفیق دے دے۔

۳) تیسرے خاصانِ خدا سے دعا کراؤ کہ آپ خدا کے خاص بندے ہیں آپ میرے لیے دعا کر دیجیے کہ میں فلاں فلاں گناہ چھوڑ دوں۔

آیت نمبر ۵۱

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾[۲۴۳]

ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔

---

[۲۴۳] الحجر: ۹

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا میں صیغۂ جمع نازل ہونے کا راز

میں نے اس وقت ایک آیتِ شریفہ کی تلاوت کی، آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے انسانو! ہم نے قرآن نازل کیا ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ اب اگر کوئی کہے کہ اللہ میاں تو ایک ہیں اَنَا نازل ہونا چاہیے تھا لیکن واحد کے لیے جمع کا صیغہ نَحۡنُ کیوں نازل فرمایا۔ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ سلاطین کی گفتگو کا یہی انداز ہوتا ہے کہ ہم نے یہ قانون جاری کیا ہے، وہ ''میں'' نہیں کہتے، واحد کا صیغہ استعمال نہیں کرتے وجہ کیا ہے؟ تَفۡخِیۡمًا لِّشَانِہٖ یعنی اپنی شان کی عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نَحۡنُ نازل فرمایا اَنَا نازل نہیں فرمایا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔ یہ عظمت شانِ حق ہے، حق تعالیٰ کی عظمت کا عنوان ہے، بادشاہ ہمیشہ ایسے ہی بولتے ہیں۔ آج کل کے لیچڑ قسم کے بادشاہ نہیں۔ پرانے زمانہ کے جو صحیح بادشاہ ہوتے تھے اُن کا اندازِ تکلم یہی ہوتا تھا اور قرآنِ پاک تو احکم الحاکمین کا کلام ہے لٰہذا کلام اللہ تمام کلاموں کا بادشاہ ہے پھر اس کی کیا شان ہوگی۔

وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ قرآنِ پاک کی دائمی حفاظت کی دلیل ہے

تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی نسبت اپنی طرف فرما کر یہ فرمایا کہ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ اور جملہ اسمیہ سے فرمایا۔ جملہ اسمیہ سے جو بات بتائی جاتی ہے اس میں ثبوت اور دوام ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ حدوث کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی حفاظت کو جملۂ اسمیہ سے بیان کرکے قیامت تک کے انسانوں کو آگاہ فرمادیا کہ سارا عالم مل کر میرے اس کلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس کی حفاظت جملہ اسمیہ سے نازل کررہا ہوں۔ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ لٰہذا ہم دواماً اس کی حفاظت کریں گے اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے اور جسے اللہ نہ رکھے اسے ساری دنیا چکھے۔ یہ دوسرا جملہ میرا بڑھایا ہوا ہے۔

قرآنِ پاک کے علاوہ کسی آسمانی کتاب کی حفاظت کا وعدہ نہیں

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی حفاظت اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے اور اس سے پہلے توریت، زبور، انجیل کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا تھا، فرماتے ہیں کہ فَاِنَّ الشَّیۡخَ الۡمُھِیۡبَ لَوۡ غَیَّرَ نُقۡطَۃً مِّنَ الۡقُرۡاٰنِ لَیَرُدُّ عَلَیۡہِ الصِّبۡیَانُ اگر مصر کا کوئی شیخ مہیب قرآن پاک کی کوئی آیت غلط تلاوت کردے تو ہمارا نو دس سال کا کوئی بچہ اس کو ٹوک دے گا کہ اَخۡطَأۡتَ یَا شَیۡخُ اس کی غلطی پکڑلے گا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوں کہ توریت، زبور وانجیل کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری نہیں لی اس لیے سب میں تحریف ہوگئی۔ ان کتابوں کی حفاظت اس وقت کے علماء کے حوالے تھی۔ علماء کے بعد والی نسلوں نے ان کو بیچنا شروع کردیا لہٰذا آج توریت، زبور وانجیل محفوظ نہیں ہیں، جو موجود ہے تحریف شدہ ہیں لیکن قرآنِ پاک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے۔ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ جملہ اسمیہ سے دواماً اور ثبوتاً نازل ہوا ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ قرآنِ پاک محفوظ رہے گا۔ چناں چہ بالفرض اگر امریکا، روس، برطانیہ اور سارے عالم کی طاغوتی طاقتیں مل کر دنیا بھر کے قرآنِ پاک کے نسخے جمع کر کے جلا دیں تو ہمارے لاکھوں حفاظ اس کو پھر لکھوادیں گے۔ قرآنِ پاک سینوں میں محفوظ ہے اور ہر زمانہ میں رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ یہ حفاظِ کرام اللہ تعالیٰ کی سرکاری ذمہ داری کے منتخب افراد ہیں۔

حفاظتِ قرآن پاک کی خدائی ذمہ داری کے منتخب افراد

اور جہاں جہاں حفظِ قرآن کے مدارس کھولے جاتے ہیں وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی اس سرکاری ذمہ داری کے منتخب افراد ہیں وہ مسلمان منتخب مسلمان ہیں، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کا جو سرکاری اعلان قرآنِ پاک کی حفاظت کا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرشتوں سے نہیں کرائیں گے، جنوں سے نہیں کرائیں گے بلکہ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کا تفسیری جملہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا اَیْ فِیْ قُلُوْبِ اَوْلِیَآئِنَا[۲۴۴] ہم اپنے دوستوں کے قلوب میں اس کو محفوظ کریں گے۔

قرآنِ پاک کے الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت کا وعدہ ہے

تو جہاں جہاں حفظِ قرآن کے مدارس ہیں یہ سب بارگاہِ حق کے سرکاری لوگ ہیں کیوں کہ حفاظت قرآنِ پاک کی سرکاری ذمہ داری کے منتخب افراد اور کارکن ہیں اور وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ میں قرآنِ پاک کے الفاظ کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے اور ان الفاظ کے معانی و مفاہیم کی حفاظت کا بھی وعدہ ہے کیوں کہ اگر کسی مکان کے باہر تالا لگا ہو لیکن مکان کے اندر کا سونا چاندی اور جواہرات سب چوری ہوجائیں تو کیا حفاظتی حق ادا ہوا۔ لہٰذا قرآنِ پاک کے الفاظ میں بھی قیامت تک کوئی تحریف و تبدل و تغیر نہیں ہوسکتا اور قرآنِ پاک کے معانی

۲۴۴؎ روح المعانی: ۱۴/۱۶، الحجر (۹)، دار احیاء التراث، بیروت

ومفاہیم میں بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے قرآنِ پاک کے الفاظ کی تلاوت مع التجوید وغیرہ کی حفاظت کے لیے دارالعلوم کا قیام بھی ضروری ہے کیوں کہ قرآنِ پاک کے معانی وعلوم کا سیکھنا بھی اتناہی ضروری ہے جتنا اس کے الفاظ و تجوید کا سیکھنا۔ قرآنِ پاک کے الفاظ و معانی دونوں اہم ہیں اور دونوں کی حفاظت کا خدائی اعلان ہے۔

آیتِ قرآنی سے مکاتب و مدارس کے قیام کا ثبوت

چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! میری اولاد میں سے ایک نبی مبعوث فرما یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِکَ جو تیرے کلام کی تلاوت کرے، تیری آیات لوگوں کو سنائے وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ اور کتاب اللہ کی تعلیم دے۔ اس آیت کی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تفسیر کی اَیۡ یُفَہِّمُہُمۡ اَلۡفَاظَہٗ جو الفاظ قرآنِ پاک کے معانی بتائے وَ لَہُمۡ کَیۡفِیَّۃَ اَدَآءِہٖ اور ان الفاظ کی کیفیت ادا بھی سکھائے۔[۲۴۵] اس آیت سے قراءت کا بھی ثبوت ملتا ہے اور تعلیم کتاب کا بھی۔ لہٰذا حفظِ قرآن کے مدارس کا قائم کرنا اور تعلیم کتاب اللہ کے لیے دارالعلوم کا قیام بھی مقاصدِ بعثت نبوتِ میں سے ہے۔

لہٰذا جن ماں باپ نے اپنے بچوں کو حافظ بنایا، جن اساتذہ نے بچوں کو قرآنِ پاک حفظ کرایا، جن لوگوں نے یہ مدارس قائم کیے اور ان کا اہتمام وانتظام چلایا، جن لوگوں نے ان مدارس کے قیام میں مالی یا جانی کسی نوع کی اعانت کی وہ سب خوش نصیب ہیں، ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کیوں کہ وہ سب کے سب وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ کی خدائی ذمہ داری کے افراد اور رکن ہیں۔ اس آیت میں اللہ پاک کی طرف سے قرآنِ مجید کی حفاظت اور کفالت کا جو وعدہ ہے یہ سب کے سب ظاہری ارکانِ کفالت اور ممبرانِ کفالت ہوگئے اور اس میں شامل اور منتخب ہوکر اللہ کے پیارے ہوگئے۔ قرآن پاک کی خدائی حفاظت کے اعلان میں وہ سب قبول کیے گئے۔

آیتِ شریفہ کی شرح بعنوانِ دِگر

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ تو یہاں نَحۡنُ کیوں نازل فرمایا ہے جب کہ اللہ واحد ہے اور عربی قاعدے سے واحد متکلم کے لیے اَنَا آتا ہے

۲۴۵؎ روح المعانی: ۱/۳۸۷، البقرۃ (۱۲۹)، داراحیاء التراث، بیروت

مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نَحْنُ نازل فرمایا جو جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا جواب علامہ آلوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں دیا کہ بادشاہوں کا کلام اسی طرح ہوتا ہے۔ دنیا میں بھی کوئی بادشاہ یہ نہیں کہتا کہ میں نے ایسا کیا بلکہ کہتا ہے کہ ہم نے ایسا کیا۔ نَحْنُ یہاں تَفْخِیْمًا لِّشَانِہٖ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور بڑائی بیان کرنے کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ وہ تنہا ہے لیکن ساری کائنات کا خالق ہے۔ وہ اگر نَحْنُ نازل فرمائیں تو یہ حق دراصل ان ہی کا ہے، تمام شانیں ان ہی کو زیبا ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کہ قرآنِ پاک کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے کسی صحیفۂ آسمانی کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ نہیں لیا تھا بلکہ ان کی حفاظت اس زمانہ کے علماء کے سپرد تھی۔ چناں چہ چند نسلوں کے بعد صحیفۂ آسمانی فروخت ہونے لگے۔ قرآنِ پاک چوں کہ آخری کتاب ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ آخری نبی ہیں لہٰذا قیامت تک کے لیے اس کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی اور وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ جملہ اسمیہ سے نازل فرمایا جو دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے یعنی قیامت تک قرآن شریف کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ امریکا، روس، جرمنی، جاپان اور اہلِ مغرب کی تمام طاقتیں اگر اپنی طاقتِ مادیہ سے قرآن شریف کو سمندر میں ڈال دیں تو ہمارے نو دس سال کے بچے جو آج حافظ ہوئے ہیں پھر دوبارہ قرآن شریف مکمل لکھوا دیں گے۔

اُمّت کے بڑے لوگ کون ہیں؟

پھر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کا جو ذمہ لیا ہے تو کیا یہ آسمانوں پر ہوگا؟ نہیں! اسی زمین پر ہوگا۔ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کی تفسیر میں ذرا اس تفسیری جملہ کو دیکھیے، فرماتے ہیں: اَیْ فِیْ قُلُوْبِ اَوْلِیَآءِنَا[۲۴۶] یعنی اپنے اولیاء اور دوستوں کے دلوں میں ہم قرآن پاک کو محفوظ کریں گے۔

تو جو بچے آج حافظ ہوگئے وہ گویا ولی اللہ ہوگئے یہ ثبوت تفسیر روح المعانی مگر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کے ساتھ حفاظِ کرام کی عظمتوں کے لیے، ان کی عظیم الشان ولایت کے لیے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ نبوت سے ایک عظیم الشان عمل بتایا ہے۔ بتائیے کہ دنیا میں جتنے حافظِ قرآن ہیں اگر یہ بُرے اخلاق سے پاک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کے مقرب ہو جائیں، ان کی سب خطائیں معاف ہو جائیں اور گناہوں سے بچنے کی ان کو توفیق رہے تو یہ مضمون حافظِ قرآن کی عظمت کا علمبردار ہے یا نہیں؟ اور عزت

---

۲۴۶ روح المعانی: ۱۴/۵۴، الحجر (۹)، دار احیاء التراث، بیروت، ذکرہ فی باب الاشارات

ہو گی یا نہیں؟ لہٰذا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث بیان فرمائی جو جامع صغیر میں منقول ہے کہ

اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ[۲۴۷]

میری امّت کے بڑے لوگ کون ہیں؟ جو قرآن پاک اپنے سینے میں رکھتے ہوں اور رات کی نماز یعنی تہجد بھی پڑھتے ہوں۔

اصحاب اللیل بننے کا آسان نسخہ

اب آپ کہیں گے کہ صاحب! اتنے چھوٹے چھوٹے بچے اصحاب اللیل کیسے بنیں گے؟ تین بجے رات کو اُٹھ کر نماز کیسے پڑھیں گے؟ تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب اللیل بننے کا آسان نسخہ بتادیا کہ چار فرض عشاء اور دو سنّت پڑھ کر وتر سے پہلے دو رکعات نفل بہ نیت تہجد پڑھ لو تو قیامت کے دن سب تہجد گزار اٹھائے جاؤ گے۔ بتایئے کتنا آسان نسخہ ہے۔ توثیق و توفیق و تسہیلِ اہلِ علم کے لیے عربی عبارت پیش کرتا ہوں۔ علامہ شامی حدیث نقل کرتے ہیں:

وَمَا کَانَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ فَھُوَ مِنَ اللَّیْلِ

فرض عشاء کے بعد جو نفل پڑھے جائیں گے وہ سب قیام اللیل میں شامل ہیں۔ اس کے بعد شامی اپنا فقہی فیصلہ لکھتے ہیں:

فَاِنَّ سُنَّۃَ التَّھَجُّدِ تَحْصُلُ بِالتَّنَفُّلِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ قَبْلَ النَّوْمِ[۲۴۸]

عشاء کے بعد سونے سے پہلے چند نفل پڑھ لو سنّتِ تہجد ادا ہو جائے گی حالاں کہ آپ تین بجے رات کو نہیں اُٹھے مگر اب زمانہ کمزوری اور ضعف کا ہے۔ اس زمانے میں اعمال میں تسہیل اور سہولت دینا نہایت حکیمانہ اور ضروری بات ہے۔ تو جتنے حُفّاظِ کرام ہیں چاہے استاد ہوں یا طالبِ علم اور میں مشایخ کو بھی کہتا ہوں جن کے سپرد اصلاحِ نفس کا کام ہے کہ وہ بھی عشاء کے چار فرض اور دو سنّت کے بعد دو رکعات نفل تہجد کی نیت سے پڑھ لیں تاکہ قیامت کے دن تہجد گزاروں میں اُٹھائے جائیں۔

۲۴۷؎ شعب الایمان للبیہقی:۲۳۳/۴(۲۴۴۷)،فصل فی تنویر موضع القراٰن،المکتبۃ الرشیدیۃ

۲۴۸؎ ردالمحتار:۴۶۷/۲،مطلب فی صلوٰۃ اللیل،مطبوعۃ الریاض

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ... الخ میں اہلِ ذکر سے مراد علماء ہیں

تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جمع کے صیغہ سے نازل فرمایا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ کہ ہم نے ذکر کو نازل کیا۔ یہاں پر میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری ایک عجیب علمِ عظیم بیان فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو اہلِ ذکر فرمایا ہے اور قرآنِ شریف کو ذکر فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ علماء کو زیادہ تلاوت کرنی چاہیے اور فرماتے تھے کہ جو عالم اللہ کو یاد نہ کرے وہ عالم نہیں ہے بلکہ ظالم ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کا نام اہلِ ذکر رکھا ہے فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ [۲۴۹] اگر تم لَا تَعۡلَمُوۡنَ ہو تو یَعۡلَمُوۡنَ لوگوں سے پوچھو جن کو اہلِ ذکر سے تعبیر فرمایا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلۡمُرَادُ بِاَهۡلِ الذِّكۡرِ عُلَمَآءُ اَخۡبَارِ الۡاُمَمِ السَّالِفَةِ [۲۵۰] اہلِ ذکر سے مراد علماء ہیں جو تمام اممِ سالفہ کے حالات سے باخبر ہیں۔

علماء کو اہلِ ذکر فرمانا ذکر کی تلقین ہے

میرے شیخ فرماتے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ اہلِ ذکر فرمادیں کہ یہ ہم کو یاد کرنے والے لوگ ہیں، جن کے علم کی تعبیر ذکر سے ہوئی ہو وہ عالم بھی اگر مالک کو کم یاد کرے تو وہ عالم ہے یا ظالم ہے اور ہمزہ سے آلم ہونا تو بہت آسان ہے، الم پہنچانا، ایک دوسرے کو اذیت پہنچاتے ہیں حالاں کہ ہمیں آپس میں محبت سے رہنا چاہیے۔

اے اللہ! جب آپ کے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ شان ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام میں یہ شان ہے کہ جب بھائیوں نے کہا: اے یوسف! اب آپ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ کہ تم پر آج کوئی الزام نہیں، ہم نے سب معاف کردیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مکہ کے کافروں نے پوچھا کہ آج تو مکہ فتح ہوگیا، اب آپ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وہی معاملہ کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا اور فرمایا تھا لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ اے اللہ! جب آپ کے انبیاء میں رحمت کی یہ شان ہے تو اے اللہ! آپ تو خالقِ انبیاء ہیں آپ کی شانِ رحمت کیا ہوگی؟ اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

---

[۲۴۹] النحل: ۴۳

[۲۵۰] روح المعانی: ۱۴/۱۵۰، النحل (۴۳)، دار احیاء التراث، بیروت

لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ سے ایک اہم مسئلۂ سلوک کا استنباط

اس پر حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نے ایک مسئلۂ تصوف بیان فرمایا کہ جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ مخلوق کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے تاکہ اپنے وقت کو خالق کی عبادت میں مشغول رکھیں لہٰذا ان کی نظر عرشِ اعظم پر ہوتی ہے اَلَّذِیۡ یَنۡظُرُ اِلٰی مَجَارِی الۡقَضَآءِ وَلَا یُفۡنِیۡ اَیَّامَہٗ بِمُخَاصَمَۃِ النَّاسِ اولیاء اللہ وہ ہیں جو فیصلہ جاری ہونے کی جگہ پر یعنی عرشِ اعظم پر نظر رکھتے ہیں، وہ اپنی زندگی کے ایام کو مخلوق کے جھگڑوں میں ضایع نہیں کرتے۔ مخلوق کے جھگڑوں میں جو پھنسا اس کا دل اللہ کے قابل کہاں رہتا ہے۔ یہ بیان القرآن کے حاشیہ مسائل السلوک کی عربی عبارت نقل کر رہا ہوں اَلَّذِیۡ یَنۡظُرُ اِلٰی مَجَارِی الۡقَضَآءِ وَلَا یُفۡنِیۡ اَیَّامَہٗ بِمُخَاصَمَۃِ النَّاسِ بَلۡ یَقُوۡلُ لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ جس کی نظر اللہ پر ہوتی ہے وہ مخلوق کے جھگڑوں میں اپنے اوقات ضایع نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ جاؤ سب معاف کر دیا اور اپنا دل بچا کر اللہ کو پیش کرتا ہے۔

آیت نمبر ۵۲

قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۸﴾ [۲۵۱]

ترجمہ: لوط (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوامت کرو۔

حرمین شریفین میں حفاظتِ نظر کے متعلق علمِ عظیم

نامحرموں پر نظر کرنا سارے عالم میں حرام ہے لیکن عالم حرمین شریفین میں اس کی حرمت اشد ہے۔ وجہ کیا ہے؟ کہ یہاں آنے والے اور آنے والیاں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور ہر میزبان اپنے مہمانوں کی ذلت کو اپنی ذلت سمجھتا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا اس قوم کو جو فرشتوں کو حسین لڑکے سمجھ کر ان کی طرف بُرا ارادہ کر رہی تھی اور اس وقت تک حضرت لوط علیہ السلام کو بھی علم نہیں تھا کہ یہ فرشتے ہیں لہٰذا انہوں نے فرمایا کہ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیۡفِیۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ اے نالائقو! یہ میرے مہمان ہیں مجھے رُسوانہ کرو۔ معلوم ہوا کہ

۲۵۱؎ الحجر: ۶۸

مہمان کو ذلیل کرنا میزبان کو رُسوا کرنا ہے۔ لہٰذا یہاں بد نظری کرنا، ان کے لیے دل میں برے خیالات لانا، اللہ کے مہمانوں کو رُسوا کرنا ہے کیوں کہ یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾[۲۵۲] اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور سینوں کے رازوں سے باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ نالائق میرے مہمانوں کو بری نظر سے دیکھ رہا ہے اور ان کے متعلق بُرے بُرے خیالات پکار رہا ہے لہٰذا جو یہاں بد نظری کرے گا اللہ تعالیٰ کے حقوقِ عظمت میں مجرم ہو جائے گا۔ اور مدینہ شریف میں بد نگاہی کی تو عظمتِ الوہیت میں کوتاہی کا بھی مجرم ہوا اور عظمتِ رسالت کے حقوق میں بھی مجرم ہوا کیوں کہ حرمِ مکہ میں وہ اللہ کے مہمان ہیں اور مدینہ منورہ میں وہ اللہ کے بھی مہمان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھی مہمان ہیں۔ یہاں چند دن تقویٰ سے گزارنے سے کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے ملکوں میں بھی ہمیشہ کے لیے حفاظتِ نظر کی توفیق دے دیں کہ یہ شخص اتنا عادی تھا لیکن ہمارے حرم کا احترام کیا اور یہاں اپنے نفس پر مشقت کو برداشت کیا چلو اس کی برکت سے عجم میں بھی اس کو تقویٰ دے دو، لہٰذا کیا عجب کہ تقویٰ فی الحرم، تقویٰ فی العجم کا ذریعہ ہو جائے۔

اس آیت سے یہ استدلال کہ مہمان کی ذلت کو میزبان اپنی ذلت سمجھتا ہے زندگی میں پہلی بار اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس بلدِ امین میں عطا فرمایا۔

وہ خمرِ کہن تو قوی تر ہے لیکن
نئے جام و مینا عطا ہو رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کے دین کی، اللہ کی محبت کی شراب تو وہی چودہ سو سال پرانی ہے لیکن اس زمانے کے مزاج کے لحاظ سے تعبیرات و عنوانات کے اللہ تعالیٰ نئے جام و مینا عطا کرتا ہے۔ پس اللہ قبول فرمالے تو یہی ایک مضمون میری مغفرت کے لیے کافی ہو سکتا ہے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالے، آمین۔

آیت نمبر ۵۳

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ﴿۹۸﴾[۲۵۳]

---

[۲۵۲] المؤمن: ۱۹

[۲۵۳] الحجر: ۹۷، ۹۸

ترجمہ: اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں سو (اس کا علاج یہ ہے) آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے اور نماز پڑھنے والوں میں رہیے۔

آیت فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ کے متعلق ایک نیا علمِ عظیم

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کافروں کی طرف سے اس قدر غم پہنچا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ اللہ تعالیٰ کا صرف نَعۡلَمُ فرمانا ہی کافی تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے لام بھی تاکید کا اور قد بھی تاکید کا نازل کر کے فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ غم سے گھٹ رہا ہے بوجہ ان نالائقوں کے نالائق اقوال سے۔ لہٰذا آپ کے غم کا علاج یہ ہے کہ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ آپ سُبۡحَانَ اللّٰهِ پڑھیے اور اپنے رب کی تعریف کیجیے جس نے آپ کو نبوت سے نوازا۔ یہاں فَسَبِّحۡ کا جو حکم ہے اس میں کئی راز ہیں جن میں سے ایک راز اللہ نے میرے قلب کو عطا فرمایا کہ آپ کو جو یہ لوگ ظالم، مجنون اور پاگل کہہ رہے ہیں تو آپ ہماری پاکی بیان کیجیے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس عیب سے کہ پاگلوں کو نبوت عطا فرمادے، وہ ہرگز کسی پاگل اور جادوگر کو نبوت نہیں دے سکتا فَسَبِّحۡ کے بعد بِحَمۡدِ رَبِّكَ فرمایا کہ ہماری تسبیح کے ساتھ ہماری حمد بھی بیان کیجیے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ آپ کو پیغمبر بنایا، اس عطائے نبوت پر ہماری حمد بیان کیجیے وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ اور نماز شروع کر دیجیے اور پوری نماز کو سجدہ سے تعبیر کیا اس کو بلاغت میں مجازِ مرسل کہتے ہیں یہاں تَسۡمِيَةُ الۡكُلِّ بِاسۡمِ الۡجُزۡءِ ہے اور سجدہ سے کیوں تعبیر کیا؟ اس لیے کہ سب سے زیادہ قرب سجدہ میں عطا ہوتا ہے کیوں کہ سجدہ میں بَيۡنَ قَدَمَيِ الرَّحۡمٰنِ بندہ کا سر رحمٰن کے قدموں پر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اور یہاں مجازِ مرسل کیوں استعمال فرمایا؟ کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل غم زدہ تھا اور سجدہ میں قرب زیادہ عطا ہوتا ہے لہٰذا سجدہ کا حکم دے کر گویا یہ فرمایا کہ آپ میری چوکھٹ پر سر رکھ دیجیے جیسے باپ بیٹے سے کہتا ہے کہ بیٹا! جب تمہیں کوئی ستائے تو میری گود میں آجایا کرو۔

آیت فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ کے لطائفِ عجیبہ

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ کا راز جو اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا یہ شاید آپ کسی کتاب میں نہیں

پائیں گے، نہ کہیں میری نظر سے گزرا۔ اس علم میں شاید اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ کافر جو آپ کی شان میں بکواس کررہے ہیں، کوئی جادوگر کہہ رہاہے، کوئی کاہن کہہ رہاہے، کوئی مجنون کہہ رہاہے جس سے آپ کا سینہ غم سے گھٹ رہاہے، لٰہذا اس غم کا علاج کیاہے؟ فَسَبِّحۡ آپ اپنے رب کی پاکی بیان کیجیے کہ آپ کا رب پاک ہے اس عیب سے کہ وہ کسی پاگل اور جادوگر اور کاہن کو نبوت دے دے۔ اس کے بعد بِحَمۡدِ رَبِّكَ فرمایا کہ تسبیح کے ساتھ اپنے رب کی حمد بھی بیان کیجیے کہ جس نے آپ کو نبی بنایاہے، ہم نے آپ کو نبوت عطا کی ہے اس پر ہمارا شکر کیجیے کہ آپ اصلی نبی ہیں اور رَبِّكَ فرمایا کہ جو کچھ غم آپ کو پہنچ رہاہے وہ ہماری شانِ ربوبیت کے تحت ہے، اس میں ہماری ادائے تربیت خواجگی شامل ہے اور جس طرح باپ اپنی اولاد کو ناقص غذا دے کر ہلاک نہیں کر سکتا ہم تو اصلی پالنے والے ہیں ہم کسی پاگل یا جادوگر وغیرہ کو نبوت کیسے دے سکتے ہیں کہ وہ امّت کو تباہ کر دے لٰہذا آپ کو سید الانبیاء بناکر قیامت تک آنے والی اُمّت کے لیے کامل روحانی غذا کا انتظام کیاہے۔ جو کچھ معروض ہے یہ لطائف قرآنیہ سے ہے تفسیر نہیں ہے۔

آیت نمبر ۵۴

مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ[۲۵۴]

ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس (دنیامیں) ہے وہ ختم ہو جاوے گا

اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔

مال اور جوانی کے بقاء کا طریقہ

جو مال اللہ کے دین میں استعمال ہو گا وہی ہمارے کام آئے گا، وہی ہماری دولت اور پونجی ہے اور یہ کبھی فنا نہیں ہو گا باقی جو کھایا فنا ہو گیا، جو پہنا ختم ہو گیا لیکن جو اللہ پر فدا ہوا، جس نے اللہ کا دین پھیلایا یہ سب باقی ہو جائے گا۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنی جوانی اللہ پر فدا کی وہ ہمیشہ باقی رہے گی، مرتے دم تک اس کو اپنے اندر جوانی محسوس ہو گی، بوڑھا ہو جائے گا، بال سفید ہوں گے لیکن دل میں جوانی رہے گی کیوں کہ وہ

۲۵۴؎ النحل: ۹۶

جوانی اللہ پر فدا ہو کر باقی ہو گئی۔ لہٰذا غیر فانی جوانی اگر چاہتے ہو تو اللہ پر فدا کر دو، اگر چاہتے ہو کہ ہمارا مال کبھی فنا نہ ہو تو اللہ پر فدا کر دو، اگر چاہتے ہو کہ میری زندگی غیر فانی ہو جائے تو اللہ پر فدا ہو جاؤ۔ اس کی دلیل ہے مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب ختم ہو جائے گا اور جو کچھ تم نے اللہ کے پاس بھیج دیا، اپنا مال، اپنی جوانی، اپنی زندگی اللہ پر فدا کر دی سب غیر فانی ہے ہمیشہ باقی رہے گا۔ اللہ باقی ہے لہٰذا جو اللہ کے قریب ہوتا ہے باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ اب جوانی کو اللہ پر کیسے فدا کریں؟ دل میں جو خواہش پیدا ہو اور اللہ اس خواہش سے راضی نہ ہو تو اس خواہش کو توڑ دو اور اللہ کے حکم کو نہ توڑو۔ اور اس کی مشق کسی اللہ والے کی صحبت اور اس سے اصلاحی تعلق سے نصیب ہوتی ہے۔

جوانی کے قائم و دائم رکھنے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں اگر تم نے اپنے عیش میں استعمال کیا اور ان کو خدا پر فدا نہیں کیا یعنی خدا کی مرضی کے مطابق ان کو استعمال نہیں کیا تو وہ سب فنا ہو جائیں گی وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ اور جو کچھ تم نے اللہ پر فدا کیا، جو میرے پاس بھیج دیا تو کیوں کہ میں ہمیشہ رہنے والا ہوں تو تمہارا فنا ہونے والا مال بھی ہمیشہ رہے گا، جو کچھ میرے پاس بھیج دو گے ہمیشہ کے لیے باقی ہو جائے گا۔ اگر تم نے اپنی جوانی مجھ پر فدا کی ہے تو تمہاری جوانی بھی ہمیشہ قائم رکھوں گا۔ وہ ایسے باقی ہیں کہ ان کے خزانے میں جو چیز پہنچ جائے وہ ہمیشہ کے لیے باقی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو چاہے کہ اس کی جوانی قائم و دائم رہے وہ جوانی کو اللہ پر فدا کر دے یعنی حرام لذّتوں میں، حرام نظروں میں، حرام بوسوں میں ضایع نہ کرے، تمام آرزوؤں کا خون کر دے تو سمجھ لو اس نے اپنی جوانی اللہ پر فدا کر دی، اس کی جوانی، اس کے دل کی بہار ہمیشہ قائم رہے گی، وہاں خزاں ہے ہی نہیں، اس کے بال سفید ہوں گے لیکن اس کے دل کی مستی و جولانی کے عالم کا کیا عالم ہو گا، سارا عالم اس کے ادراک سے قاصر ہو گا۔ اس عالم کو صرف اس کا دل ہی محسوس کرے گا۔ اہل اللہ کی اسی شان کو میں نے ان اشعار میں بیان کیا ہے ؎

عناصر مضمحل پیری سے اہل اللہ کے بھی ہیں
مگر چہرے سے اُن کے پھر بھی تابانی نہیں جاتی

اُٹھا جاتا نہیں ہے بے سہارے پھر بھی یہ کیا ہے
کہ اُن کے قلب سے مستی و جولانی نہیں جاتی

کہوں میں کس طرح سے شان اِن اللہ والوں کی
لباسِ فقر میں بھی شانِ سلطانی نہیں جاتی

لہٰذا دردِ دل سے کہتا ہوں کہ اے جوانو! جن پر جوانی چڑھ رہی ہے، جن کی جوانی کا آغاز ہو رہا ہے اپنی جوانیوں کو اللہ پر فدا کر دو۔ اور اختؔر جو آپ سے خطاب کر رہا ہے یہ اٹھارہ سال کی عمر میں شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا اور حضرت سے پہلی ہی ملاقات میں چالیس دن حضرت کے در پر رہ پڑا اور پھر سولہ سال دن رات حضرت کی خدمت کی توفیق اللہ نے عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جوانی دینے کا مزہ معلوم ہے۔ اس لیے جوانوں سے کہتا ہوں کہ جو تم کو اللہ کے نام پر جوانی فدا کرنے کی ترغیب دے رہا ہے یہ بھی اللہ کے کرم سے جوانی اللہ کو دے چکا ہے۔ یہ نہ سوچنا کہ یہ بڑھا ہمیں پھنسا رہا ہے۔ یہ بڑھا جوانی اللہ کے نام پر فدا کر کے اور اس کا مزہ لوٹ کر اب بتا رہا ہے کہ جو جوان اللہ پر فدا ہوتا ہے اس کی جوانی کائنات میں بے مثل ہے کیوں کہ وہ اللہ کی بے مثل ذات پر فدا ہوا ہے اور ٹیڈیوں پر مرنے والوں کو کچھ حاصل نہیں، ان کو کفِ افسوس ہی ملتے ہوئے پایا۔

اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ کی تقریر سے حادِث کی بقاء باللہ کا منطقی اثبات

اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ عالم کی ہر چیز میں تغیر ہو رہا ہے وَکُلُّ مُتَغَیِّرٍ حَادِثٌ ہر متغیر چیز حادث ہے فَالْعَالَمُ حَادِثٌ پس عالم حادث ہے۔ لہٰذا ہم بھی حادث ہیں کیوں کہ عالم کا جُز ہیں۔ جب پورا عالم حادث ہے تو ہم کس سے دل لگائیں، کس پر فدا ہوں۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب فرماتے ہیں:

میں ان کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دِکھا اِن کی طرح کوئی اگر ہے

حادث پر جو حادث فدا ہو گا تو میزانیہ اور مجموعہ حادث ہی ہو گا۔ لہٰذا کیوں نہ ہم اس واجب الوجود مولیٰ پر فدا ہو جائیں کہ جہاں پہنچ کر حادِث بھی باقی ہو جاتا ہے۔ پھر ہم مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ کیوں ہوں، وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ کیوں نہ ہو جائیں۔ وہ ایسے باقی ہیں کہ جو حادث ان کے پاس پہنچ گیا وہ بھی باقی ہو گیا۔ لہٰذا اپنی جوانی کو اللہ پر فدا کر کے اپنی جوانی کو باقی کر لو، اپنے مال کو اللہ پر فدا کر کے مال کو باقی کر لو۔ اپنی جان و مال، خواہشات و جوانی اللہ پر فدا کرو تاکہ وَمَا عِنْدَ اللهِ بَاقٍ ہو جاؤ۔ حادث پر فدا ہو گے تو مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ

رہو گے۔ یَنْفُذ کے دائرہ سے اگر نکلنا ہے تو اللہ پر فدا ہونا سیکھو۔ اگر باقی باللہ ہونا چاہتے ہو تو فانی فی اللہ ہونا سیکھو۔
یہ منطقی تقریر ہے۔ منطق کی کتابوں میں جو اَلْعَالَمُ مُتَغَیِّرٌ پڑھا تھا الحمد للہ آج وصول ہو گیا۔ لوگ حادث و قدیم کی اصطلاحات تک ہی رہتے ہیں لیکن ان سے معرفت کا سبق لینا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَلَا فَخْرَ یَا رَبِّیْ۔

آیت نمبر ۵۵

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾[۲۵۵]

ترجمہ: اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

شیخ کے لیے دعا کرنے کی دلیل

شیخ بھی روحانی باپ ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ بیان القرآن میں مسائل السلوک میں رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا کے ذیل میں لکھا ہے کہ شیخ کا بھی وہی حق ہے جو ماں باپ کا ہے، وہ بھی رَبَّيٰنِيْ میں ہے، وہ بھی پال رہا ہے، روح کی تربیت کر رہا ہے۔ اس کے لیے بھی دعا مانگنا اسی آیت سے ثابت ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! ہمارے ماں باپ پر رحم فرمائیے جیسا انہوں نے بچپن میں ہمیں رحمت سے پالا۔

لٰہذا شیخ کے لیے بھی دعا مانگنا چاہیے۔ اگر شیخ کے حق میں کوتاہی ہو جائے تو جلدی تلافی کر لو، یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے ہزاروں لاکھوں مرید شیخ کو دے سکتے ہیں۔ ہم شیخ کے محتاج ہیں شیخ ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اس کا خاص اہتمام کرو کہ شیخ کا قلب مکدر نہ ہونے پائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ کوئی میرے اولیاء کا دل دُکھائے۔ اذیتِ اولیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اذیت تسلیم فرمایا۔ اس لیے انتقام کی وعید فرمائی کہ

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ[۲۵۶]

---

۲۵۵ بنی اسرآءِیل: ۲۴

۲۵۶ صحیحُ البخاری: ۲/۳۶۹ (۶۵۴۱)، کتابُ الرقاق، بابُ التواضع، المکتبۃ المظہریۃ

جو میرے اولیاء کو ستاتا ہے میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ تو جب کبھی خطا ہو جائے اور شیخ کو کسی قسم کی تھوڑی سی بھی تکلیف پہنچ جائے تو فوراً اللہ سے رجوع کرو اور شیخ سے بھی ندامتِ قلب سے معافی مانگو۔

آیت نمبر ۵۶

وَّ رَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ[۲۵۷]

ترجمہ: اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے۔

سلوک میں ایک عمر اہل اللہ کی مصاحبت اور ذکر اللہ پر مداومت اور گناہوں سے محافظت، اسبابِ گناہ سے مباعدت اور سنّت پر مواظبت کی برکت سے جب فنائیتِ کاملہ نصیب ہو جاتی ہے اور قلب کا رُخ ہمہ وقت حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل پر الہامات و علوم و معارفِ غیبیہ کا ورود ہونے لگتا ہے جیسے ریڈیو کی سوئی کا رخ اگر ماسکو کی طرف ہو جائے تو گانا بجانا اور فسق و فجور کی خبریں آنے لگی ہیں اور اگر مکہ شریف کی طرف ہو جائے تو لَبَّیۡکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیۡکَ اور اذان و تکبیر کی آوازیں آنے لگتی ہیں اسی طرح جب دل کی سوئی کا رُخ حق تعالیٰ کی طرف مستقیم ہو جاتا ہے تو دل میں عالمِ آخرت کی خبریں آنے لگتی ہیں، الہامات اور وارداتِ غیبیہ کا نزول ہونے لگتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ دنیا کے ریڈیو کی آواز تو الفاظ و حروف کی محتاج ہے لیکن یہ کلامِ غیبی حروف و الفاظ سے مبرّا ہوتا ہے اور جس کو یہ نصیب ہوتا ہے وہی جان سکتا ہے دوسرا ان حالاتِ خاصہ کو سمجھنے سے بھی قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو یہ مقامِ قرب نصیب فرمائے۔ اسی کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بس حروف و الفاظ نہیں ہوتے لیکن دل میں ہر وقت آواز آتی رہتی ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ اسی مقام کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں تعبیر فرمایا۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے
ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے
معلوم کسی اور کو یہ راز نہیں ہے

۲۵۷؎ الکھف: ۱۴

یہی وہ ربطِ خفی ہے جس کو حق تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا کہ اصحابِ کہف جو نہایت نادار اور غریب خاندان کے لڑکے تھے جب کافر بادشاہ کے سامنے اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِہِمْ ہم نے ان کے دلوں سے اپنا رابطہ قائم کرلیا، اپنے تعلق ورابطہ کا خاص فیضان ان کے قلوب پر ڈالا جس کے بعد وہ بادشاہ سے نہ ڈرے۔

آیت نمبر ۵۷

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ[۲۵۸]

ترجمہ: اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجیے جو صبح وشام (یعنی علی الدوام) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لیے کرتے ہیں۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت اپنے گھروں میں سے کسی گھر میں تھے۔ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِهٖ[۲۵۹] بس اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ڈھونڈنے نکلے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کو یاد کررہے ہیں، جن کے پاس بیٹھنے کا اللہ تعالیٰ مجھے حکم دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو ذاکر ہوتا ہے، جو اللہ کو بہت زیادہ تڑپ اور بے چینی کے ساتھ اشکبار آنکھوں سے یاد کرتا ہے تو بسااوقات اللہ تعالیٰ اس کے شیخ کو خود اس کے پاس بھیج دیتے ہیں، راہبروں کو اللہ رہروؤں کے پاس بھیج دیتا ہے۔

اصلی مرید وہ ہے جس کی مراد اللہ ہو

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجدِ نبوی تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا کہ تین قسم کے لوگ بیٹھے

۲۵۸؎ الکھف: ۲۸

۲۵۹؎ الدر المنثور: ۵۲۲/۹، الکھف (۲۸)، مرکز ھجر للبحوث والدراسات العربیۃ

ہیں۔ ایک لباس والے ذَا الثَّوْبِ الْوَاحِدِ بکھرے ہوئے بالوں والے اَشْعَثُ الرَّأْسِ خشک جلد والے جَافُّ الْجِلْدِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم کس کام میں مشغول ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کو یاد کررہے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ کو کس مقصد کے لیے یاد کررہے ہو؟ کہا اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہم سب اللہ کے مرید ہیں،[۲۶۰] ہمارے دل کی مراد اللہ ہے۔

اب معلوم ہوا کہ مریدِ اصلی کون ہے؟ جس کے دل میں اللہ مراد ہو، جب تک غیر اللہ پر نظر ڈال رہے ہو نقلی مرید ہو، خام مال ہو، کچا کباب ہو، نہ خود مست ہوگے نہ دوسروں کو مست کرسکوگے، جب خود مست ہوجاؤ گے قلب جلا بھنا کباب بن جائے گا تب اللہ تعالیٰ آپ کی خوشبو کو سارے عالم میں پھیلا دے گا، جدھر سے گزروگے اللہ کی خوشبو محسوس ہوگی۔

لہٰذا صرف اللہ ہی کو اپنا مراد بناؤ، اس میں تمام گناہوں کو چھوڑنا بھی شامل ہے۔ جب آپ اللہ کے مرید ہوں گے، اللہ آپ کا مراد ہوگا تو پھر غیر اللہ پر کیسے نظر ڈالوگے؟ تو اس آیت میں سالکین اور مریدین کے لیے دو سبق ہیں: ایک سبق یادِ الٰہی ہے اور دوسرا غیر اللہ سے، گناہوں سے اور اللہ کی ناراضگیوں سے بچنا ہے۔ ایک طرف اللہ کو خوش کرنا ہے تو دوسری طرف اللہ کی ناخوشی سے بچنا ہے ؎

خوشی پر ان کی جینا اور مرنا ہی محبت ہے
نہ کچھ پروائے بدنامی، نہ کچھ پروائے عالم ہے

آپ بتاؤ! محبت کے دو حق ہیں یا نہیں، محبوب خوش ہوجائے یہ ایک حق ہے اور محبوب ناخوش نہ ہو یہ دوسرا حق ہے۔ جو ظالم اللہ کو خوش کرنے کا اہتمام کرے اور ناخوش نہ کرنے کا اہتمام نہ کرے تو یہ دعویٰ محبت میں ابھی خام ہے۔ قرآنِ پاک کی اس آیت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اصلی سالک، اللہ کا اصلی عاشق وہی ہے جو اللہ کی خوشی کے اعمال کرتا ہے اور اللہ کو ناراض کرنے والے اعمال سے یعنی گناہوں سے بچنے میں، بد نظری سے بچنے میں جان کی بازی لگادیتا ہے۔

بس ہمت سے کام کرلو تو ان شاء اللہ گناہوں کے خس و خاشاک جلتے جائیں گے اور اللہ کا نام لینے سے رنگ گلشنِ محبت نکھرتا جائے گا پھر جب اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص ملے گا تو واللہ! اختؔر قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ ساری کائنات تمہاری نگاہوں سے گر جائے گی، تم جو اِن بدبودار مقامات کے چکروں میں پڑے ہوئے ہو سب

۲۶۰؎ الدر المنثور: ۵۲۳/۹، الکھف (۲۸)، مرکز ھجر للبحوث والدراسات العربیہ

بھول جاؤگے، تم چاہوگے بھی تو تمہیں گھن آئے گی، تم خدا کو بھول کر گناہ کرنا بھی چاہوگے تو خدا کی یاد غالب رہے گی اور بدنگاہی نہ کرسکوگے۔ لیکن جب قربِ خاص کی لذّت ملتی ہے تب کہیں جا کر گناہ چھوٹتے ہیں، گناہ ایسے نہیں چھوٹتے۔

تو جب حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں گئے اور حافظ شیرازی کی نظر شیخ کی نظر سے ٹکرائی تو حافظ شیرازی نے ان سے عرض کیا۔

آناں کہ خاک رابنظرِ کیمیا کنند
آیا بُوَد کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اے میرے شیخ! آپ اس درجہ کے ولی ہیں جو مٹی کو چھولیں تو مٹی سونا بن جائے، جو مٹی کو ایک نظر سے سونا کردیتے ہیں لیکن سونا بننے کے لیے آگ میں تپنا پڑتا ہے اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، بڑے غم اُٹھانے کے بعد یہ مقام ملتا ہے، یہ مقام خونِ آرزو سے ملتا ہے۔ بڑے بڑے، موٹے موٹے جسم والے خونِ آرزو کے نام سے کانپتے ہیں اور دُبلے پتلے جسم والے پر اگر اللہ کا فضل ہوجائے تو وہ اپنی آرزوؤں کا خون کرلیتا ہے یعنی حرام آرزوؤں کو کچلنے کا غم برداشت کرلیتا ہے اور بعض ایسے ایسے تگڑے جو تگڑوں کو بھی گرادیں خونِ آرزو کرنے میں لومڑی بنے ہوئے ہیں رَوْغَانَ الثَّعَالِبِ لومڑیانہ چال چلتے ہیں، اللہ کے نام پر کہتا ہوں کہ لومڑی مت بنیے، نفس پر شیرانہ حملے کیجیے، اسی لیے حافظ شیرازی نے اپنے شیخ سے کہا تھا۔

آناں کہ خاک رابنظرِ کیمیا کنند
آیا بُوَد کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اے میرے شیخ! آپ کی وہ نظر جو مٹی کو سونا کردیتی ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ وہ نظر مجھ پر بھی ڈال دیں تو حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا؎

نظر کردم نظر کردم نظر کردم

ہم نے آپ کے اوپر نظر تو کردی لیکن ایک ہی نظر سے کام نہیں بنتا، ایک زمانہ شیخ کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر کام بنتا ہے۔ حافظ شیرازی نے اپنے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر اپنے کو مٹی بنا دیا، اپنے نفس کو مٹا دیا، ایک زمانہ شیخ کے ساتھ رہے تب اللہ نے انہیں اپنی نسبت عطا

فرمائی۔ اگر مرید کی طلب صادق ہو، پیاس سچی ہو تو اللہ والوں کا دل خود آپ کی طرف مائل ہو جائے گا، شیخ آپ کے لیے رو رو کر سجدہ گاہ اپنے آنسوؤں سے بھر دے گا۔

اگر ہیں آپ صادق اپنے اقرارِ محبت میں
طلب خود کر لیے جائیں گے دربارِ محبت میں

اور وہ اللہ والا پیر آپ کو دنیاداری اور دنیا کی چکر بازی نہیں سکھائے گا کیوں کہ وہ خود بھی دنیادار نہیں ہوتا اس لیے آخرت کی تیاری کرائے گا۔

اللہ والے کون ہیں؟

ارے اللہ والوں کا بڑا مقام ہے بھائی! اولیاء اللہ بڑے درجے کے ہوتے ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں، راتوں کو جاگتے ہیں، اشراق پڑھتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں، قرآن و حدیث کا ضروری علم ان کے سینوں میں ہوتا ہے، شریعت و سنّت پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتے ہیں، ان کو علم ہوتا ہے کہ کیا سنّت ہے کیا نہیں۔ پیر بننا ایسا آسان تھوڑی ہے کہ پیر کا بچہ پیر ہو جائے۔ کیا پائلٹ کا بچہ پائلٹ ہو سکتا ہے اگر جہاز اُڑانا نہ سیکھے؟ کیا حافظ کا بچہ حافظ ہو سکتا ہے اگر قرآن پاک حفظ نہ کرے؟ اسی طرح ولی کا بچہ بھی ولی نہیں ہو سکتا جب تک اعمالِ ولایت اس کے اندر نہ ہوں۔ ہم اس کو کیسے ولی مان لیں جو نہ نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھتا ہے، نہ گناہوں سے بچتا ہے، چرس پیتا ہے، داڑھی منڈاتا ہے اور عورتوں سے پاؤں دبواتا ہے، وہ ولی نہیں شیطان ہے، لاکھ کسی بزرگ کی اولاد ہو۔ ولی ہونے کے لیے صرف ولی کی اولاد ہونا کافی نہیں، اولیاء اللہ کے اعمال اور اولیاء کے اخلاق ہونا بھی ضروری ہے اور سنّت و شریعت کا پابند بھی ہونا ضروری ہے۔

متلاشیانِ رضائے حق پر انعاماتِ الٰہیہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے عاشقوں کا ایک حال بیان فرمایا اور اس کی خبر دی کہ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ اور مضارع سے بیان فرمایا جس میں حال اور استقبال دو زمانے ہوتے ہیں کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے میرے صحابہ کا مقام یہ ہے کہ حالاً و استقبالاً یہ میرے مرید اور میں ان کا مراد ہوں یعنی موجودہ حالت میں بھی کوئی لمحہ ان پر ایسا نہیں گزرتا کہ میں ان کے دل میں مراد نہ رہوں اور کسی لمحہ ان کا دل مجھ سے غافل ہو جائے اور آیندہ کے لیے بھی ان کو خوش خبری دے رہا ہوں کہ آیندہ بھی کوئی لمحۂ حیات ان پر

ایسا نہیں گزرے گا جس میں، میں ان کا مراد نہ رہوں گا۔ اس میں صحابہ کے ذکرِ دائمی کا ثبوت ہے کہ ہر وقت ان کے دل میں اللہ ہے اور ان کی زندگی کی کوئی سانس ایسی نہیں جس میں کوئی غیر اللہ، کوئی لیلیٰ یا دنیا مراد ہو جائے۔ اسی لیے ان کے استقبال کا آفتاب بھی روشن ہے کہ ان کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا کیوں کہ ہر مضارع حال اور استقبال کا حامل، ضامن اور کفیل ہوتا ہے اس لیے اَرَادُوْا وَجْھَہٗ نازل نہیں فرمایا یُرِیْدُوْنَ نازل فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ حالاً و استقبالاً میں ان کا مراد رہوں گا۔ حال تو ان کا درست ہے ہی مستقبل بھی ان کا تابناک رہے گا کیوں کہ آخری سانس تک یہ میری رضا کو تلاش کرنے والے اور اپنے قلب میں مجھے مراد بنانے والے ہیں لہٰذا ان کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا۔ یہ خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے جس میں صحابہ کی استقامت علی الدین اور حسنِ خاتمہ کی بشارت موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے عاشقوں کی، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خبر کیوں نازل کی، حکم کیوں نہیں دیا کہ مجھے اپنا مراد بناؤ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ میں اپنے عاشقوں کو حکم نہیں دیتا ہوں، یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ ان کا حال بن جاتا ہے اس کی خبر دے رہا ہوں کہ جو میرے عاشق ہیں، جنہوں نے اپنے دل میں مجھ کو پالیا ان کی شان خود بخود یہ ہو جاتی ہے کہ ان کو کوئی غیر اللہ، کوئی لیلیٰ نظر ہی نہیں آتی، میں ہی ان کے قلب میں حالاً و استقبالاً مراد رہتا ہوں اور صحابہ کا حال بصورتِ خبر اس لیے بھی نازل کیا تاکہ قیامت تک آنے والے میرے عاشقوں کو راستہ مل جائے، ان کی راہ نمائی ہو جائے کہ اپنا کوئی لمحۂ حیات، اپنی زندگی کی کوئی سانس ایسی نہ گزارنا جس میں، میں تمہارا مراد نہ رہوں یعنی تمہارے دائرۂ ارادت سے میں ایک لمحہ بھی الگ نہ رہوں اور ہر وقت تم اپنے قلب میں مجھے حالاً و استقبالاً مراد رکھو۔

لہٰذا سمجھ لیجیے جو شخص ایک لمحہ کے لیے بدنظری کرتا ہے، ایک لمحہ کے لیے کسی حسین لڑکی یا لڑکے کو دیکھتا ہے اسی لمحے وہ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ کے دائرہ سے نکل جاتا ہے۔ اس وقت وہ مریدِ لیلیٰ ہوتا ہے، مرید مولیٰ نہیں رہتا کیوں کہ جو مریدِ مولیٰ ہوتا ہے وہ مریدِ لیلیٰ ہو ہی نہیں سکتا اور یہ مرنے والی لاش کو دیکھ رہا ہے۔ جو شخص مولیٰ کو چھوڑ کر مرنے والی لاشوں کو دیکھتا ہے یہ مستقبل سے بے خبر ہوتا ہے اور ہر وہ شخص جو مستقبل سے بے خبر ہوتا ہے اسی کو بے عقل اور بے وقوف کہا جاتا ہے۔ حماقت اور بے عقلی کی بین الاقوامی تعریف یہ ہے کہ مستقبل اور انجام بینی سے بے خبری۔ بتایئے جس لڑکے یا لڑکی کے حسن کو دیکھ کر یہ مست ہو رہا ہے اس پر بڑھاپا آئے گا یا نہیں، یا اس کو موت آسکتی ہے یا نہیں یا اس کا حسن جوانی ہی میں زائل ہو سکتا ہے یا نہیں اس وقت سوائے پچھتانے اور ہاتھ ملنے کے کیا ملے گا۔

پس یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عاشقوں کا حال اور استقبال بیان فرما دیا۔ لہٰذا اس زمانے میں بھی جو یُرِیۡدُوۡنَ رہے گا یعنی اللہ تعالیٰ کو دل میں ہر وقت مراد بنائے گا اور غیر اللہ سے دل نہ لگائے گا اس کو بھی استقامت علی الدین اور حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا کیوں کہ صحابہ میں یہ شان کیسے آئی؟ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ سے آئی اور یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَہٗ کی شان ان میں کیسے پیدا ہوئی؟ صحبتِ نبوت کے فیضان سے، اسی کی مشق کے لیے شیخ کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے، سفر و حضر میں اس کے ساتھ ایک زمانہ لگانا پڑتا ہے جیسے بچہ ایک زمانہ ماں کا دودھ پیتا ہے تب تگڑا ہوتا ہے۔

آیت نمبر ۵۸

وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیۡنِ یَتِیۡمَیۡنِ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ وَ کَانَ تَحۡتَہٗ کَنۡزٌ لَّہُمَا وَ کَانَ اَبُوۡہُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّہُمَا وَ یَسۡتَخۡرِجَا کَنۡزَہُمَا[۲۶۱]

ترجمہ: اور رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا (جو ان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے) اور ان کا باپ (جو مر گیا ہے وہ) ایک نیک آدمی تھا سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہ دیوار سیدھی کر دو کہیں گر نہ جائے، اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ چھپا ہوا تھا، یہ دیوار اُس وقت تک قائم رہے جب تک یہ بچے بالغ نہ ہو جائیں اور اپنا خزانہ لے لیں۔ دیکھیے یہ رعایت ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے ان یتیم بچوں کی مدد کر رہا ہے، تو مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ جامعہ اشرفیہ لاہور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کی مدد کیوں

۲۶۱؎ الکھف: ۸۲

کی؟ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا کیوں کہ ان کا باپ نیک تھا اور باپ کون سا تھا كَانَ الْاَبُ السَّابِعُ[۲۶۲] ساتواں باپ تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے کریم باوفا ہیں کہ جو اُن کا بن جائے اس کی سات پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں۔ اس لیے دوستو! سب سے مبارک مسلمان وہ ہے جو اپنے اللہ کو راضی کرلے اور ہر وقت اس غم اور فکر میں مبتلا رہے کہ سر سے پیر تک میرا کوئی شعبۂ حیات اللہ کی نافرمانی میں نہ ہو۔

آیت نمبر ۵۹

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ[۲۶۳]

ترجمہ: پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کے خوشنما نباتات اُگاتی ہے۔

یہ خاصیتِ مذکورہ دنیا کی زمین کے بارے میں ارشاد ہے، اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ[۲۶۴] یعنی بارش کے بدون زمین کو مردہ فرمایا۔ اسی طرح دل کی زمین کا حال ہے کہ بدونِ ایمان مردہ ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ[۲۶۵] حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے حیات بخشی ان کو ایمان کی نعمت سے۔ دل کی زمین اللہ سے غفلت کے سبب مردہ ہوتی ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْكُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ[۲۶۶]

اگر غفلت سے تمہارا دل مردہ ہوچکا ہے اور فکر معطل اور جامد ہوچکی ہے جس کے سبب تمہیں زندگی کا مقصد صرف کھانا اور ہگنا معلوم ہورہا ہے اور انجام و عواقب کا مثل جانوروں کے کچھ خیال بھی نہیں گزرتا تو تم ذکر شروع

۲۶۲؎ روح المعانی:۱۶/۱۳، الکھف (۸۲)، دار احیاء التراث، بیروت

۲۶۳؎ الحج:۵

۲۶۴؎ الفاطر:۹

۲۶۵؎ الانعام: ۱۲۲

۲۶۶؎ صحیح البخاری: ۹۴۸/۲ (۶۴۴۲) کتابُ الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل، المکتبۃ المظہریۃ

کردو۔ ذکر کی برکت سے دل کی زمین بھی اُبھرے گی اور پھولے گی اور اعمالِ صالحہ اور افکارِ جلیلہ حمیدہ اُگائے گی۔ الحمدللہ تعالیٰ! کہ بزرگوں کی غلامی کی برکت و فیض سے شرح آیت اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ الخ بہت ہی عمدہ ہوگئی جو اہلِ ذوق کے لیے قابلِ وجد ہے۔ تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَشَكَرَ اللهُ شُكْرًا حَسَنًا بِفَضْلِهٖ وَمَنِّهٖ، اٰمین۔

آیت نمبر ٦٠

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾[۲٦٨]

ترجمہ: اور آپ یوں کہا کریں کہ اے میرے رب! (میری خطائیں) معاف کر اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

مغفرت کے لیے ایک عظیم الشان وظیفہ

آج میں آپ کو ایک عظیم الشان وظیفہ دے رہا ہوں۔ اس کو چلتے پھرتے بقدر تحمل کثرت سے پڑھیے، صبح شام ایک ایک تسبیح روزانہ پڑھ لیا کریں، رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ اور یہ وظیفہ کس نے عطا فرمایا ہے؟ سب سے بڑے پیارے نے مخلوق میں سب سے بڑے پیارے کو سب سے بڑا پیارا وظیفہ دیا ہے۔ سب سے بڑے پیارے یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑے پیارے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سب سے بڑا پیارا وظیفہ دیا۔ جو سب سے بڑا پیارا ہوتا ہے اس کو سب سے بڑی پیاری چیز دی جاتی ہے۔ پیارے کو معمولی چیز نہیں دی جاتی لہٰذا یہ اُمت کی مغفرت کے لیے بہترین وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنے پالنے والے سے مغفرت مانگیے۔ رب کیوں نازل فرمایا؟ جو پالتا ہے اس کو اپنی پالی ہوئی چیز سے محبت ہوتی ہے۔ تم ایک بلی پال لو تو بلی سے محبت ہو جاتی ہے، کتا پال لو تو کتے سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ میں تمہارا پالنے والا ہوں مجھے تم سے محبت نہ ہوگی؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے دریائے رحمت میں جوش کے لیے خود سکھا رہے ہیں کہ رب کہو تاکہ تمہارے منہ سے جب سنوں کہ اے میرے پالنے والے! تو میرے دریائے رحمت میں طوفان پیدا ہو جیسے چھوٹا بچہ جب کہتا ہے کہ اے میرے ابا! تو باپ کے دل میں

---

[۲٦٨] المؤمنون: ۱۱۸

محبت کا کیسا جوش اُٹھتا ہے۔ رَبِّ اغْفِرْ اے میرے رب! مجھے معاف فرما دیجیے تو مغفرت کے کیا معنی ہیں؟ بِسَتْرِ الْقَبِیْحِ وَاِظْهَارِ الْجَمِیْلِ[۲۶۸] میری برائیوں کو چھپا دیجیے اور نیکیوں کو ظاہر فرما دیجیے وَارْحَمْ اور رحمت کے کیا معنی ہیں؟ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رحمت کی چار تفسیریں کی ہیں یعنی توفیقِ طاعت، فراخئ معیشت یعنی رزق میں برکت، بے حساب مغفرت اور دخولِ جنّت۔

بندہ جب مغفرت مانگتا ہے تو شیطان کو انتہائی غم ہوتا ہے، بہت چلّاتا ہے، اپنے سر پر مٹی ڈالتا ہے کہ یہ بندے تو بہت چالاک ہیں، میں نے تو ان کو گناہ کا مزہ چکھایا تھا اللہ سے دور کرنے کے لیے لیکن انہوں نے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر اپنا کام بنالیا، میری ساری محنت بے کار گئی، میرا بزنس تو لاس (loss) میں جارہا ہے، شیطان مایوس ہوجاتا ہے۔ اس لیے سفر میں، حضر میں، جہاں بھی رہیے اس وظیفہ کو کثرت سے پڑھتے رہیے اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ معافی بھی ہوجائے گی۔ اللہ کو رحم آجائے گا کہ یہ بندہ اپنی خطاؤں پر بار بار روتا ہے تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی توفیق دے دیں کہ گناہوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجائے۔

آیت نمبر ۶۱

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ[۲۶۹]

ترجمہ: اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کرکے) پاک وصاف نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک وصاف کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے لیے فرمایا کہ اے صحابہ! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہیں ہوسکتا تھا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو پاک کردیتا ہے۔ یہ اللہ نے توحید قائم کردی کہ میرے نبی کو خدا مت بناؤ۔ ہدایت کے معاملے میں تم لوگ نبوت کے فیض کے ساتھ میری مشیت کے بھی

۲۶۸؎ روح المعانی: ۷۱/۳، البقرۃ (۲۸۶)، دار احیاء التراث، بیروت

۲۶۹؎ النُّور: ۲۱

محتاج ہو۔ ہدایت کے لیے صرف فیضِ نبوت کافی نہیں بلکہ میری مشیت بھی ضروری ہے کیوں کہ میرے نبی کو تو ابوجہل نے بھی پایا، ابولہب نے بھی دیکھا لیکن ان کو کیوں ہدایت نہیں ہوئی۔ اگر نبی کے لیے ہدایت لازم ہوتی تو ابوجہل بھی کافر نہ رہتا، ابولہب بھی کافر نہ رہتا لیکن کیوں کہ میری مشیت نہیں تھی اس لیے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست انوارِ نبوت کے باوجود ان اشقیاء کو ہدایت نہ ہوئی۔ تو معلوم ہوا کہ تین چیزوں سے ہدایت ملتی ہے۔(۱) اللہ کا فضل (۲) اللہ کی رحمت (۳) اللہ کی مشیت۔ لہٰذا ہم سب کو چاہیے کہ دو رکعت حاجت پڑھ کر یہ بھی مانگیں کہ اے اللہ! اپنا وہ خاص فضل اور وہ رحمت اور مشیت عطا کر دے جس پر قرآنِ پاک میں آپ نے تزکیۂ نفس کی بنیاد رکھی ہے۔ اس عنوان سے مانگ کے تو دیکھو جو اختر سکھا رہا ہے۔

تزکیہ کا سببِ حقیقی فضل ورحمت ومشیتِ الٰہیہ ہے

اگر اللہ کو منظور نہ ہو تو شیخ بھی کسی کے اصلاح و تزکیہ میں مفید نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی حفاظت کی، صحابہ سے فرما رہے ہیں کہ میرا نبی دنیا میں ہدایت کا سب سے بڑا مظہر ہے، مظہرِ اتم ہے لیکن مظہر ظہور پر تو قادر ہے، اظہار پر قادر نہیں ہے۔ ہدایت کی تجلی کو ہمارا نبی بھی تم پر اظہار نہیں کر سکتا، میری مشیت سے ظہور کر سکتا ہے۔

اگر اللہ کی رحمت و فضل نہ ہو تو قیامت تک تم میں سے کوئی پاک نہیں ہو سکتا لیکن جب میری مشیت شامل ہوتی ہے تو ان مظاہرِ ہدایت کے ظہور میں اظہار کا حکم لگا دیتا ہوں کہ اب ظاہر کر دو، تو میری مشیت سے بندوں کا تزکیہ ہوتا ہے۔ مظہر ظہور کی جگہ ہے مگر وہ تابع ہے اس مظہر کے، مشیتِ الٰہیہ کے۔ لہٰذا صحبتِ شیخ کے ساتھ یہ بھی دعا کرنا چاہیے کہ اے اللہ! ہمارا اختیار یہاں تک تھا کہ اپنے کو شیخ کی خدمت میں حاضر کر دیا اب آپ اپنا وہ فضل، وہ رحمت، وہ مشیت جو اس آیت میں مذکور ہے ہمارے شاملِ حال کر دیجیے تا کہ ہمارا تزکیہ ہو جائے کیوں کہ تزکیہ کا اصل سبب آپ کا فضل و رحمت و مشیت ہے لہٰذا ہم اس کی آپ سے فریاد کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۶۲

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ [۲۷۰]

ترجمہ: آپ مسلمان مَردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

---

[۲۷۰] النور: ۳۰

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے محمد! آپ اپنی اُمت سے فرما دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی کر لیں قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کیا اللہ تعالیٰ خود ہم سے نہیں فرما سکتے تھے؟ جب نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کا حکم براہِ راست دیا تو نظر کی حفاظت کا حکم بھی اللہ تعالیٰ براہِ راست دے سکتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ بنایا اس میں عجیب راز ہے۔ بعض وقت ابّا حیا سے اپنے بیٹوں سے ایسی بات کو خود نہیں کہتا بلکہ اپنے دوستوں سے کہلاتا ہے کہ ذرا میرے بچوں کو سمجھا دو کہ بے شرمی والا کام نہ کریں۔ تو اس میں رب العالمین کی حیا و غیرت شامل ہے کہ رحمۃ للعالمین سے کہلایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فرما دیں کہ میرے بندے نگاہوں کی حفاظت کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کی جزا بیان فرمائی کہ غضِ بصر کی جزا حلاوتِ ایمانی ہے یَجِدُ فِیْ قَلْبِهٖ حَلَاوَتَهٗ[۲۷۱] اب اگر کوئی بے وقوف کہے کہ غضِ بصر تو بہت مشکل ہے کیوں کہ ہر طرف بے پردگی و عریانی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جتنی زیادہ عریانی ہے اتنی ہی حلاوتِ ایمانی کی فراوانی ہے، نظر بچاؤ اور حلوۂ ایمانی لے لو۔ پرچہ مشکل ہے تو کیا ہوا انعام بھی تو کتنا بڑا ہے کہ حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔

جس کے اندر جو صلاحیت ہے اس سے اگر کام نہ لیا جائے تو وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ ہماری طب میں بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ ایک سال تک ایک طرف کو کھڑا رکھے اور گرائے نہیں تو ہاتھ اکڑ جائے گا، اس کے گرانے کی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ ہاتھ مفلوج ہو جائے گا۔ اس طرح جو لوگ نظر بچانے کی اپنی قدرت کو استعمال نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے تو سزا کے طور پر ان کی قدرت کے مفلوج ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ تم نے ہماری دی ہوئی قوت و طاقت کو کیوں نہیں استعمال کیا، ہمارے راستے میں نفس چور کی لذت حرام سے بچنے کی، نمک حرامی سے باز آنے کی جو ہم نے تمہیں ہمت اور طاقت دی تھی اس کو کیوں استعمال نہیں کیا۔ ایسے لوگوں کے لیے ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ مسلسل بد نظری کرنے کے عذاب میں پھر تمہاری گناہ سے بچنے کی صلاحیت پر فالج گرا دوں اور تم ولی اللہ ہوئے بغیر فاسقانہ حالت میں مر جاؤ۔ لہٰذا نعمت کو استعمال کرنا چاہیے یا نہیں؟ آپ کسی کو ایک موٹر دے دیں اور وہ اس کو کبھی استعمال نہ کرے، گیرج میں پڑی رہے تو دینے والا وہ موٹر واپس لے لیتا ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کی جو قوت ہمیں دی ہے اس نعمتِ قوت کو استعمال کرنا چاہیے جس کا نام تقویٰ ہے۔ یہ اس نعمت کا شکر یہ ہے۔ اگر اللہ نظر بچانے کی، گناہ سے بچنے کی طاقت نہ دیتا تو اللہ تعالیٰ تقویٰ فرض ہی نہ کرتا کیوں کہ کمزور آدمی پر اس کی

---

[۲۷۱] الجواب الکافی لابن القیم الجوزی: ۱۶۴، فصل فی مداخل المعاصی

طاقت سے زیادہ بوجھ رکھنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گناہ سے بچنے کی طاقت دی ہے پھر تقویٰ فرض کیا ہے اور طاقت موجود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مثلاً ایک دوکان دار ہے اور ایک لڑکی آرہی ہے اور اس کی اچانک نظر اس پر پڑگئی، شیطان نے اس کے چہرہ پر فوکس مار دیا یعنی چار آنے حسن کو بیس آنہ دِکھادیا جس کے بعد اس کا ارادہ ہوگیا کہ اس کو خوب دیکھنا ہے بعد میں توبہ کرلوں گا۔ اتنی دیر میں ایک غنڈہ آیا اور اس نے پستول دِکھایا تو یہ کیا کہے گا کہ پستول وغیرہ نہ دِکھاؤ، میں آج پاگل ہوگیا ہوں، میں اس حسینہ کو ضرور دیکھوں گا، تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کروں گا۔ بولو، کیا اس کو گولی مارنے دوگے؟ ارے دُم دبا کر بھاگوگے، اپنی جان کے خوف سے عاشقی بھول گئے۔ یا اسی وقت دوکان میں ایک سانپ نکل آیا اور اسی لڑکی نے کہا ارے مولوی صاحب وہ سانپ! تو اس وقت کیا آپ یہ کہیں گے ؎

ترے جلوؤں کے آگے ہمتِ شرح وبیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

یا دوکان کا دروازہ کھول کر کے وہاں سے تیر کی طرح بھاگوگے۔ یہ بھی یاد نہ رہے گا کہ اس سے آپ کو پیسے وصول کرنا ہیں۔ اپنی جان کے لیے ایک مخلوق سے ڈر گئے۔ یہ سب مثالیں دے رہا ہوں کہ ہمارا ایمان کس قدر کمزور ہے اور ہم کس درجہ کمینے اور بے غیرت ہیں کہ ایک سانپ سے اور ایک غنڈے کی پستول سے ڈر گئے اور اپنی جان بچانے کے لیے ساری عاشقی فراموش کردی اور جس سے ڈرنا چاہیے اس سے نہیں ڈرتے۔ وہ اللہ جس کے قبضہ میں ہماری موت وحیات ہے، ہماری راحت و آرام ہے، جس کے قبضہ میں جنّت و دوزخ کا فیصلہ ہے آہ! اس سے ہم بے خوف ہیں لہٰذا اللہ کے نام پر فدا ہو جاؤ، اس کی ناراضگی سے ڈرو اور اس کی محبت میں گناہوں کو چھوڑ دو ورنہ کل قیامت کے دن کیا جواب دوگے؟

سارے عالم میں آج کل اختر کا یہ ہی ایک مضمون ہے کہ تم لیلاؤں سے بچ جاؤ تو مولیٰ کو پاجاؤ گے اور مزہ بھی پاؤگے یہ نہیں کہ خشک مضمون ہے یہ، جو لیلاؤں سے بچتا ہے مولیٰ اس کے دل کی خوشی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ یہی حلاوتِ ایمانی ہے کہ تمہارے دل میں رس گھل جائے گا اور تمہارا دل ایمان کی مٹھاس کو محسوس کرے گا اور لیلاؤں کو دیکھنا تو ایک عذاب ہے، دل اسی وقت تڑپنے لگتا ہے تو لیلاؤں کے عذاب سے بچو اور مولیٰ کی لذتِ قرب سے مستی حاصل کرو۔ لیلاؤں کی ہستی قابلِ مستی نہیں ہے اور نہ ان کی بستی رہنے کے قابل ہے اگرچہ سستی ہو، مفت کی بھی ملے تو مت لو۔ حکیم الامت نے فرمایا کہ ایک شخص نے مجھے سرمہ دیا تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی! اس کے اجزاء بتاؤ تاکہ میں اپنے خاندانی حکیم سے مشورہ کرلوں تو وہ غصہ ہوگیا کہا کہ میں تو آپ کو

مفت میں دے رہا ہوں اور آپ کے یہ ناز و نخرے! تو حضرت نے فرمایا کہ تیرا سرمہ تو مفت کا ہے میری آنکھ مفت کی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر گناہ مفت کا ملے تو کہہ دو کہ یہ گناہ تو مفت کا ہے لیکن میرا ایمان مفت کا نہیں ہے۔

آیت نمبر ۶۳

وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ [۲۷۲]

ترجمہ: اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے۔

عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے پاؤں اتنی زور سے نہ رکھیں جس سے زیور کی آواز نکلے اور مخفی زینت مَردوں پر ظاہر ہو۔ اس آیت سے قبل عورتوں کو مواضعِ زینت سر اور سینہ وغیرہ کو چھپانا واجب بیان فرما کر اس آیت میں حق تعالیٰ نے مزید احتیاط کا حکم ارشاد فرمایا کہ بہت سے فقہاء نے اسی سبب سے عورتوں کی آواز کو ستر میں داخل کیا ہے۔ بالخصوص جب کہ فتنہ کا اندیشہ ہو تو بالکل ممنوع ہے۔ اسی طرح خوشبو لگا کر یا مزین برقعہ پہن کر نکلنا بھی ممنوع ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا [۲۷۳]

اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم نامحرم مرد سے بولنے میں جب کہ بہ ضرورت بولنا پڑے نزاکت مت کرو، اس سے ایسے شخص کو طبعاً خیالِ فاسد پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدۂ عفت کے موافق بات کہو یعنی صرف نسبت بلا تقویٰ ہیچ ہے (اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ) جیسے عورتوں کے کلام کا فطری انداز ہوتا ہے کہ کلام میں نرمی ہوتی ہے تم سادہ مزاجی سے اس انداز کو مت استعمال کرو۔ بلکہ ایسے موقع پر تکلف اور اہتمام سے اس فطری انداز کو بدل کر گفتگو کرو یعنی ایسے انداز سے جس میں خشکی اور روکھا پن ہو کہ یہ طرز عفت کا محافظ ہے۔

فائدہ: ان آیات سے حسب ذیل سبق ملتا ہے:

عورتوں کو بوقت شدید ضرورت اگر غیر محرم مرد سے بات کرنی ہو تو پردہ کے باوجود آواز کو بھی نرم

۲۷۲؎ النور: ۳۱

۲۷۳؎ الاحزاب: ۳۲

نہ ہونے دیں، تکلف اور اہتمام سے آواز کو ذرا سخت کریں جس میں لچک اور نزاکت کی ذرا بھی آمیزش نہ ہو۔

جب عورتوں کے لیے یہ حکم ہے تو مَردوں کو غیر محرم عورتوں سے نزاکت والی آواز سے بولنا کب جائز ہو گا۔ لہٰذا بوقتِ ضرورت غیر محرم عورتوں سے بات کرتے وقت اپنی آواز کو سخت رکھنا چاہیے۔

جس شخص کو عورتوں کی آواز کی نرمی اور نزاکت سے خیالاتِ فاسدہ پیدا ہوں یا عورتوں کی طرف میلان پیدا ہو تو قرآن نے اس طمع و کشش، میلان و رغبت کو قلب کی بیماری قرار دیا ہے۔ اس سے دورِ حاضر کے ان دوستوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو ٹیلی فون ایکسچینج پر عورتوں کو محض اس وجہ سے ملازم رکھتے ہیں کہ ان کی آواز سے کانوں کو لطف ملتا ہے اور مَردوں کی آواز سے سمع خراشی ہوتی ہے۔

تنبیہ: خوب یاد رکھنا چاہیے بالخصوص سالکینِ طریق اور عاشقینِ حق کو کہ حظِ نفس کا نقطۂ آغاز حق تعالیٰ سے بُعد و فراق کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے لہٰذا اس دشمنِ ایمان و دین یعنی نفس کو خوش کرنے سے ہوشیار رہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس مرد سے (اگرچہ وہ امرد یعنی لڑکا نہ ہو) گفتگو میں اس کی آواز اور اس کے نقشہ اور چہرہ اور آنکھوں سے نفس کو لطف ملنا شروع ہو فوراً اس سے ہٹ جاوے۔ (انتھٰی کلامہ) کیوں کہ بعض حسین لڑکے داڑھی مونچھ کے کچھ کچھ نکلنے تک بھی اپنے اندر حُسن کا اثر رکھتے ہیں اور عشق مجاز کے بیماروں کو بیمار کرتے ہیں۔ پس نفس کے بیمار کو حُسن رفتہ کے آثار تک دیکھنے سے احتیاط چاہیے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس کو جس سے بھی مزہ ملے اس سے فوراً الگ ہو جائے کیوں کہ نفس کو ذرا بھی مزہ ملنا خطرہ سے خالی نہیں۔ دشمن کو تھوڑا خوش دیکھنا بھی گوارا نہ کرنا چاہیے کیوں کہ تھوڑی خوشی سے بھی نفس کو طاقت آجاتی ہے اور پھر وہ کسی بڑی معصیت میں کھینچ لے جائے گا۔

جس طرح غیر محسوس ہلکی حرارت زیادہ خطرناک ہوتی ہے کہ آدمی اس کے علاج سے غافل رہتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کی طرف نفس کا ہلکا سا میلان ہو اس کی صحبت بھی نہایت خطرناک ہوتی ہے کیوں کہ شدید میلان اور شدید رغبت والی صورتوں سے تو سالک بھاگتا ہے مگر یہاں ہلکے میلان کے سبب اسے احتیاط کی توفیق نہیں ہوتی اس طرح ہلکے ہلکے زہر کو شیطان اس کی روح میں اُتارتا رہتا ہے یہاں تک کہ نفس قوی ہو کر سالک کو بڑے بڑے گناہوں کی طرف نہایت آسانی سے کھینچ لے جاتا ہے ع

گوشۂ چشم سے بھی اُن کو نہ دیکھا کرنا

اور

نفس کا اژدہا دِلا دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل اِدھر ہوا نہیں اُس نے اُدھر ڈسا نہیں
بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

یاد رکھنا چاہیے کہ حظِ نفس کا نقطۂ آغاز بُعد عن الحق کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے یعنی نفس کا کسی گناہ سے ابتدائی مرحلہ میں اگر ایک اعشاریہ سے بھی کم ہو لطف لینا حق تعالیٰ سے کسی درجہ میں دوری کا سبب ہوتا ہے۔

حضرات مشائخِ کرام کا ارشاد

سالک کے لیے عورتوں اور لڑکوں سے اختلاط، میل جول نہایت زہرِ قاتل ہے کیوں کہ ذکر کی برکت سے ان کا دل نرم ہو جاتا ہے اور طبیعت میں لطافت بھی بڑھ جاتی ہے پس انہیں حسن کا ادراک اور احساس زیادہ ہوتا ہے اس لیے اکثر شیطان جب گمراہی کے ہر راستے سے مایوس ہو جاتا ہے تو صوفیوں کو حسین لڑکوں اور عورتوں کے چکر میں لانے کی کوشش کرتا ہے اس لیے سالکین کو لڑکوں اور عورتوں سے بہت ہی احتیاط اور بہت ہی دوری کا اہتمام رکھنا چاہیے۔ اور اگر لڑکوں کی طرف یا عورتوں کی طرف بد نگاہی یا میلانِ شدید محسوس ہو فوراً مرشد سے رجوع کریں۔

آیت نمبر ۶۴

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا ﴿۵۹﴾[۲۸۴]

ترجمہ: وہ بڑا مہربان ہے تو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیے۔

جن لوگوں نے اس دنیا کے اندھیرے میں اللہ کو پہچان لیا، نگاہِ معرفت پیدا کرلی قیامت کے دن یہ خود بھی نجات پائیں گے اور ان کی سفارش گناہ گاروں کے حق میں قبول کی جائے گی۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ شفاعت کا حق دیں گے: ۱) پیغمبروں کو۔ ۲) شہیدوں کو۔ ۳) عالمِ باعمل کو۔

---

[۲۸۴] الفرقان: ۵۹

دنیا کے اندھیرے میں اگر اللہ کو پہچاننے کا ہنر سیکھ لیا تو پھر دوسرے ہنر سیکھنا کچھ مضر نہیں کیوں کہ پھر کوئی ہنر آپ کو اللہ سے غافل نہیں کر سکتا، ڈاکٹر اور انجینئر بننا منع نہیں ہے بشرطیکہ آپ اللہ سے غافل نہ ہوں جیسے کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ چشمِ سلطان شناس ہی کام آئی باقی ہنر تختہ دار پر لے گئے لہٰذا اللہ سے ہم لوگ وہ آنکھیں مانگ لیں جو اس دنیا کے اندھیرے میں اللہ کو پہچاننے والی ہوں قیامت کے دن یہی باعثِ نجات ہوں گی اور اللہ کو کس طرح پہچانوگے۔ اس کا طریقہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِہٖ خَبِیۡرًا رحمٰن کو پہچاننے کے لیے ان بندوں کے پاس جاؤ جو باخبر ہیں، خَبِیۡرًا کی تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے اَلْمُرَادُ بِخَبِیْرًا نِ الْعَارِفُوْنَ۔ خَبِیۡرًا سے مراد عارفین ہیں، یعنی باخبر لوگ وہ ہیں جو اللہ کو پہچاننے والے ہیں۔ ان کی صحبت کی برکت سے ہی اللہ کی معرفت نصیب ہوگی۔ ہمارے پردادا پیر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے غلافِ کعبہ پکڑ کر یہ دعا مانگی تھی۔

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ مانگتا ہے
الٰہی میں تجھ سے طلب گار تیرا

اے اللہ! کعبہ میں تجھ سے کوئی فیکٹری مانگ رہا ہے، کوئی بادشاہت مانگ رہا ہے، کوئی وزارت مانگ رہا ہے مگر اے اللہ! امداد اللہ آپ سے آپ کو مانگ رہا ہے۔ مبارک ہیں وہ بندے جو اللہ سے اللہ کو مانگ رہے ہیں۔ ہم دنیا مانگنے سے منع نہیں کرتے لیکن اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ اے اللہ! اگر آپ نہ ملے تو سب بے کار ہے۔

آیت نمبر ٦۵

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ[۲۷۵]

۲۷۵؎ الفرقان: ۷۰

ترجمہ: مگر جو شرک و معاصی سے توبہ کرلے اور ایمان بھی لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا۔

اس پر ایک علمی اِشکال یہ ہے کہ توبہ تو حالتِ ایمان میں قبول ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے اِلَّا مَنۡ تَابَ کیوں فرمایا؟ حضرت حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن میں اس کا جواب دیا کہ یہ آیت مشرکین کے لیے نازل ہوئی ہے یعنی مَنۡ تَابَ عَنِ الشِّرۡکِ جو شرک سے توبہ کرلے وَاٰمَنَ پھر ایمان قبول ہوگا۔ حالتِ شرک میں جو بت کے سامنے سجدہ کرے اس کا ایمان کیسے قبول ہوسکتا ہے؟ تفسیر مظہری میں بھی اِلَّا مَنۡ تَابَ کی تفسیر عَنِ الشِّرۡکِ کی ہے یعنی جو شرک سے توبہ کرے اور پھر ایمان بھی لے آئے اور نیک اعمال یعنی ضروری طاعات کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عطا فرمائے گا۔ توبہ کرنے سے ہماری برائیاں کس طرح نیکیوں سے بدل جائیں گی اس کی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تین تفسیر کی ہیں۔

تبدیلِ سیئات بالحسنات کی پہلی تفسیر

جتنی اس نے برائیاں کی تھیں ان کو مٹا کر اس کی جگہ اللہ تعالیٰ وہ نیکیاں لکھ دے گا جو وہ مستقبل میں کرنے والا ہے، ماضی کے گناہوں کو مٹا کر وہاں مستقبل کی نیکیاں لکھ دے گا۔ اور خالی اس لیے نہیں چھوڑے گا کہ خالی چھوڑنے سے فرشتے طعنہ دیتے کہ کچھ دال میں کالا تھا۔ یہاں سے کچھ مٹایا گیا ہے کیوں کہ یہاں کچھ لکھا ہوا نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی آبرو رکھ لی۔ آہ! اپنے بندوں کی آبرو رکھ لی۔ اللہ تعالیٰ اس کے سوابق المعاصی کو مٹادے گا اور لواحق الحسنات کو وہاں لکھ دے گا یعنی ماضی کے جتنے معاصی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مٹا کر وہاں اس کی مستقبل کی نیکیاں لکھ دیں گے۔ مثلاً ایک شخص فلم میں گانا گاتا تھا اب توبہ کرلی، نماز پڑھنے لگا، داڑھی رکھ لی اور حج کرنے گیا تو جتنا اس نے گانا بجانا کیا تھا جو اعمال نامہ میں لکھا ہوا تھا اس کو مٹا کر اس کی جگہ لَبَّیۡکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیۡکَ لَبَّیۡکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ لَبَّیۡکَ اِنَّ الۡحَمۡدَ وَالنِّعۡمَۃَ لَکَ وَالۡمُلۡکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ لکھا ہوا ہوگا، یعنی توبہ کرتے ہی اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ مٹادیتے ہیں اور وہاں وہ نیکیاں لکھ دیتے ہیں جو وہ آیندہ کرنے والا ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کرم نہیں ہے۔

تبدیلِ سیئات بالحسنات کی دوسری تفسیر

دوسری تفسیر یہ ہے کہ ملکۂ تقاضائے معصیت کو ملکۂ تقاضائے حسنات سے تبدیل فرمادیتے ہیں یعنی جو

ہر وقت گناہوں کے لیے پاگل رہتا تھا، ہر وقت فلمی گانے، وی سی آر، سینما، ہر وقت ٹیڈیوں کے ساتھ اسٹیڈی کر کے نفس کو ریڈی رکھتا تھا اب توبہ کر کے سب گناہوں کو چھوڑ دیا۔ اب اللہ والوں کے پاس جاتا ہے، نیک اعمال کرتا ہے اللہ کی رحمت اس کے تقاضائے معصیت کی شدت کو تقاضائے حسنات کی شدت سے تبدیل کر دیتی ہے لیکن ایک شرط ہے کہ چھپ چھپ کر وہ معصیت کی عادت کو زندہ نہ رکھے جیسے کوئی بھنگی پاڑہ میں رہتا تھا اور روزانہ گو کے کنستر سونگھا کرتا تھا، اس کے بعد اس نے توبہ کر لی اور عطر کی دوکان میں نوکری کر لی اور اس نے عطر والے سے کہا کہ صاحب! ہم کو کوئی ایسا عطر دے دیجیے کہ پھر ہم پاخانہ نہ سونگھیں اور بھنگی پاڑہ سے ہم کو مناسبت نہ رہے۔ اس نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے عود کا عطر لو، دس ہزار روپے کا تولہ ملتا ہے، عرب کے شہزادے لگاتے ہیں، تم روزانہ مفت میں لگالیا کرو کہ ہمارے ملازم ہو۔ لہٰذا وہ ٹھیک ہو گیا اب بدبودار چیز سونگھنے سے اس کو متلی آنے لگی کیوں کہ اس نے بھنگی پاڑہ جانا بالکل چھوڑ دیا تو سال چھ مہینے میں اس کی ناک کا مزاج جو فاسد تھا وہ مزاجِ سالم سے تبدیل ہو گیا، وہ کہتا ہے کہ بدبو کے تصور سے میں اب بھنگی پاڑہ نہیں جاسکتا، گو کا کنستر دیکھنے ہی سے قے ہو جائے گی اور اس کے ایک ساتھی نے بھی بھنگی پاڑہ سے توبہ کی تھی لیکن وہ چور قسم کا تھا، ہفتہ میں، مہینہ میں چھپ کر بھنگی پاڑہ جا کر گو کا کنستر سونگھ آتا تھا اور اپنے مربی کو بتاتا بھی نہیں تھا کہ ایسا نہ ہو کہ پھر جانے ہی نہ دے۔ اب بتایئے کہ کیا اس کو صحت ہو گی اور کیا اس کو بدبو سے نفرت ہو گی؟ کیوں کہ یہ ظالم خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا تھا۔ مولانا رومی اس کو بڑے درد سے فرماتے ہیں اور میں بھی درد سے کہتا ہوں اپنے دوستوں سے ؎

دستِ ما چوپائے ما را می خورد
بے امانِ تو کسے جاں کے برد

جب میرا ہی ہاتھ میرے پیر کو کاٹ رہا ہے تو اے خدا! تیری سلامتی و امن کے بغیر ہم اپنی جان کو کیسے بچاسکتے ہیں۔

دوستو! ہم اپنی جان پر رحم کریں ورنہ ساری زندگی کش مکش اور عذاب میں رہے گی، دنیا کا بھی عذاب ہو گا اور جب موت آئے گی تو قبر میں عذاب ہو گا تب پتا چل جائے گا۔ اس لیے میں اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت کی ہے وہ چھپ چھپ کر غلط ماحول میں جانے کی حرام حرکت سے، گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار نہ کریں، جو گناہوں سے سچی توبہ کرے گا پھر اس کے تقاضائے معصیت کو اللہ تعالیٰ نیکیوں کے تقاضے سے بدل دیں گے کچھ دن کا معاملہ ہے۔ سال دو سال ایسا گزار لو کہ بالکل گناہ نہ کرو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ! گناہوں کو دل ہی نہیں چاہے گا دل ہی بدل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اللہ والا بنادیں۔

تبدیل سیئات بالحسنات کی تیسری تفسیر

اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کی برکت سے برائی کو مٹا کر حسنات سے تبدیل فرماتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَيُنَحّٰى عَنْهُ كِبَارُهَا

قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے فرشتو! اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو، اس کے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور اس کے بڑے بڑے گناہ چھپا دیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تم نے یہ گناہ کیے تھے؟ وہ کہے گا کہ ہاں اور دل میں ڈرے گا کہ اب تو بس جہنم میں گئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس کے ہر صغیرہ گناہ کی جگہ پر حسنہ اور نیکی لکھ دو اور یہ وہ نیکی نہیں ہوگی جو اس نے کی ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے عطا فرمائیں گے کہ یہاں نیکی لکھ دو اور ایک دوسری روایت میں ہے:

لَيَاْتِيَنَّ نَاسٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ وَدُّوْا اَنَّهُمُ اسْتَكْثَرُوْا فِي السَّيِّاٰتِ

بہت سے لوگوں کے ساتھ کرم کا جب یہ معاملہ ہوگا تو وہ تمنا کریں گے کہ ان کے گناہ زیادہ ہوتے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں فرمایا کہ يُسَمّٰى هٰذَا التَّبْدِيْلُ كَرَمَ الْعَفْوِ[۲۷۶] اس کا نام عفوِ کریمانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معافی بھی دے رہے ہیں اور گناہ کی جگہ نیکیاں بھی دے رہے ہیں کیسا کریم مالک ہے۔ اس کرم کو دیکھ کر وہ کہے گا کہ اللہ میاں! ابھی تو میرے اور بھی گناہ ہیں اِنَّ لِيْ ذُنُوْبًا لَّمْ اَرَهَا هُنَا میں اپنے بڑے بڑے گناہوں کو تو یہاں دیکھ ہی نہیں رہا ہوں۔ ذرا ڈھٹائی تو دیکھیے کہ جب چھوٹے چھوٹے گناہوں پر نیکیاں ملنے لگیں اور انعامات ملنے لگے تو یہ ظالم اپنے بڑے گناہوں کو اللہ میاں کے سامنے پیش کر رہا ہے اِنَّ لِيْ ذُنُوْبًا لَّمْ اَرَهَا هُنَا کہ اللہ میاں! میرے تو اور بھی بڑے بڑے گناہ تھے میں ان کو کیوں نہیں دیکھ رہا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس مقام کو بیان فرمایا تو آپ ہنس پڑے حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ[۲۷۷] یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں کھل گئیں کہ بندوں کا یہ حال ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ہنس پڑیں گے ان شاء اللہ۔ آہ! اللہ تعالیٰ کے کرم بے پایاں کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔

۲۷۶؎ روح المعانی: ۱۹/ ۵۰، الفرقان (۷۰)، دار احیاء التراث، بیروت

۲۷۷؎ الجواب الکافی لابن القیم الجوزی

آیت نمبر ۶۶

یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿۸۹﴾[۲۷۸]

ترجمہ: اس دن میں کہ (نجات کے لیے) نہ مال کام آوے گا نہ اولاد، مگر ہاں (اس کی نجات ہو گی) جو اللہ کے پاس (کفر وشرک سے) پاک دل لے کر آوے گا۔

مگر جو قلبِ سلیم اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش کرے گا جنّت قیامت کے دن بغیر عذاب اسی کو ملے گی، بغیر حساب بخشا جائے گا۔ اب قلب سلیم کیسے ہو گا؟ اس کے پانچ راستے علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائے اس کو سن کر ہم فیصلہ کرلیں کہ ہمارا قلب سلیم ہے یا نہیں؟

اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنا

اَلَّذِیۡ یُنۡفِقُ مَالَهٗ فِیۡ سَبِیۡلِ الۡبِرِّ جو اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتا ہے چوں کہ اسے یقین ہے کہ وہاں ملے گا، خرچ نہیں ہو رہا بلکہ اللہ کے یہاں جمع ہو رہا ہے۔

اولاد کی تربیت

اَلَّذِیۡ یُرۡشِدُ بَنِیۡهِ اِلَی الۡحَقِّ جو اپنی اولاد کو بھی نیک بنائے۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السّلام نے دعا مانگی رَبَّنَا وَ اجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ اے اللہ! ہمیں مسلمان بنایئے کیا وہ مسلمان نہیں تھے؟ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تفسیر فرماتے ہیں کہ مسلمان تھے اب مزید اسلام میں ترقی ہو، ایمان بڑھ جائے، بَڑھیا مسلمان بن جائیں، اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل ہو کیوں کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ[۲۷۹]

اور دوسری آیت میں ہے:

۲۷۸؎ الشعرآء: ۸۸-۸۹

۲۷۹؎ الفتح: ۴

وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ [۲۸۰]

ایمان پر ایمان کا اضافہ کیسے ہو؟ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ایمان موروثی عقلی استدلالی ہے وہ ایمان ذوقی حالی وجدانی میں تبدیل ہو جائے، یہ ہے زیادتِ ایمان۔ آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ معلوم ہوا کہ اولاد کو نیک بنانے کی دعا اور فکر کرنا پیغمبرانہ ذوق ہے تو قلبِ سلیم یہ ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کی بھی فکر کرے۔

غلط عقیدوں سے پاکی

اَلَّذِیۡ یَكُوۡنُ قَلۡبُهٗ خَالِیًا عَنِ الۡعَقَآئِدِ الۡبَاطِلَةِ جس کا دل باطل عقیدوں سے پاک ہو۔ ایسا عقیدہ نہ ہو کہ پیروں سے بیٹا وغیرہ مانگنے لگے۔ اگر کوئی پیر فقیر کرامت دِکھا دے ہوا پر اُڑنے لگے مگر داڑھی نہیں رکھتا، نماز نہیں پڑھتا، سنّت کے خلاف زندگی ہے، اس کو ولی اللہ سمجھنا جائز نہیں۔ خلافِ شرع اُمور کو قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھنا کفر ہے۔

خواہشات کا غلبہ نہ ہو

اَلَّذِیۡ یَكُوۡنُ قَلۡبُهٗ خَالِیًا عَنۡ غَلَبَةِ الشَّهَوَاتِ جس کا دل شہوتوں کے غلبہ سے پاک ہو، شہوت تو رہے کہ بیوی کا حق ادا کر سکے، ہاں کافور کی گولی بھی نہ کھالے کہ بیوی کے قابل بھی نہ رہے اور اتنا اوورفل شہوت بھی نہ ہو کہ کسی کی تمیز ہی نہ رہے، ہر ایک کو تانک جھانک کرنے لگے۔ دل غلبۂ خواہش سے پاک ہو یعنی دل خواہش پر غالب ہو، جہاں حلال ہو وہاں ٹھیک ہے جہاں حرام دیکھا بس اللہ کی پناہ مانگے اور وہاں سے بھاگے۔ خواہشات سے مغلوب نہ ہو۔

غیر اللہ سے دل پاک ہو

اَلَّذِیۡ یَكُوۡنُ قَلۡبُهٗ خَالِیًا عَمَّا سِوَی اللّٰهِ [۲۸۱] جس کا دل ماسویٰ اللہ سے خالی ہو یعنی بیوی بچوں اور مال و دولت پر اللہ کی محبت غالب آجائے، جس کو جگر مراد آبادی آل انڈیا شاعر نے کہا تھا۔

۲۸۰؎ البقرۃ: ۱۲۸

۲۸۱؎ صحیح البخاری: ۹۱/۱ (۶۶۴)، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلٰوۃ، المکتبۃ المظہریۃ

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے، میں زمانے پہ چھا گیا

اس کو خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور ذکر کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے ؎

دل مرا ہو جائے ایک میدانِ ہُو
تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو

جو کچھ ہو سارے عالم میں ذرّہ ذرّہ میں اللہ تعالیٰ نظر آئے۔ اگر اللہ مل جائے دل باخدا ہو جائے تو آنکھیں بھی باخدا ہو جاتی ہیں۔ جیسا دل ہوتا ہے ویسی ہی آنکھ ہوتی ہے۔ ابو جہل کا دل خراب تھا اس لیے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمیز اور پہچان نہیں ہو سکی۔ اللہ والوں کو بھی پہچاننے کے لیے اللہ تعالیٰ دل میں بینائی اور بصیرت عطا کرتا ہے۔

آیت نمبر ۶۷

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ [۲۸۲]

ترجمہ: ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے۔

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اس لیے ہر شخص کو موت سے قبل اپنی فائل یعنی معاملات کو درست کر لینا چاہیے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے سوال کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! سب سے زیادہ سمجھ دار آدمی کون ہے؟ فرمایا کہ جو موت کے لیے ہر وقت تیاری میں مشغول رہتا ہے اور جو موت کو کثرت سے یاد رکھتا ہو۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور قبرستان میں پہنچ کر علیحدہ ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگے، کسی نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آپ اس جنازہ کے ولی تھے، آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے، فرمایا: ہاں! مجھے ایک قبر نے آواز دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبد العزیز! تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں؟ میں نے کہا: ضرور بتا۔ اس نے کہا کہ ان کے کفن پھاڑ دیتی ہوں، بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں، خون

۲۸۲؎ العنکبوت: ۵۷

سارا چوس لیتی ہوں، گوشت سارا کھا لیتی ہوں اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں، مونڈھوں کو بانہوں سے جدا کر دیتی ہوں اور بانہوں کو پہنچوں سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں کو بدن سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں سے رانوں کو جدا کر دیتی ہوں اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے، پنڈلیوں کو پاؤں سے جدا کر دیتی ہوں۔ یہ فرما کر عمر بن عبد العزیز رونے لگے اور فرمایا: دنیا کا قیام بہت ہی تھوڑا ہے اور اس کا دھوکا بہت زیادہ ہے، اس میں جو عزیز ہے وہ آخرت میں ذلیل ہے، اس میں جو دولت والا ہے، وہ آخرت میں فقیر ہے، اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا، اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا، اس کا تمہاری طرف متوجہ ہونا تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے حالاں کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کتنی جلدی منہ پھیر لیتی ہے اور بے وقوف وہ ہے جو اس کے دھوکے میں پھنس جائے۔ کہاں گئے اس کے دلدادہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے، بڑی بڑی نہریں نکالیں، بڑے بڑے باغ لگائے اور بہت تھوڑے دن رہ کر سب چھوڑ کر چل دیے، وہ اپنی صحت اور تندرستی سے دھوکے میں پڑے کہ صحت کے بہتر ہونے سے ان میں نشاط پیدا ہوا اور اس سے گناہوں میں مبتلا ہوئے، وہ لوگ خدا کی قسم! دنیا میں مال کی کثرت کی وجہ سے قابلِ رشک تھے باوجود یہ کہ مال کے کمانے میں ان کو رکاوٹیں پیش آتی تھیں مگر پھر بھی خوب کماتے تھے، ان پر لوگ حسد کرتے تھے لیکن وہ بے فکر مال کو جمع کرتے رہتے تھے اور اس کے جمع کرنے میں ہر قسم کی تکلیف بخوشی برداشت کرتے تھے لیکن اب دیکھ لو کہ مٹی نے ان بدنوں کا حال کیا کر دیا ہے اور خاک نے ان کے بدنوں کو کیا بنا دیا، کیڑوں نے ان کے جوڑوں اور ان کی ہڈیوں کا کیا حال بنا دیا۔ وہ لوگ دنیا میں اونچی اونچی مسہریوں اور اونچے اونچے فرش اور نرم نرم گدّوں پر نوکروں اور خادموں کے درمیان آرام کرتے تھے، عزیز و اقارب رشتہ دار اور پڑوسی ہر وقت دلداری کو تیار رہتے تھے لیکن اب کیا ہو رہا ہے آواز دے کر ان سے پوچھ کہ کیا گزر رہی ہے؟ غریب امیر سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے مال دار سے پوچھ کہ اس کے مال نے کیا کام دیا، ان کے فقیر سے پوچھ کہ اس کے فقر نے کیا نقصان دیا، ان کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چہکتی تھی، ان کی آنکھوں کو دیکھ کہ دنیا میں وہ ہر طرف دیکھتی تھیں، ان کی نرم نرم کھالوں کا حال دریافت کر، ان کے خوبصورت اور دِل رُبا چہروں کا حال پوچھ کہ کیا ہوا، ان کے نازک بدن کو معلوم کر کہ کہاں گیا اور کیڑوں نے کیا حشر کیا؟ افسوس صد افسوس اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کر رہا ہے، اپنے بیٹے اپنے باپ کی آنکھ بند کر رہا ہے، ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے اور کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازے کے ساتھ جا رہا ہے، کسی کو قبر کے گڑھے میں ڈال رہا ہے، کل کو تجھے یہ سب کچھ پیش آنا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آیت نمبر ٦٨

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ ؕ[۲۸۳]

ترجمہ: اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دو عظیم الشّان نشانیاں

اللہ تعالیٰ نے آج ایک علمِ عظیم عطا فرمایا کہ کسی زبان کو دل سے حقیر سمجھنا یا زبان سے ظاہر کرنا اس میں خوفِ کفر ہے۔ چناں چہ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کا خط پڑھا جو بنگال آیا تھا جس میں لکھا تھا کہ ''ہم بہت ہانستا ہے اس کا علاج بتائیے''۔ حضرت کی مجلس میں ایک صاحب نے کہا کہ یہ بنگالی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارے اس جملے سے حقارت کی بو آرہی ہے کہ تم نے اہلِ بنگال اور ان کی زبان کو حقیر سمجھا لہٰذا تم جا کر دوبارہ کلمہ پڑھو اور دو رکعات نمازِ توبہ پڑھو۔ لہٰذا زبان کو حقیر سمجھنا اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَاَلۡوَانِکُمۡ اے دنیا والو! تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف میری نشانی ہے اور نشانی سے جان پہچان ہوتی ہے یعنی تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف میری معرفت کا ذریعہ ہے۔ میں افریقہ کے ملک ملاوی میں تھا۔ ایک صبح کتے بھونک رہے تھے۔ میں نے دوستوں سے عرض کیا کہ جانوروں کی زبان کو چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا ذریعہ نہیں بنایا اس لیے دنیا بھر کے جانوروں کی ایک ہی بولی ہے۔ کتا چاہے پاکستان کا ہو یا افریقہ کا ہو یا امریکا اور برطانیہ کا ہو بھوں بھوں ہی کرے گا اور بلی چاہے کسی ملک کی ہو میاؤں ہی کہے گی لیکن انسانوں کی زبانیں مختلف ہیں کیوں کہ ان کو اپنی نشانی اور معرفت کا ذریعہ بنانا تھا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچانیں کہ واہ! کیا شان ہے آپ کی کہ کتنی زبانیں آپ نے پیدا فرمادیں۔ لہٰذا کسی زبان کو یا کسی رنگ کو مثلاً کالوں کو حقیر سمجھنا اس میں اندیشۂ کفر ہے۔ ایک شخص کسی بونے کو دیکھ کر ہنسنے لگا تو اس نے کہا

۲۸۳؎ الروم: ۲۲

کہ پیالے پر ہنس رہے ہو یا کمہار پر۔ پیالہ پر ہنسنا پیالہ بنانے والے پر ہنسنا ہے، کسی کی بنائی ہوئی چیز کا مذاق اُڑانا گویا کہ بنانے والے کا مذاق اُڑانا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں مُجدّدِ زمانہ حکیم الامت کا مذکورہ بالا عمل ہماری تائید کرتا ہے۔ ہر انسان خواہ کسی رنگ کا ہو اور کسی زبان کا ہو اس میں ولی اللہ بننے کی صلاحیت موجود ہے، ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کرے ولی اللہ ہوگیا لہٰذا عقلاً بھی کسی کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔ لیکن زبانوں کے بارے میں غیر شعوری طور پر شیطان حقارت ڈال دیتا ہے۔ اس کا خاص دھیان رکھنا چاہیے کہ کسی کی حقارت دل میں نہ آنے پائے۔ مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نہ کوئی راہ پا جائے نہ کوئی غیر آجائے

حریمِ دل کا احمدؔ اپنے ہر دم پاسباں رہنا

آیت نمبر ۶۹

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ [۲۸۴]

ترجمہ: اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جاویں اور یہ جو سمندر رہے اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ساری دنیا کے درخت قلم بن جاتے اور ساری دنیا کے سمندر اور اس سمندر جیسے سات اور سمندر روشنائی بن جاتے تو بھی میری عظمت اور میری صفات کو لکھنے کے لیے ناکافی ہو جاتے لہٰذا جب سارے عالم کے قلم اور سات سمندروں کی روشنائی اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کے لکھنے کے لیے ناکافی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک طبقہ شہداء کا پیدا فرمایا جس کے خونِ شہادت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمتوں کی اور اپنی محبت کی تاریخ لکھوا دی اور ان کا اس کام کے لیے انتخاب فرمایا لِیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُهَدَآءَ کافروں کی کیا مجال تھی کہ

۲۸۴؎ لقمان: ۲۷

وہ کسی مؤمن کا خون بہا سکتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور عظمت کی شہادت کے لیے ان کو منتخب فرمایا تاکہ مُنْعَمْ عَلَیْہِمْ یعنی نبیّین، صدیقین اور صالحین کے ساتھ شہداء کا ایک گروہ بھی روئے زمین پر موجود رہے ورنہ کفار قرآن پاک کی صداقت پر اعتراض کرتے کہ مُنْعَمْ عَلَیْہِمْ میں شہداء کے مصادیق کہاں ہیں۔ لہٰذا ایک طبقہ پیدا فرمایا کہ تم لوگ مجھ پر اپنی جانوں کو فدا کردو اور اپنے خون سے میری محبت کی تاریخ لکھ دو۔

اب اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر بندوں کی جان فدا کرنے کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو خدا ہم کو زندگی عطا کرسکتا ہے وہی خدا شہادت کا حکم دے کر ہماری زندگی کو اپنے اوپر فدا کرنے کا بھی حق رکھتا ہے۔ جو ہم کو عدم سے وجود میں لاتا ہے وہ اگر کہہ دے کہ اپنی زندگی کو مجھ پر فدا کردو تو اس میں تم کو کیا اِشکال ہے۔ جب ہم تم کو زندگی دینے پر قادر ہیں اور ہم تم کو زندگی عطا کرتے ہیں تو ہمیں تمہاری زندگی لینے کا حق حاصل ہے۔ جب ہم تم کو حیات دے سکتے ہیں تو تمہاری حیات اپنے اوپر فدا کرنے کا حکم بھی دے سکتے ہیں۔ ہماری عطائے حیات ہمارے ہی لیے فدائے حیات ہے۔ ہماری طرف سے عطائے حیات کے بعد فدائے حیات کا حکم ظلم نہیں ہے۔ ہمارا حق ہے کہ ہم تم کو زندگی دیں اور پھر حکم دے دیں کہ اپنی زندگی کو مجھ پر فدا کرو تاکہ مُنْعَمْ عَلَیْہِمْ کا یہ طبقۂ شہداء قیامت تک زندہ رہے۔ اگر شہادت کا باب بند ہوتا تو قرآن پاک کی اس آیت مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ[۲۸۵] میں شہداء کے مصادیق کہاں ملتے لہٰذا قیامت تک جہاد ہوتا رہے گا اور شہید ہوتے رہیں گے۔ جس نے زندگی دی ہے شہداء اسی پر اپنی زندگی فدا کرتے رہیں گے۔

آیت نمبر ۷۰

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَہُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾[۲۸۶]

ترجمہ: سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لیے خزانۂ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اللہ والوں کی ارواح کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو اتصال و قرب حاصل ہے وہ بے کیف اور بے قیاس ہے۔ یہاں تک کہ

۲۸۵؎ النساء: ۶۹

۲۸۶؎ السجدۃ: ۱۷

ایک ولی بھی دوسرے ولی کے قرب کی تفصیلاتِ کیف سے بے خبر ہوتا ہے، اجمالاً علم ہوتا ہے کہ یہ صاحبِ نسبت ہے لیکن اس کی روح کو جو مقامِ قرب، جو کیفیتِ قرب اور جو لذتِ قرب حاصل ہے اس کا تفصیلی علم ایک دوسرے کو نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے، اس کا کوئی کفو اور ہمسر نہیں۔ پس جس دل میں اللہ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہوتا ہے وہ دل گویا حامل ذاتِ بے مثل ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایک بے مثل شان عطا فرماتے ہیں جس میں وہ منفرد ہوتا ہے، ہر بندہ میں ایک شانِ تفرد اللہ تعالیٰ کی توحید کی علامت ہے۔ اس لیے ہر ولی کو ایک بے مثل لذّتِ قرب عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَہُمۡ مِّنۡ قُرَّۃِ اَعۡیُنٍ آیت اگرچہ جنّت کے لیے ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک اہلِ جنّت کو پوشیدہ طور پر دیں گے لیکن جو شخص جنّت کے راستہ پر چلتا ہے جنّت کی ٹھنڈک کا اثر دنیا ہی میں محسوس ہونے لگتا ہے۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے یہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کر کے بہارِ جنّت پہنچ رہی ہے

جیسے کوئی دریا کی طرف جا رہا ہے تو ہر قدم پر اس کو پانی کی ٹھنڈک ہواؤں میں محسوس ہونے لگتی ہے لہٰذا یہ تفسیر نہیں لطائفِ قرآن میں سے ہے کہ یہاں نکرہ تحت النفی واقع ہے جو فائدہ عموم کا دیتا ہے یعنی کوئی ایک نفس بھی نہیں جانتا کہ اللہ کے راستے میں جو آنکھوں کی ٹھنڈک، جو اطمینان اور جو لذتِ قرب اس کو عطا ہوتی ہے، ایک ولی بھی دوسرے ولی کے قرب واتصال مع الحق کی ماہیت اور حقیقت اور تفصیلی کیفیت سے واقف نہیں ہوتا کیوں کہ ہر ایک قلب کو ایک بے مثل اور منفرد لذت عطا ہوتی ہے۔ نکرہ تحت النفی سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے۔

یہ تو ارواح کا معاملہ ہے جس کی لذت کو کوئی کیا بیان کرے گا جب کہ اجسام بھی ایسی لذت چکھتے ہیں جس کو الفاظ ولغت کے دائرہ میں نہیں لایا جاسکتا ہے، اس کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، زبان اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے مثلاً ایک شخص شامی کباب کھا رہا ہے اور جھوم رہا ہے کہ آہا! بہت لذیذ کباب ہے اب اگر کوئی اس سے کہے کہ بھائی! ذرا بتاؤ تو کہ اس کا کیا مزہ ہے؟ تو وہ کہے گا کہ بیان نہیں کر سکتا ذرا چکھ کے دیکھ لو، جب چکھو گے تب ہی سمجھو گے۔ اسی طرح بیاہ کی لذت ہے۔

تو جب مدرکاتِ اجسامیہ کا یہ عالم ہے کہ ان کو الفاظ میں تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو پھر مدرکاتِ روحانیہ کا کیا عالم ہو گا، ان کا بدرجۂ اولیٰ الفاظ ولغت کے احاطہ میں لانا محال ہے یعنی جب جسمانی لذتوں کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور الفاظ ولغت سے ان کو تعبیر نہیں کیا جاسکتا تو روحانی لذتوں کو کیسے بیان کیا جاسکتا ہے۔ پس اللہ والوں

کو جو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہے اس کو حضرت خواجہ صاحب نے یوں فرمایا ہے۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے
باتیں تو ہیں ہر دم مگر آواز نہیں ہے

اور یہ قرب گناہوں سے بچنے کا غم اُٹھانے سے، اپنی حرام آرزوؤں کا خون کرنے سے نصیب ہوتا ہے اور اتنا عظیم قرب نصیب ہوتا ہے کہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی ارواح کو اللہ تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہے اس کو وہم و قیاس میں نہیں لایا جاسکتا۔

خاصانِ خدا، خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اللہ کے خاص بندے خدا نہیں ہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔ اللہ والوں کو خدا سمجھنا کفر ہے لیکن ان کو خدا سے دور سمجھنا بھی غلو اور بے عقلی ہے۔ اہل اللہ کو ہرگز خدا نہ سمجھو ورنہ کافر ہو جاؤ گے لیکن ان کو خدا سے دور بھی نہ سمجھو۔ مولانا رومی نے اس کو عجیب مثال سے سمجھایا ہے کہ دیکھو آفتاب آسمان پر ہے اور اس کی شعاع اور دھوپ زمین پر ہے۔ دھوپ سورج نہیں ہے لیکن سورج سے الگ بھی نہیں ہے۔

شرح آیتِ بالا بعنوانِ دِگر

جب اللہ اپنے اولیاء کا پیار لیتے ہیں تو اپنا پیار ان کے دلوں کو بہت چھپا کر دیتے ہیں کہ کسی نفس کو پتا نہیں چلتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کو عطا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک ولی کے پیار کی لذت کو دوسرا ولی بھی نہیں جانتا۔ اپنے پیاروں کو اپنے پیاروں کی نظر سے بھی چھپا کر وہ دل میں پیار لیتا ہے جس کو ہر ولی سمجھتا ہے، ہر مستغفر سمجھتا ہے اور ہر تائب سمجھتا ہے۔ اس آیت کے لطیفہ خاص کے مفہوم کی مثال میرے رب نے مجھے عجیب و غریب عطا فرمائی اور یہ تفسیر نہیں ہے لطائفِ قرآن سے ہے کہ جب ماں اپنے بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو دودھ کی شیشی میں کپڑا لپیٹ دیتی ہے اور اگر کئی بچے ہیں تو ہر ایک کی شیشی پر الگ الگ کپڑا لپیٹ دیتی ہے تاکہ کہیں میرے ہی بچوں کی نظر میرے بچوں کو نہ لگ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیار اور قرب کی لذت اپنے اولیاء کو اپنے اولیاء سے چھپا کر دیتا ہے اور ماں اپنے بچوں کو جو دودھ دیتی ہے اس کی تو ایک ہی لذت ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو الگ الگ لذتِ قرب دیتے ہیں کہ ایک ولی کو دوسرے ولی کی لذتِ کیف کا تفصیلی علم نہیں ہوتا، اجمالی طور پر تو علم ہو سکتا ہے مگر اللہ کی دوستی اور قرب اور پیار کے تفصیلی مزے کو دوسرا ولی بھی

نہیں جانتا، ہر ایک ولی کو ایک منفرد مزہ، ایک بے مثل لذت حاصل ہوتی ہے۔

آیت نمبر ۷۱

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ [۲۸۷]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

میرے علم کے دائرہ میں نہیں ہے کہ اور کسی نبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو کہ اللہ رحمت نازل کرتا ہے اس نبی پر مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اس کا عاشقانہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی سے پیار کرتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی میرے نبی سے پیار کرو۔ اور فرمایا کہ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کا ترجمہ حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی نے یوں فرمایا کہ پیار کرے اللہ محمد صاحب کا اور سلامت رکھے ان کو۔

آیت نمبر ۷۲

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ ؕ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ ۙ

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ [۲۸۸]

۲۸۷؎ الاحزاب:۵۶

۲۸۸؎ الاحزاب:۷۰،۷۱

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کرو، اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو یعنی کسی معاملہ میں تم سے ایسے کام نہ ہوجائیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوجائیں۔ ہر امر میں تقویٰ کے راستے کو اختیار کرو، اطاعت کے راستے کو اختیار کرو **وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا** اور جب بات کرنا ہو تو راستی کی بات کہو، درستی کی بات کرو۔ ایسی گفتگو کرو جس سے میل محبت قائم ہو، تعلقات خوشگوار رہیں، زبان سے وہ بات نکالو جس میں اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔ لڑائی جھگڑے کی باتوں کے قریب بھی مت جاؤ۔ نکاح کے خطبہ میں اسی لیے یہ آیتیں پڑھی جاتی ہیں تاکہ ایسی تو تو میں میں مت کرو کہ زبان سے طلاق طلاقہ نکل جائے۔ **يُصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ** تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔ اس مقام پر تمام تفاسیر میں **يُصۡلِحۡ** کا ترجمہ **يَتَقَبَّلُ** کیا گیا ہے۔ تفسیر روح المعانی، تفسیر خازن، حکیم الامت مجدد الملت تفسیر بیان القرآن میں اور جملہ مفسرین لکھتے ہیں کہ **يُصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ** کے معنیٰ **يَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِكُمۡ** ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمالیں گے۔

کیوں صاحب! **يُصۡلِحۡ لَكُمۡ اَعۡمَالَكُمۡ** کا ترجمہ عربی لغت کے لحاظ سے کیا ہے؟ لغوی ترجمہ تو یہ ہے کہ اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کردے گا، لیکن یہ ترجمہ غلط ہوگیا۔ اسی لیے لغت سے قرآن پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں ہے۔ جو ظالم اور جو جاہل یہ کہتا ہے کہ کالج کا ہر پروفیسر ڈکشنری اور لغت کی مدد سے تفسیر کرسکتا ہے اس سے بڑھ کر اجہل، جاہل کا بھی پیر اور اُستاد کوئی دنیا میں نہیں ہوسکتا کیوں کہ جو ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہی صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سکھایا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں یعنی صحابہ کو سکھایا۔ اس لیے صحابہ سے پوچھنا پڑے گا کہ انہوں نے قرآن کی آیات کے کیا معنیٰ بیان کیے اور وہی ترجمہ کرنا پڑے گا جو صحابہ سے منقول ہے۔ لہٰذا لغت سے ترجمہ کرکے پروفیسروں اور ڈاکٹروں کو جو مفسر بننے کا شوق ہے یہ نہایت نامعقول نظریہ ہے اور ان کے ذمہ اس نظریہ کی اصلاح واجب ہے۔ چناں چہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو رئیس المفسرین ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں **يُصۡلِحۡ لَكُمۡ** کی تفسیر فرماتے ہیں **اَیۡ يَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِكُمۡ** انہوں نے لغت سے ترجمہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ

تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا، بلکہ اس صحابی نے جو ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا وہی نقل کر دیا **یَتَقَبَّلُ حَسَنَاتِکُمْ** اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں کو قبول فرمالے گا۔

یہ ترجمہ کیوں کیا، اس کا سبب حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ میں بیان فرمایا **لِاَنَّ الْعَمَلَ اِذَا کَانَ صَالِحًا یَکُوْنُ مَقْبُوْلًا**[۲۸۹] جب تمہارا عمل صالح ہو جائے گا تو مقبول بھی ہو جائے گا۔ لہٰذا عمل کا صالح ہونا اس کے لیے لازم ہے قبولیت اور عملِ صالح کب ہو گا؟ جب اخلاص ہو گا، اللہ کی رضا کے لیے ہو گا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑا کرتا ہے یا کوئی عورت کرتی ہے اس کی نیکیوں کی قبولیت خطرہ میں ہے اور گفتگو میں راستی و درستی کا لحاظ رکھنے کا اور تقویٰ کا دوسرا انعام کیا ہے **وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ** اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا **وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا** اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو جائے گا۔

آیت نمبر ۳۷

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللہِ ۚ وَاللہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ[۲۹۰]

ترجمہ: اے لوگو! تم (بھی) خدا کے محتاج ہو اور اللہ (تو) بے نیاز (اور خود تمام) خوبیوں والا ہے۔

سارق کے قطعِ ید کی عجیب و غریب حکمت

بعض نادان کہتے ہیں کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا بہت بڑی ہے۔ اس کا عجیب راز اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی دعاؤں کے صدقہ میں میرے دل کو عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللہِ** اے سارے انسانو! تم اللہ کے فقیر ہو، دنیاوی فقیر تو عارضی ہوتا ہے کوئی اس کو دس کروڑ دے دے تو مال دار ہو جائے گا لیکن اللہ کا جو فقیر ہے مرتے دم تک فقیر ہے چاہے بادشاہ ہو یا غریب ہو، عالم ہو یا جاہل ہو کوئی بھی ہو۔ **اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ** جملہ اسمیہ ہے جو دلالت کرتا ہے دوام پر کہ تم ہمیشہ ہمارے فقیر

۲۸۹؎ بیان القرآن:۲/۶۸، الاحزاب (۷۱)، ایچ ایم سعید

۲۹۰؎ فاطر:۱۵

رہو گے، کسی وقت تم ہماری محتاجی اور دائرۂ فقر سے نکل نہیں سکتے۔ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ تم ہمارے فقیر ہو اور فقیر کا کام مانگنا ہے لہٰذا ہمیشہ ہم سے مانگتے رہو اور مانگنے کے لیے پیالہ چاہیے چوں کہ تم دائمی فقیر ہو اس لیے ہم تم کو دائمی پیالہ دے رہے ہیں تا کہ رات کو اُٹھ کر تمہیں الماری میں پیالہ تلاش نہ کرنا پڑے۔ اگر رات کے بارہ بجے بھی تمہیں کوئی حاجت ہو تو اُٹھو، دونوں ہاتھوں کو ملاؤ اور پیالہ بن گیا اب ہم سے مانگو، یہ سرکاری پیالہ ہے، میں نے تمہیں یہ سرکاری پیالہ دیا تھا تم نے اس سے چوری کیوں کی، مجھ سے کیوں نہیں مانگا، اس سرکاری پیالہ میں تم نے حرام مال کیوں رکھا، تم سرکار کی توہین کرتے ہو، سرکار کی عزت کے خلاف کام کرتے ہو، تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں سرکاری پیالہ دیا جائے لہٰذا پیالہ واپس کرو، تمہاری سزا یہ ہے کہ سرکاری پیالہ اب تم سے واپس لے لیا جائے لہٰذا کٹوایا نہیں جاتا واپس لیا جاتا ہے۔ عنوان ہے کٹوانے کا۔ فَاقۡطَعُوۡۤا کا حاصل یہ ہے کہ سرکاری پیالہ واپس کرو تم اس کے اہل نہیں ہو۔

آیت نمبر ۴۷

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا[۲۹۱]

ترجمہ: خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

علم اور خشیت لازم و ملزوم ہیں

جس طرح آگ کے لیے حرارت اور برف کے لیے برودت لازم ہے اسی طرح علمِ صحیح کے لیے خشیت لازم ہے۔ اگر خشیت نہ ہو تو علمِ صحیح اس کو نہ کہا جائے گا کہ انتفا لازم انتفا ملزوم کو مستلزم ہے اور یہ لزوم منصوص ہے۔ لِقَوۡلِهٖ تَعَالٰى شَانُهٗ:

اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا

اور لِقَوۡلِهٖ عَلَيۡهِ السَّلَامُ:

وَاللّٰهِ اِنِّيۡ لَاَعۡلَمُكُمۡ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاَخۡشٰكُمۡ لَهٗ[۲۹۲]

۲۹۱؎ الفاطر: ۲۸

۲۹۲؎ مسند احمد: ۳۹۶/۴۱

اور خشیت کے لیے عمل لازم ہے پس علم کا لازمِ اوّل تو خشیت ہے جو صرف باطن سے تعلق رکھتا ہے لیکن عمل جو علم کا لازمِ ثانی ہے وہ علم کے لازمِ اوّل یعنی خشیت کے لیے دلیل ہوتا ہے پس صحیح علم کے لیے خشیت اور خشیت کے لیے عمل لازم ہے۔ اور جو اہلِ علم ان دونوں لازموں سے کورے ہوں وہ عند اللہ اہلِ علم نہیں ہیں۔ انہیں اپنے کو عالم سمجھنا محض ایک دھوکہ ہے۔

جانِ جملہ علمہا این است و ایں
کہ بدانی من کیئم در یوم دیں

تمام علوم کی جان یہ ہے کہ تجھ کو یہ خشیت حاصل ہو جائے کہ قیامت کے دن ہمارا کیا حال ہوگا جن کو یہ حاصل نہیں تو ایسے ہی لوگ مَنْ یَّتَفَقَّهْ وَلَمْ یَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ کے مصداق ہیں یعنی جن لوگوں نے علم حاصل کیا لیکن تصوف و خشیت حاصل نہ کی وہ خشک یعنی بے عمل رہے۔ ایسے حضرات کے لیے ضروری ہے کہ کسی ایسے اہلِ علم کی صحبت میں بیٹھیں جس کا علم اپنے لازمِ باطن یعنی خشیت اور لازمِ ظاہر یعنی عمل دونوں لازموں سے آراستہ ہو۔

آیت نمبر ۷۵

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾ [۲۹۳]

ترجمہ: اور (ایک نشانی) آفتاب (ہے کہ وہ) اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس خدا) کا جو زبردست، علم والا ہے۔ اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں۔ یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

۲۹۳؎ یٰس ۶۳۳: ۳۸-۴۰

عَزِیۡزٌ اور عَلِیۡمٌ کا ربط

اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اُس اللہ کا جو زبردست طاقت والا اور علم والا ہے اور چاند کے لیے منزلیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پُرانی ٹہنی۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے آفتاب اور ماہتاب کے چلنے کے لیے الگ الگ روٹ مقرر کر دیئے ہیں۔ سورج اُسی روٹ پر چلتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مستقر کر دیا چناں چہ نکلتا کہیں ہے ڈوبتا کہیں ہے، یہاں طلوع ہو رہا ہے امریکا میں غروب ہو رہا ہے اور یہ وہی کر سکتا ہے جو زبردست طاقت والا ہو کہ اپنے انتظامات کو نافذ کر سکے اور زبردست علم والا بھی ہو جو اِن انتظامات کی حکمت اور مصلحت جانتا ہو اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی دو صفت عزیز اور علیم نازل فرمائی کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنی زبردست طاقت سے سورج اور چاند کو اپنے اپنے مستقر پر ڈال دیا ہے اور وہ اُس کی حکمت و مصلحت بھی جانتا ہے کہ مثلاً چاند اور سورج اور دیگر سیارات کتنے فاصلوں پر رہیں کہ آپس میں نہ ٹکرائیں۔ یا مثلاً بقول سائنس دانوں کے سورج ساڑھے نو کروڑ میل پر ہے، اگر اِس سے اور قریب آجائے تو کھیتوں کا غلہ بھی جل جائے اور انسان بھی جل جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا زبردست علم ہے جس سے سورج کو اتنے فاصلے پر رکھا کہ فوائد حاصل ہو جائیں اور نقصانات نہ پہنچیں یعنی غلہ پک جائے اور جلے نہیں اور انسانوں کو بقدرِ ضرورت روشنی اور گرمی حاصل ہو۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور زبردست علم کا بیان ہے کہ نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے یعنی قبل از وقت خود طلوع ہو کر چاند کو اور اس کے وقت یعنی رات کو محو کر دے جیسا کہ چاند بھی سورج کو اُس کے ظہورِ نور کے وقت نہیں پکڑ سکتا کہ رات آجائے اور چاند کا نور ظاہر ہو جائے اور اسی طرح نہ رات دن کے زمانۂ مقررہ کے ختم ہونے سے پہلے آسکتی ہے جیسے دن بھی رات کے زمانۂ مقررہ کے ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتا اور چاند اور سورج دونوں ایک ایک دائرہ میں حساب سے اس طرح چل رہے ہیں جیسے گویا تیر رہے ہیں اور حساب سے باہر نہیں ہو سکتے کہ رات دن کے حساب میں خلل واقع ہو سکے۔ ان تمام انتظامات کی مصلحت اور حکمت جاننے کے لیے زبردست علم اور اُن کے نفاذ کے لیے زبردست قدرت کی ضرورت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے دو اسمائے حسنیٰ عَزِیۡزٌ اور عَلِیۡمٌ نازل فرمائے کہ میں اپنے زبردست علم سے تمام انتظامِ فلکیات و ارضیات کی حکمت و مصلحت جانتا ہوں اور اپنی قدرتِ عظیمہ سے ان کو نافذ کرتا ہوں۔

آیت نمبر ۷۶

وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۵۹﴾ [۲۹۴]

ترجمہ: اے مجرمو! آج (اہلِ ایمان سے) الگ ہو جاؤ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رات یہ آیت پڑھتے رہے اور روتے رہے وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں تو تم سب لوگ ملے جلے رہے مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں اور غیر مجرم علیحدہ، اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جائے کم ہے کہ نہ معلوم اپنا شمار مجرموں میں ہو گا یا فرماں برداروں میں۔

آیت نمبر ۷۷

اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۷﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَهِیَ رَمِیۡمٌ ﴿۷۸﴾ قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمٌ ﴿۷۹﴾ [۲۹۵]

ترجمہ: کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا سو وہ اعلانیہ اعتراض کرنے لگا اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ہڈیوں کو (بالخصوص) جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب دے دیجیے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے اوّل بار میں ان کو پیدا کیا ہے اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

---

[۲۹۴] یٰس: ۵۹

[۲۹۵] یٰس: ۷۷-۷۹

وقوعِ قیامت کے عجیب وغریب دلائل

تو میں نے جس آیت کو پیش کیا ہے اس سے میں وجوبِ قیامت پر دلائل پیش کرتا ہوں جو میں نے اپنے شیخِ اوّل حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے سائنس دان اور کفار ومشرکین بھی اس وقت بیٹھے ہوتے تو قیامت کے وقوع کو تسلیم کرکے اُٹھتے۔

ایک مشرک اور کافر شخص جس کا نام عاص ابن وائل تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوا اور ایک پرانی ہڈی کو ہاتھ سے مل کر ہواؤں میں اُڑادیا۔ پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چیلنج کیا کہ کیا اس بوسیدہ ہڈی کو جس کو میں نے مل کر فضاؤں میں اُڑادیا ہے کیا آپ کا خدا زندہ کردے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب سکھایا۔ پیغمبروں کا استاد اللہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اے نبی! اس ظالم کو بتادیجیے قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وہ اللہ اسے زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا ہے یعنی پہلی تخلیق کے وقت ان ہڈیوں کا وجود ہی نہ تھا اور زندگی سے کوئی تعلق ہی نہ تھا اور اب تو ایک بار پیدا ہونے کے بعد حیات سے ایک قسم کا تعلق پیدا ہوچکا ہے تو دوبارہ ان کو جمع کرکے ان میں حیات پیدا کرنا اللہ کے لیے کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ماضی، حال اور استقبال کو خوب جانتا ہے۔ جہاں جہاں وہ بکھر جائے گا، منتشر ہوجائے گا خدا کے علم سے دور نہیں ہوسکتا۔ اب اس پر میرے شیخ کی تقریر سنیے۔ شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ یہ تخلیقِ اوّل کی شرح ہورہی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کافر کے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، یہ اللہ کا جواب ہے جس میں کوزہ میں سمندر بھرا ہوا ہے۔ انسان کس سے پیدا ہوتا ہے؟ منی سے! اور منی خون سے بنتی ہے اور خون غذاؤں سے بنتا ہے اور غذائیں سارے عالم میں منتشر ہیں۔ تو اوّل مرتبہ جب اللہ نے پیدا کیا تو انسان سارے عالم میں بکھرا ہوا تھا۔ اگر کسی انسان کا جز مدینہ شریف کی عجوہ کھجوروں میں ہے تو اس کا باپ حج کرنے جائے گا تو وہی کھجور کھائے گا جس میں علمِ الٰہی میں اس کا ذرّہ رکھا ہوا ہے۔ اگر اس کے باپ کے خون کا کوئی ذرّہ کوئٹہ کی بکریوں میں ہے اور کوئٹہ کے پہاڑوں کی گھاس میں ہے تو کوئٹہ کی بکریوں کو وہ گھاس کھلائی جائے گی جس میں اس بندہ کے تخلیقی ذرّات ہیں۔ پھر وہ بکریاں کراچی یا حیدرآباد وغیرہ پہنچیں گی یا ان کا گوشت پہنچے گا اور اس گھاس اور تنکوں میں پوشیدہ اس بندہ کے تخلیقی ذرّات بکریوں کے ذریعہ اس کے باپ کے خون میں داخل ہوں گے جس سے وہ قطرۂ منی بنے گا جس سے اس بندہ کو پیدا کرنا ہے۔ اگر اس انسان کے تخلیقی

ذرّات قندھار کے اناروں میں چھپے ہوئے ہیں تو قندھار کے انار پاکستان امپورٹ (import) ہو کر آئیں گے اور اس کا باپ وہ انار کھائے گا۔ اگر اس انسان کا کوئی جز آسٹریلیا کے گندم میں ہے تو پاکستان مجبور ہو گا کہ اس گندم کو منگا کر اس کے ماں باپ تک پہنچائے۔ اگر وہ تخلیقی اجزاء ملک شام کے سیبوں میں ہیں تو وہ سیب اس تک پہنچائے جائیں گے مثلاً اس کے باپ کو حج نصیب ہو گا اور شام کا سیب مکہ شریف میں کھائے گا یا پھر وہ سیب اس کے ہی ملک میں پہنچایا جائے گا۔ اگر لیبیا (libya) کے کیلوں میں ہے تو لیبیا سے وہ کیلا اس کے ملک میں آئے گا اور اس کا باپ وہ کیلا کھائے گا جس کے ذریعہ اس کا وہ ذرّۂ پیدائش جو اس کیلے میں تھا اس کے جسم میں چلا جائے گا اور خون بن جائے گا اور جہلم سے جاری ہونے والا دریائے سندھ جہاں جہاں سے گزرتا ہے، جن جن معدنیات، جن جن کانوں، جن جن پہاڑوں سے گزرتا ہے ان میں اگر اس کا کوئی ذرّہ ہے تو دریائے سندھ کے پانی کے ذریعہ وہ ذرّہ اس کے جسم میں داخل ہو جائے گا اور جب اس کا ابا سارے عالم میں بکھری ہوئی ان منتشر غذاؤں کو اور پانی کو کھا پی لے گا جس میں اس بندہ کے ذرّات تخلیق تھے تو اس طرح اللہ تعالیٰ اس کی پیدائش کے اجزا کو خون میں جمع کر دے گا، پھر خون سے منی میں منتقل کرے گا، پھر منی کے اس قطرہ میں منتقل کرے گا جس سے اس کا نطفہ منجمد ہو گا، پھر جا کر وہ انسان بنے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں بتادیا کہ اے قیامت کا انکار کرنے والے ظالم انسان! تو سارے عالم میں منتشر تھا، تو لیبیا کے کیلوں میں تھا، شام کے سیبوں میں تھا، قندھار کے اناروں میں تھا، آسٹریلیا کے گندم میں تھا اور کوئٹہ کے پہاڑوں کی بکریوں میں تھا ہم نے سارے عالم سے کس کس طرح ان غذاؤں کو تیرے باپ تک پہنچایا، جن کو کھا کر تیرے باپ کے اندر ہم نے خون بنایا پھر خون سے منی بنائی اور منی سے وہ قطرہ الگ کیا جس سے تجھ کو پیدا کرنا تھا۔ آہ! اَوَلَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب سکھایا کہ اس نالائق کو آپ جواب دیجیے جو قیامت کا انکار کرتا ہے کہ تو سارے عالم میں منتشر تھا ہم نے تجھ کو جمع کر کے پہلی دفعہ پیدا کیا اور جب تجھے ایک دفعہ جمع کر دیا تو دوبارہ جمع کرنا کیا مشکل ہے؟ جب سارے عالم میں منتشر تیرے اجزاء کو جمع کر کے تیرے باپ کے نطفہ میں ایک بار جمع کر دیا تو دوبارہ جمع کرنے پر ایمان لانے میں تجھے کیا مشکل ہے؟

قیامت آنے کا سبب

دیکھو دوستو! قیامت اس وقت آئے گی جب اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں ہو گا تب اللہ تعالیٰ سورج و چاند کو گرا دیں گے، آسمان و زمین کو گرا دیں گے کہ جب دنیا میں ہمارے نہ رہے تو یہ شامیانے کس کے لیے باقی رکھے جائیں؟ دیکھا آپ نے! یہ قیامت کی خاص دلیل ہے کہ جب دنیا میں ہمارے نہ رہے تو سورج چاند اور

ستاروں کے رنگین شامیانے امریکا، جاپان اور جرمنی کے کافروں کے لیے نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ سے غفلت اور اللہ اللہ کرنے والوں کے عدم وجود سے قیامت آئے گی۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا نامِ پاک سارے عالم کی جان ہے، جانِ کائنات ہے، جان نہ رہے تو انسان مردہ ہو کر گر جاتا ہے۔ بس اسی طرح جس دن پورے عالم میں کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ ہوگا پورا عالم گر جائے گا۔ بعض نادان مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہم امریکا کا دیا کھا رہے ہیں حالاں کہ امریکا ہماری برکت سے کھا رہا ہے، مسلمانوں کے صدقے میں کھا رہا ہے، جب مسلمان نہ رہیں گے تو دیکھوں گا کہ امریکا کیسے قائم رہتا ہے اور جرمن جاپان کیسے رہتے ہیں اور ہالینڈ، تھائی لینڈ، پولینڈ، انگلینڈ وغیرہ جتنے لینڈ ہیں ان کے لینڈ کیسے رہتے ہیں۔

اجتماعی قیامت اور انفرادی قیامت

تو دوستو! اجتماعی قیامت تو یہ ہے کہ جب پورے عالم میں کوئی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا نہ ہوگا تو اجتماعی قیامت آجائے گی لیکن ایک انفرادی قیامت بھی ہے کہ جس مؤمن کا دل گناہوں کا عادی ہو کر اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے گا اس کے دل کے آسمان گر جائیں گے، اس کے دل کی زمین گر جائے گی، اس کے دل کے سورج اور چاند گر جائیں گے، اس کے دل کے ستارے گر جائیں گے، اس کا دل قیامت زدہ ہو جائے گا یہ اس کی انفرادی قیامت ہے۔ اس لیے دوستو! کہتا ہوں کہ زندگی کا ایک سانس بھی مالک کی ناراضگی کے لیے استعمال نہیں کرو۔

آیت نمبر ۷۸

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾[۲۹۶]

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے اے میرے بندوں! جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں! تم خدا کی رحمت سے نااُمید مت ہو، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرما دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔

---

[۲۹۶] الزمر: ۵۳

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کی عجیب تقریر

اے نبی! آپ کہہ دیجیے، اللہ تعالیٰ نبی رحمت سے کہلا رہے ہیں، کلام اللہ تعالیٰ کا ہے مگر بواسطۂ نبوت ہے کہ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اے میرے بندوں! جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کرلیا! دیکھیے! کیا شان ہے کہ مسرفین عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ کو بھی یاء نسبتی لگا کر اپنا فرمارہے ہیں گویا اپنی ذاتِ پاک سے لگارہے ہیں، گناہ گار بندوں کو بھی میرا فرمارہے ہیں، باوجود گناہوں کے ان کو اپنے سے جدا نہیں فرمایا، اپنی نسبت قائم رکھی، اپنی بندگی سے نہیں نکالا، قُلْ یٰعِبَادِیَ اے نبیٔ رحمت! میں اپنی رحمت کا اعلان تو کر رہاہوں، مگر کس کے واسطہ سے؟ جو خود سراپا رحمت ہیں، مجسم رحمۃ للعالمین سے اللہ تعالیٰ کہلا رہے ہیں کہ نبیٔ رحمت! آپ میرے بندوں سے فرمادیجیے کہ میں ارحم الراحمین ہوں اور آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ میں اپنی رحمت کو نبیٔ رحمت کے واسطے سے بیان کررہاہوں تاکہ میرے بندوں کو دوگنا مزہ آئے گا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہنے سے وہ میری رحمت کے اور زیادہ امیدوار ہوجائیں گے، میری رحمت اور نبی کی رحمت دو رحمتوں سے مل کر شرابِ محبت، شرابِ رحمت اور تیز ہوجائے گی۔

نشہ بڑھتا ہے شرابیں جو شرابوں میں ملیں
مئے مرشد کو مئے حق میں ملا لینے دو

اللہ تعالیٰ کی محبت کی شراب اور مرشد کی محبت کی شراب جب دونوں مل جاتی ہیں تو نشہ تیز ہوجاتا ہے۔ اصلی مرشد تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے عالم کے لیے نبی بنایا ہے وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ آپ تو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں، سارے عالم کے لیے نبی ہیں، تو ارحم الراحمین بواسطہ رحمۃ للعالمین اپنی رحمت کا اعلان فرمارہے ہیں کیوں کہ میں تو غیبوبت میں ہوں، ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں، میرے آثار و نشانات سے بندے مجھے پہچانتے ہیں لیکن میرا نبی تو ان کی آنکھوں کے سامنے ہے، ان کی رحمت و شفقت کو تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں تو رحمۃ للعالمین کی رحمت کو دیکھ کر ان کو ارحم الراحمین کی رحمت کا یقین آئے گا اس لیے اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجیے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ، اے میرے گناہ گار بندو! آہ! کیا رحمت ہے کہ گناہ گار بھی فرمارہے ہیں اور میرے بھی فرمارہے ہیں، یاء نسبتی لگا کر اللہ تعالیٰ نے مزہ بڑھادیا کہ اگرچہ یہ نالائق ہیں مگر میرے ہیں، تو یاء کیوں لگایا یعنی میرے کیوں فرمایا؟ مارے میاّ کے، مارے محبت کے کیوں کہ جب باپ کہے کہ میرے بیٹے تو سمجھ لو کہ اس

وقت محبت کا دریا جوش میں ہے۔ اگر صرف بیٹا کہے تو اس وقت محبت میں جوش نہیں لیکن جب کہے میرے بیٹے! میرے بیٹے! تو یہ جوشِ محبت کی علامت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے بھی **یا عباد** نہیں فرمایا کہ اے بندو! بلکہ **یٰعِبَادِیَ** فرمایا کہ اے میرے بندو! یعنی جو ناامید ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے امیدوار کررہے ہیں، نافرمانوں کو، گناہ گاروں کو، سرکشوں کو، مجرمین کو، نالائقوں کو، امیدِ رحمت دلا رہے ہیں، عبادی فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں لے رہے ہیں تاکہ میری رحمت کا ان کو آسرا، سہارا اور اطمینان ہو جائے۔ آہ! **یٰعِبَادِیْ** میں کیا کرم ہے، کیا شفقت ہے، کیا رحمت ہے۔ ہمارے گناہوں کی وجہ سے یہ نہیں فرمایا کہ تم میرے بندے نہیں ہو، ماں باپ بھی اپنی نالائق اولاد کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارے نہیں ہیں مگر اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں، ان کی محبت کے آگے ماں باپ کی محبت کیا حقیقت رکھتی ہے؟ وہ فرمارہے ہیں کہ چاہے تم کتنے ہی گناہ گار ہو چاہے تم ایک ہزار، ایک لاکھ، ایک کروڑ، دس کروڑ، ایک ارب گناہ کرلو یعنی بے شمار گناہ کرلو مگر میرے ہی رہو گے، میرے دائرۂ عبدیت سے خارج نہیں ہوسکتے، جب تم گناہ کرتے ہو اس وقت بھی میرے رہتے ہو، میری محبت و رحمت سے اس وقت بھی خارج نہیں ہوتے، پس اے میرے بندوں! جنہوں نے گناہ کر لیے! چاہے بڑے گناہ ہوں یا چھوٹے گناہ سب اسراف میں داخل ہیں کیوں کہ اسراف کے معنیٰ ہیں **وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ** کسی شئ کو غیر محل میں رکھ دو تو یہ اسراف ہے تو جو بھی حرام کام ہوگئے گناہ کبیرہ یا صغیرہ ہوگئے، جو بھی نالائقیاں ہو گئیں تو اے میرے بندو! جب تم میرے ہو تو کیوں ناامید ہوتے ہو؟ میں ارحم الراحمین بواسطہ رحمۃ للعالمین اعلان کررہاہوں کہ **لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللہِ** میری رحمت سے ناامید مت ہونا تاکہ مایوسی میرے گناہ گار بندوں کو کہیں مجھ سے دور نہ کر دے اور مایوسی کو کس جملہ سے دور فرمایا؟ جملۂ اسمیہ سے **اِنَّ اللہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا**، **اِنَّ** بھی تاکید کے لیے، **اَلذُّنُوْبَ** کا الف لام بھی استغراق کا جس میں کفر و شرک، کبائر و صغائر تمام گناہ آگئے اور جملہ بھی اسمیہ جو ثبوت و دوام کو متقاضی ہے یعنی ماضی، حال و مستقبل کسی زمانے میں بھی تم سے گناہ ہوجائے ہماری یہ صفت **عَلٰی سَبِیْلِ الْاِسْتِمْرَارِ** تم پر کرم فرما ہے۔ اس کے بعد **جَمِیْعًا** سے مزید تاکید فرمادی۔ اگرچہ الف لام استغراق کا سب گناہوں کو سمیٹے ہوئے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری تسلی کے لیے **جَمِیْعًا** نازل فرمایا یعنی گناہ کے جتنے انواع و افراد و اقسام ہیں سب کے سب معاف کردوں گا، کوئی گناہ نہیں بچے گا جسے میں معاف نہ کردوں۔ اتنی تاکیدوں سے گناہ گاروں کو اپنے قریب فرمارہے ہیں، مایوسی سے بچارہے ہیں، رحمت سے امیدوار فرمارہے ہیں۔ آہ! کیا شانِ رحمت ہے ؎

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتادے
لا مجھ کو دِکھا اُن کی طرح کوئی اگر ہے

آگے فرمایا اِنَّہٗ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ یہ بخشش کون کر رہا ہے؟ تمہاری مغفرت کیوں کر رہا ہے؟ میری رحمت ہی کافی تھی لیکن تمہاری مغفرت کا نبی رحمت سے اعلان کیوں کرا رہا ہوں؟ تمہارے اطمینان کے لیے! کیوں کہ میں تو ابھی عالمِ غیب میں ہوں، پوشیدہ ہوں، تمہارے سامنے نہیں ہوں مگر میرا نبی تو تمہارے درمیان موجود ہے، تمہاری آنکھوں کے سامنے عالمِ شہادت میں ہے، عالمِ حضوری میں تم میرے نبیٔ رحمت کو دیکھ رہے ہو کہ وہ سراپا رحمت ہیں اور تم پر کتنے مہربان اور شفیق ہیں اس لیے ان کے واسطے سے کہلا رہا ہوں تاکہ رحمۃ للعالمین کی رحمت سے تم کو ارحم الراحمین کی بے پایاں اور غیر محدود رحمت کی معرفت ہوگی اور میری رحمت کو تم چشمِ بصیرت سے دیکھو گے اور قلب وجاں میں محسوس کروگے۔ اگرچہ میں پردۂ غیب میں ہوں لیکن تمہارے ساتھ ہوں وَ ھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔ تم اکیلے نہیں رہتے ہو، ہم بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں چاہے جہاں بھی تم رہتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاللہُ یَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَکُمۡ وَ مَثۡوٰکُمۡ اے صحابہ! تمہارا بازاروں میں چلنا پھرنا اور اپنے گھروں میں سونا سب ہمارے علم میں ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا اے نبی! آپ تو میری نگاہوں میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے نہیں فرمایا کہ تم لوگ میری نگاہوں میں ہو مگر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت بیان کی کہ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا جملۂ اسمیہ سے فرمایا جو ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے اور اِنَّ بھی تحقیق کے لیے ہے۔ پس تحقیق کہ آپ میری نگاہوں میں ہیں اور اَعۡیُنِ جمع کا صیغہ ہے اور جمع عربی میں تین سے اوپر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے تو اس کی صفات بھی غیر محدود ہیں تو اس کا ترجمہ ہوا کہ پس اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ میری غیر محدود نگاہوں میں ہیں، اس آیت میں کیا محبت، کیا پیار، کیا رحمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی، کتنی کیفیت طاری ہوئی ہوگی، کتنا وجد آیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ میری نگاہوں میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنی صفات بیان فرما رہے ہیں اِنَّہٗ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ جانتے ہو کہ میں تمہاری مغفرت کیوں کر رہا ہوں؟ میری مغفرت کا غیر محدود سمندر کیوں ٹھاٹھیں مار رہا ہے کہ کفر و شرک، کبائر و صغائر تمہارے سب گناہ معاف کر دیتا ہوں؟ معلوم ہے تمہیں کیوں بخش دیتا ہوں؟ بوجہ رحمت کے تمہیں بخش دیتا ہوں۔ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سورۂ بروج میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ یعنی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کیوں معاف کر دیتے ہیں؟ مارے میّا کے، بوجہ محبت کے اور یہاں فرمایا اِنَّہٗ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ، اِنَّہٗ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ

بھی کافی تھا پھر هُوَ کیوں لگایا؟ جب کہ اِنَّهٗ میں هُوَ موجود ہے تو تاکید کے لیے لگا دیا۔ ارے وہ اللہ! تم اس کو نہیں جانتے؟ وہی اللہ جو بڑا اغفور الرحیم ہے، تم اس سے ناامید ہوتے ہو؟ وہ تو بہت بخشنے والا ہے اور بخشنے کی وجہ کیا ہے مارے رحمت کے، مارے محبت کے معاف کر دیتا ہے، غفور کے بعد رحیم نازل ہونے کی یہ حکمت ہے۔ جب رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو انسان بڑے بڑے جرائم، بڑی بڑی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے ماں باپ جلد معاف کر دیتے ہیں۔ اولاد بھی سمجھتی ہے کہ یہ میری اماں ہیں، یہ میرے ابا ہیں۔ اگر وہ کہہ دے اماں! معاف کر دیجیے، ابا! معاف کر دیجیے تو وہ جلدی سے معاف کر دیتے ہیں۔ پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمادیا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ معاف کرنے والا، بے انتہا بخشنے والا ہے، مغفرت کرنے والا ہے اور رحمت کی فراوانی کیوں ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ تحقیق وہ اللہ بڑا اغفور رحیم ہے۔ اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہونا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر میری رحمت سے ناامید ہوئے تو جہنم میں ڈال دوں گا۔ مجھ سے ناامید ہوئے تو کافر ہو جاؤ گے، خبر دار! ناامید نہ ہونا۔ کیا رحمت ہے کہ جہنم کا ڈنڈا دکھا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنا رہے ہیں جیسے باپ کہتا ہے کہ اگر دودھ نہیں پیو گے تو ڈنڈے لگاؤں گا۔ ڈنڈے لگانا باپ کا مقصود نہیں ہوتا بلکہ باپ دودھ پلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی جہنم سے ڈرا کر ناامیدی سے بچا رہے ہیں کہ میری رحمت کو کیا سمجھتے ہو؟ ناامید نہ ہو، اگر تمہارے گناہ بڑے بڑے ہیں تو اللہ ان سب سے بڑے ہیں۔

اس کے بعد حضرت والا نے نہایت شکستگی سے فرمایا کہ پیشی کے دن عرض کروں گا کہ رحمت کی امید لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اگر سوال ہوا کہ تم تو نالائق تھے؟ تو عرض کروں گا کہ آپ نے مُسْرِفِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ کے لیے فرمایا تھا: لَا تَقْنَطُوْا...الخ آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

فَاِنْ كَانَ لَا يَرْجُوْكَ اِلَّا مُحْسِنٌ
فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَدْعُوْ وَيَرْجُو الْمُجْرِمُ

ترجمہ: اگر صرف نیک بندے ہی آپ سے امید رکھ سکتے ہیں تو کون ہے وہ ذات جس کو گناہ گار پکاریں۔

نہ پوچھے سوا نیک کاروں کے گر تو
کدھر جائے بندہ گناہ گار تیرا

آیت نمبر ۷۹

یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَ مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ [۲۹۷]

ترجمہ: وہ (ایسا ہے کہ) آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان (باتوں) کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ بد نگاہی کرتے وقت یا دل میں گناہوں کے تصورات اور خیالات سے پوشیدہ لطف لیتے وقت یہ دھیان بھی ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہماری ان بیہودہ اور ذلیل حرکتوں سے آگاہ ہیں۔

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز
جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

اس استحضار اور دھیان سے ندامت و شرمندگی ہوگی اور فوراً توبہ و استغفار کی توفیق ہوگی پس یہ آیت دراصل خیانتِ عین اور خیانتِ صدر (آنکھ اور سینہ کی خیانت) سے حفاظت کا اکسیر نسخہ ہے مگر نسخہ جب ہی مفید ہوتا ہے جب اس کا استعمال بھی ہو پس اس مضمون کا مراقبہ اور دھیان دل میں بار بار جمانا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اور وہ ہماری بد نگاہی کی اس ذلیل حرکت سے آگاہ ہیں اور اسی طرح دل میں جو بے ہودہ شہوت کے خیالات سے اور حسینوں کے تصورات سے خیالی پلاؤ کا حرام لطف لیا جارہا ہے اس سے بھی حق تعالیٰ شانہٗ مطلع اور آگاہ ہیں۔ اور پھر حق تعالیٰ شانہٗ کے غضب اور قدرتِ قہر و انتقام کو سوچا جائے ان شاء اللہ! اس استحضار کی مشق سے اور ہمت و دعا سے دونوں خیانتوں کا ترک آسان ہوجاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف مراقبہ اور ذکر اور وظیفوں سے یہ بیماری نہیں جاتی، یہ چیزیں تو معین ہیں، اصل کام ہمت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں دُعا سے حاصل ہوتی ہیں۔

ایک طالب نے حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میں حسن سے بے حد متاثر ہوتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور مجھے حسینوں سے نگاہ بچانے کی طاقت نہیں۔

---

[۲۹۷] المؤمن: ۱۹

جواب ارشاد فرمایا کہ یہ فلسفہ کا قاعدۂ مسلمہ ہے کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے پس اگر حسینوں کو دیکھنے کی آپ کو طاقت ہے تو لا محالہ آپ کو نہ دیکھنے کی بھی طاقت حاصل ہے یعنی جس فعل کو آدمی کر سکتا ہے وہ اس فعل کو نہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ یہ عقلی مسلمات سے ہے۔

بالخصوص سالکین کو شیطان اکثر دو صورتوں سے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے یا تو بڑائی دل میں ڈال کر تکبر کی لعنت میں مبتلا کر کے خدا سے دور کر دیتا ہے یا پھر عورتوں یا لڑکوں کے عشق میں مبتلا کر کے تباہ کر دیتا ہے اور یہ ابتلاء بہت آہستہ رفتار سے کرتا ہے یعنی پہلے غیر محسوس طور پر کسی حسین کی آنکھوں یا تبسم یا کسی ادا سے متاثر کرتا ہے پھر آہستہ آہستہ اختلاط اور میل جول بڑھاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ صرف دل بہلانے میں کیا مضایقہ ہے گناہ نہ کریں گے لیکن جب زہرِ عشق آہستہ آہستہ دل پر چھا جاتا ہے پھر بقول حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہ جب کیچڑ زیادہ ہو جاتی ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتا ہے پھر بد عملی کا نمبر بھی آجاتا ہے۔

کبھی آدمی اپنی آنکھیں تو بچا لیتا ہے اور کئی روز تک آنکھیں محفوظ رکھتا ہے پھر شیطان یہ تدبیر اختیار کرتا ہے کہ اس کے پچھلے گناہوں کا لطف یاد دلاتا ہے اور سینے کی خیانت میں مبتلا کر دیتا ہے اور جب ماضی کے گناہوں کا تصور اور لطف اس کے دل کو خیانتِ صدر کے فعل حرام کی ظلمت سے خراب کر دیتا ہے تو دل کے خراب ہونے سے تمام اعضاء خراب ہو جاتے ہیں کیوں کہ دل بادشاہ ہے اور دوسرے تمام اعضاء اس کے تابع ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ انسان کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے، جب وہ صالح ہو جاتا ہے تمام اعضاء صالح ہو جاتے ہیں اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تمام اعضاء سے خراب اعمال صادر ہونے لگتے ہیں اور وہ قلب ہے۔ لہٰذا شیطان دل کے اندر گناہوں کے وَساوِس کے ذریعہ دل کو خراب کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے پھر جب دل شہوت سے مغلوب ہو جاتا ہے تو وہ اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے آنکھوں کو، کانوں کو اور ہاتھ پاؤں سب کو اپنے کام میں استعمال کرتا ہے پس گناہ کے تصور سے اگر دل نے لطف لے لیا تو اس کا بریک (break) فیل ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ دل اور آنکھوں کا آپس میں بڑا گہرا رابطہ ہے بلکہ دونوں کی بریک لائن ایک ہی ہے چناں چہ آنکھوں کے خراب ہونے سے دل خراب ہو جاتا ہے اور دل کے خراب ہو جانے سے آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں یعنی کبھی آنکھ گناہ میں پہل کرتی ہے پھر دل بھی اس حسین کا تصور کر کے حرام لذت لیتا ہے اسی طرح کبھی دل کسی حسین کو سوچ کر مزہ حرام لیتا ہے پھر آنکھیں اس کو تلاش کرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دل اور آنکھوں کی حفاظت میں دونوں ہی اہم ہیں، کسی ایک سے غافل ہوا تو دونوں ہی خرابی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر اپنے ارشاد يَعْلَمُ خَآئِنَةَ

اِلْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ میں آنکھوں کی خیانت اور سینے کی خیانت دونوں ہی پر خبر دار فرمایا ہے کہ دیکھو جب تم کسی جگہ نامحرم کو دیکھتے ہو یا دل میں گندے خیالات پکاتے ہو تو ہم دونوں ہی سے باخبر ہیں پس ہماری قدرت اور پکڑ سے خبر دار ہو جاؤ۔

آیت نمبر ۸۰

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ[۲۹۸]

ترجمہ: اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص (خدا کی طرف) رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔

میں نے جس آیت کی تلاوت کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک ایسی صفت ارشاد فرمائی ہے جو اُن گناہ گاروں کے لیے جو گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، نکلنا چاہ رہے ہیں اور نکل نہیں پا رہے زبردست بشارت ہے۔ اگر وہ گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے یہ صفت اور یہ خوبی اور یہ خزانہ جس کا اعلان قرآنِ پاک میں فرمایا ہے مانگ لیں تو بہت جلد ان کا کام بن جائے کیوں کہ اگر یہ خزانہ خدائے تعالیٰ کو دینا نہ ہوتا تو اعلان نہ فرماتے۔ دیکھیے جب ابّا چاہتا ہے کہ لڑکوں کو پتا نہ چلے تو بتاتا بھی نہیں ہے لیکن جب بتاتا ہے کہ دیکھو میرے بکس میں آج اتنا روپیہ ہے تو اس کے معنیٰ ہیں کہ بچے مجھ سے مانگیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی اس صفت کا قرآنِ پاک میں اعلان کیا کہ میری ایک خوبی ہے کہ جو شخص گناہوں کی دلدل سے نہ نکل سکتا ہو، رات دن گناہ گاری والی زندگی میں پھنسا ہوا ہے جانتا ہے کہ میں دیدہ و دانستہ بہت ہی نالائقی میں پھنسا ہوا ہوں کہ نکلنے نہیں پاتا اس کو اللہ تعالیٰ سے یہ کہنا چاہیے کہ اے اللہ! آپ نے قرآنِ پاک میں اپنی ایک صفت بیان فرمائی ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ مجھے بھی اپنی طرف کھینچ لیجیے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اِجْتِبَاءٌ جَبْیٌ سے ہے اور جَبْیٌ کے معنیٰ جذب کے ہیں یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف جذب کرتا ہے، اپنا بناتا ہے، نفس و شیطان کی غلامی سے چھڑاتا ہے، ساری کائنات سے چھڑا کر اپنا بناتا ہے۔ اس کو بھی محسوس ہو جاتا ہے کہ کوئی مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے، مجھے اللہ اپنا بنا رہا ہے، اس کے دل و جان میں اللہ کی محبت بیدار ہو جاتی ہے اور وہ خود بخود ان کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

۲۹۸؎ الشوریٰ: ۱۳

طریقِ سلوک بھی جذب ہی سے طے ہوتا ہے

آگے ارشاد ہے: وَيَهۡدِيۡٓ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں جس کو پہلے جذب نہیں دیتا تو وہ خود کوشش کرے، مجاہدہ کرے، میری طرف انابت و توجہ اختیار کرے کہ اللہ مجھ سے خوش ہو جائے، مجھ کو اللہ مل جائے تو ایسے لوگوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ میں ان کو ہدایت دے دیتا ہوں اور آخر میں ان کو بھی اپنی طرف جذب کر لیتا ہوں بشرطیکہ مخلص بھی ہوں۔ ابلیس مخلص نہ تھا اس لیے اس کو جذب نصیب نہیں ہوا۔ جس کو اللہ تعالیٰ جذب کرتا ہے وہ مردود نہیں ہو سکتا۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کتنی عبادت کی لیکن جذب سے محروم تھا اس لیے مردود ہوا۔ لہٰذا ہم لوگوں پر فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ جو کچھ روزہ نماز ہم کر رہے ہیں آپ اپنی رحمت سے قبول فرما لیجیے اور آپ نے قرآنِ پاک میں جس خزانہ کا اعلان فرمایا کہ میں جس کو چاہتا ہوں اپنی طرف کھینچ لیتا ہوں تو اے میرے ربا! اگر آپ کو یہ خزانہ ہمیں دینا نہ ہوتا تو اس کی آپ ہمیں خبر بھی نہ کرتے۔

جو اللہ کی طرف چلتا ہے، انابت اور توجہ کرتا ہے، اللہ کی تلاش میں محنت و مشقت اُٹھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی ہدایت دے دیتا ہے۔ تو دو راستے ہو گئے۔ پہلے کا نام جذب ہے اور دوسرے کا نام سلوک۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صفتِ جذب کو مقدم فرمایا کیوں کہ اس میں بندہ مراد ہوتا ہے، مراد کے معنیٰ ہیں جس کا ارادہ کیا جائے اور دوسرے راستہ یعنی راہِ سلوک میں بندہ مرید رہتا ہے بس جس کو حق تعالیٰ صفتِ جذب عطا فرماتے ہیں یعنی اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا مراد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا بنانے کا ارادہ فرما لیا اور جو مَنۡ يُّنِيۡبُ ہے، اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے، اللہ کو تلاش کرتا ہے، اللہ کے راستے میں محنت و مشقت اُٹھاتا اُٹھاتا ہے، بزرگوں کی خدمت میں جاتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے، گناہ سے بچتا ہے، یہ مرید ہے، اللہ کا ارادہ کرنے والا ہے اس کو بھی بعد میں جذب نصیب ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ بغیر جذب کے کوئی اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس پر ابتداء میں جذب غالب ہو یعنی جس کو پہلے اللہ تعالیٰ جذب کرے، بعد میں وہ خدا کا راستہ محنت مشقت سے طے کرے اس کا نام مجذوب سالک ہے یعنی اس کو جذب پہلے نصیب ہوا سلوک بعد میں نصیب ہوا اور جو پہلے سلوک شروع کرے، عبادت کی محنت مشقت شروع کرے بعد میں اللہ اس کو جذب کرے، اپنی طرف کھینچ لے اس کا نام سالکِ مجذوب ہے یعنی پہلے یہ اللہ کے راستے میں چلا، محنت مشقت کی، پھر خدائے تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ بہر حال جذب ہو یا سلوک دونوں راستے اللہ تک پہنچتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بعضوں کو پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بعضوں کو سلوک کی توفیق پہلے ہوتی ہے بعد میں اللہ تعالیٰ ان کو

جذب کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بغیر حق تعالیٰ کے جذب کے کوئی حق تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

جذب کی ایک اور علامت

جب اللہ تعالیٰ کسی کو جذب کرتے ہیں تو اس کو پتا چل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنا بنارہے ہیں اس کے دل میں خود بخود ایک کشش اللہ تعالیٰ کی طرف پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمہ تن ہستیٔ خوابیدہ مری جاگ اُٹھی
ہر بُنِ مُو سے مرے اس نے پکارا مجھ کو

اور ایک علامت اور پیدا ہوتی ہے۔ سن لیجیے جس کو اللہ تعالیٰ جذب کرتا ہے وہ سارے عالم کی دولت، سارے عالم کے حسن کو نگاہ سے گرا کر ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ میں اپنے اللہ کو راضی رکھوں یہ علامت ہے جذب کی۔ جس کو اللہ تعالیٰ کھینچے وہ بھلا کھنچ جائے کسی اور طرف! اور جو کسی اور طرف کھنچ جائے تو معلوم ہوا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نہیں کھینچا، آپ بتایئے کہ محمد علی کلے یا کوئی اور تگڑا پہلوان کسی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچے ہوئے ہو اور اسی کو ایک کمزور اپنی طرف کھینچ رہا ہو تو بتایئے وہ کھنچے گا کمزور کی طرف؟ آدمی اسی طرف کھنچتا ہے جس طرف طاقت زیادہ ہوتی ہے بتایئے اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت ور کون ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچ لے وہ کسی اور طرف نہیں کھنچ سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ جو شخص گناہوں میں مبتلا ہو رہا ہے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ابھی یہ ظالم جذب سے محروم ہے، اپنی نافرمانی کے تسلسل اور ظلمات اور لعنت و نحوست کی زندگی کے سبب اس کو اللہ تعالیٰ نے جذب نہیں فرمایا۔ لہٰذا رو کر اللہ تعالیٰ سے اس صفت کی بھیک مانگیے۔ اگر خدائے تعالیٰ کو نہ دینا ہوتا تو قرآن میں اس آیت کو نازل نہ فرماتے۔ غور سے سنو دوستو! اختر درد بھرے دل سے پیش کر رہا ہے، پندرہ سال شاہ عبدالغنی صاحب کی غلامی کا نچوڑ پیش کر رہا ہوں۔ یوں ہی مفت میں نہیں پائی ہے اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں
محو کھڑا ہوا ہوں میں حسن کی بارگاہ میں

جذب کی ایک علامت یہ پیدا ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست رہتا ہے۔ مخلوق کی بھیک نہیں دیکھتا، بھیک دینے والے کو دیکھتا ہے۔ لیلیٰ کو نہیں دیکھتا لیلیٰ کو نمک دینے والے کو دیکھتا ہے۔ دولت کو نہیں دیکھتا

جس نے مال داروں کو مال دیا ہے اس مالک کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ غرض ساری کائنات سے وہ مستغنی ہو جاتا ہے۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے جذب کا واقعہ

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذب کا واقعہ بیان کرتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کتنے بڑے قاتل ہیں۔ جنگِ اُحد میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور بہت بے دردی سے قتل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن اتنا دُکھ ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ اس کے بدلے میں ستر کافروں کے ساتھ یہی معاملہ کروں گا اور خدا کی قسم کھائی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾[۲۹۹]

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ بدلہ لیں تو اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہیں جتنی آپ کو تکلیف پہنچائی گئی۔ آپ بھی کسی ایک کافر کے ساتھ ایسا کریں۔ ایک یا چند کے بدلے میں ستر کافروں کو نہیں مار سکتے لیکن اگر آپ صبر کریں تو یہ بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کو میرے لیے خیر فرمایا۔ اے صحابہ! سن لو میں صبر اختیار کرتا ہوں، اب کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لوں گا اور میں قسم توڑتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کا کفارہ ادا فرمایا۔

اور اب کچھ عرصہ بعد حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام پیش کیا جا رہا ہے۔ اس واقعہ کو تفسیر خازن کے مصنف علامہ محمود نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے جلد ۴، صفحہ ۵۹ پر، تفسیر معالم التنزیل کے مصنف محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی نے جلد ۴، صفحہ ۸۳ پر اور محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵، صفحہ ۱۴۹ پر بیان فرمایا ہے۔

رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچازاد بھائی ہیں روایت کرتے ہیں بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی وَحْشِیٍّ یَّدْعُوْہُ اِلَی الْاِسْلَامِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینے کے لیے پیغام بھیجا کہ اے وحشی! ایمان لے آؤ فَاَرْسَلَ اِلَیْہِ تو انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جواب بھیجا۔ ذرا دیکھیے پیغامات کے تبادلے ہو رہے ہیں۔ کیا پیغام بھیجا کہ آپ جانتے ہیں اِنَّ مَنْ قَتَلَ اَوْ اَشْرَکَ اَوْ زَنٰی جو شرک کرے

---

[۲۹۹] النحل: ۱۲۶

گا، قتل کرے گا، زنا کرے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کے بارے میں آپ کے خدا نے یہ نازل کیا ہے یَلْقَ اَثَامًا یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ وہ اللہ کے یہاں مجرم ہے۔ اس کو سزا بھگتنا پڑے گی اور اس کو ڈبل عذاب دیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ کافر بھی قرآن شریف کو پڑھا کرتے تھے۔ حضرت وحشی حالتِ کفر میں قرآنِ پاک کا حوالہ دے رہے ہیں۔ کَیْفَ تَدْعُوْنِیْ اِلٰی دِیْنِكَ آپ مجھے اسلام کی طرف کیسے دعوت دے رہے ہیں وَاَنَا قَدْ فَعَلْتُ ذَالِكَ كُلَّهٗ میں نے تو ان میں سے کوئی کام بھی نہیں چھوڑا۔ قتل بھی ایسی شخصیت کو کیا جو اسلام میں سب سے محترم شخصیت تھی۔ میں اس کا قاتل ہوں اور گناہ کے سب کام کیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت وحشی کے اسلام کے لیے دوسری آیت نازل فرمائی۔ دیکھیے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔ ایسے مبغوض، ایسے مجرم، رسولِ خدا کے چچا کے قاتل پر اللہ تعالیٰ کی رحمت برس رہی ہے۔ کیا ٹھکانہ ہے اس کے حلم کا! دو آیتیں نازل ہو رہی ہیں ان کے اسلام کے لیے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا [۳۰۰]

اے رسولِ خدا! وحشی کو آپ پیغام دے دیں کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور ایمان لائیں اور صالح عمل کرتے رہیں تو میں ان کے ایمان اور اسلام کو قبول کرتا ہوں۔ دنیا میں ہے کوئی ایسا حلم والا جو اپنے محبوب کے عزیز کے قاتل کو اس طرح بخشے گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو جب اُن کے پاس بھیجا تو اس پر ان کا پیغام سنیے۔ کہتے ہیں ھٰذَا شَرْطٌ شَدِیْدٌ یہ تو بڑی سخت شرط ہے کیوں کہ میں توبہ کر سکتا ہوں، ایمان لا سکتا ہوں لیکن وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ساری زندگی نیک عمل کرتا رہوں اس میں ذرا مجھے اپنے بارے میں اعتماد نہیں ہے لَعَلِّیْ لَا اَقْدِرُ عَلَیْهِ میں شاید اس پر قادر نہ ہو سکوں۔ اب تیسری آیت نازل ہو رہی ہے۔ دیکھیے! اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے اسلام کے لیے، بدترین مجرم کے لیے آیت پر آیت نازل فرما رہے ہیں اور یہ ناز نخرے دِکھا رہے ہیں۔ ہے کوئی ایسا دل گردہ والا جو اپنے مجرم کے ناز نخرے برداشت کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ غیر محدود کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ یہ ایمان لانے کے لیے شرطیں لگا رہے ہیں، پیغامات کے تبادلے ہو رہے ہیں، ان کے لیے قرآن کی آیات لے کر جبرئیل علیہ السلام کی آمد و رفت ہو رہی ہے۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے ان کی رحمت کا۔ تیسری آیت کیا نازل فرمائی:

اِنَّ اللهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ [۳۰۱]

۳۰۰؎ الفرقان:۷۰

۳۰۱؎ النسآء:۴۸

اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں معاف کرے گا لیکن اس کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں سب معاف کر دے گا جس کے لیے چاہے گا۔ یعنی وحشی اگر ایمان لائیں اور شرک سے توبہ کر لیں تو عملِ صالح کی بھی قید اُٹھ رہی ہے وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ شرک کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اللہ تعالیٰ بخش دے گا، جس کے لیے چاہے گا۔

اب ان کا جواب سنیے۔ پھر پیغام کا تبادلہ ہو رہا ہے، کہتے ہیں اِنِّيْ فِيْ شُبْهَةٍ میں ابھی شبہ میں ہوں کیوں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی آزادی نہیں دی بلکہ مغفرت کو اپنی مشیت سے مقید کر دیا کہ جس کو میں چاہوں گا اس کو بخش دوں گا۔ مجھے کیا پتا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میرے لیے ہو گی یا نہیں، وہ میرے لیے مغفرت چاہیں گے یا نہیں فَلَا اَدْرِيْ يَغْفِرُ لِيْ اَمْ لَا؟ پس میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے بخشیں گے یا نہیں؟

بتایئے: پیغامات کے تبادلے سن رہے ہیں آپ لوگ! کیا یہ حق تعالیٰ کا جذب نہیں ہے؟ یہ ان ہی کا جذب ہے۔ حضرت وحشی کو بھی ابھی خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جذب فرما رہے ہیں ؏

کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

اب چوتھی آیت نازل ہو رہی ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾[۳۰۲]

یہ آیت اتنی قیمتی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ[۳۰۳] یہ آیت مجھے اتنی محبوب ہے کہ اگر اس کے بدلے میں مجھے پوری کائنات مل جائے تو وہ عزیز نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ میرے گناہ گار بندوں کو بتا دیجیے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کر لیں! ظلم کر لیے، بے شمار گناہ کر لیے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اب مشیت کی بھی قید نہیں ہے۔ اس قید کو بھی میں ہٹا رہا

۳۰۲؎ الزمر: ۵۳

۳۰۳؎ مشکوٰۃ المصابیح: ۲۰۶/۱، باب التوبۃ والاستغفار، المکتبۃ القدیمیۃ

ہوں تاکہ میرے گناہ گار بندے مایوس نہ ہوں۔ اِنَّ تاکید ہے، الذُّنُوْبَ پر الف لام استغراق کا ہے یعنی کوئی گناہ ایسا نہ ہوگا جس کو اللہ نہ بخش دے اور جَمِیْعًا میں پھر تاکید ہے۔ تین تاکیدوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم تمام گناہوں کو بخش دیں گے۔ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یہ جملہ تعلیلیہ ہے، معرضِ علت میں ہے یعنی وجہ بھی بتادی کہ ہم کیوں بخش دیں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے اور اپنے نامِ پاک غفور کو رحیم پر مقدم فرمایا کہ معلوم بھی ہے ہم بندوں کو کیوں بخش دیتے ہیں؟ بوجہ رحمت کے۔ اپنی شانِ رحمت کی وجہ سے ہم تمہاری مغفرت فرماتے ہیں، تمہارے گناہ محدود ہیں میری مغفرت محدود نہیں ہے، تمہارے گناہ محدود ہیں، میری رحمت محدود نہیں ہے، میری غیر محدود رحمت کے سامنے تمہارے گناہ ایسے ہیں جیسے ایک چڑیا سمندر سے ایک قطرہ اُٹھالے۔ جو نسبت اس قطرہ کو سمندر سے ہے اتنی بھی تمہارے گناہوں کو میری غیر محدود رحمت و مغفرت سے نہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد کیا ہوا۔ اب تبادلۂ پیغامات کا نقشہ بدل گیا، حضرت وحشی کا کام بن گیا۔ کہا نِعْمَ ھٰذَا یہ بہت اچھی آیت ہے فَجَاءَ وَ اَسْلَمَ پھر آئے اور اسلام قبول کرلیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)! ھٰذَا لَہٗ خَاصَّۃٌ اَمْ لِلْمُسْلِمِیْنَ عَامَّۃٌ کیا یہ آیت وحشی کے لیے خاص ہے یا سارے مسلمانوں کے لیے ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بَلْ لِّلْمُسْلِمِیْنَ عَامَّۃٌ قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے اللہ کا یہ فضل عام ہے۔

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا مسیلمہ کذّاب جس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہاد کرنا پڑا اس کو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتل کرادیا۔ اس وقت بہت سے بڑے بڑے صحابہ جرنیل تھے لیکن یہ نعمت حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے لکھی، یہ شرف اللہ تعالیٰ نے حضرت وحشی کو دینا تھا کہ میرا یہ بندہ قاتلِ حمزہ ہے اسی کے ہاتھوں سے اب ایک ذلیل ترین شخصیت کو قتل کرادیا جائے تاکہ اس کی عزت قیامت تک امت کے اندر قائم ہو جائے، ہم اپنے اس رُسوا اور ذلیل بندے کی قسمت کو بدلنا چاہتے ہیں، ہم اس کی تاریخ بدلنا چاہتے ہیں، ہم اس کی تاریخ کو سنہرے حروف سے لکھوانا چاہتے ہیں لہٰذا مسیلمہ کذّاب کو حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں سے قتل کرادیا۔ اس کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ

قَتَلْتُ فِیْ جَاھِلِیَّتِیْ خَیْرَ النَّاسِ وَفِیْٓ اِسْلَامِیْ شَرَّ النَّاسِ [۳۰۴]

میں نے اپنے زمانۂ کفر میں، زمانۂ جاہلیت میں دنیا کے ایک بہترین انسان کو قتل کیا تھا اور اپنے زمانۂ اسلام میں، میں نے بدترین انسان کو قتل کیا جو نبوت کا دشمن تھا اور جھوٹا نبی بنا ہوا تھا جس کو اللہ اپنا بناتا ہے اس کی بگڑی کو بنانا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

حُسن کا انتظام ہوتا ہے
عشق کا یُوں ہی نام ہوتا ہے

آہ! ذلت کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے عزت سے تبدیل کر دیا۔ اس لیے دعا کر لیا کیجیے کہ اے خدا! ہماری رسوائیوں اور ذلتوں کے اندھیروں پر اپنے آفتابِ عزت کی کچھ شعاعیں ڈال دیجیے تاکہ ہماری ذلتیں عزتوں سے تبدیل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے نام عزیز کے معنیٰ

''عزیز'' اللہ کا ایک نام ہے۔ عزیز کا ترجمہ مفسرین اور محدثین نے کیا ہے: **اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ** جو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ **وَلَا یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ** [۳۰۵] نکرہ تحت النفی ہے یعنی کوئی طاقت اللہ کے ارادے میں اور استعمالِ قدرت میں حائل نہ ہو سکے، نہ کوئی روڑا اٹکا سکے۔ بس اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہماری ہدایت کا اور ہمیں اپنا ولی بنانے کا ارادہ فرما لیں، ان شاء اللہ کام بن گیا۔ کیوں کہ حق تعالیٰ کے ارادہ میں اور مراد میں کوئی تخلف ناممکن اور محال ہے۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اس کے ارادہ پر مراد کا ترتب لازم ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ فرمائیں اور ان کی مراد میں تخلف واقع ہو جائے، لہٰذا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا احسان ہے کہ انہوں نے ہمیں اپنی اس صفت سے آگاہ فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ وہ ہم کو دینا چاہتے ہیں۔ اگر ابّا چاہتا ہے کہ یہ خزانہ بچوں کو نہ دوں تو بچوں کو بتاتا بھی نہیں ہے، جو کچھ اللہ پاک نے اپنے خزانے بتائے ہیں وہ ہمیں دینے کے لیے ہیں اور اگر سارے عالم کے ایک ایک فرد کو اللہ تعالیٰ اپنا ولی بنا لے تو اللہ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ کریم ہے۔

۳۰۴؎ روح المعانی: ۱۶۱/۶، المآئدۃ (۵۴)، دار إحیاء التراث، بیروت

۳۰۵؎ مرقاۃ المفاتیح: ۴۶۳/۵، باب قصۃ حجۃ الوداع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

آیت نمبر ۸۱

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ [۳۰۶]

ترجمہ: سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفسانی کو بنا رکھا ہے۔

اللہ جب ملتا ہے جب لَآ اِلٰہ کی تکمیل ہو۔ جو غیر اللہ سے جان نہ چھڑا سکا وہ کیسے اللہ کو پائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے کلمہ اور ایمان کی بنیاد میں لَآ اِلٰہ کو مقدم کیا ہے کہ میں خالقِ عطرِ عود ہوں لیکن تم غیر اللہ کی نجاست اور غلاظت کے ساتھ میری خوشبوئے قرب چاہتے ہو، یہ ناممکن ہے پہلے لَآ اِلٰہ کی تکمیل کرو۔ پتھروں کے الٰہ سے تو تم کلمہ کی برکت سے بچ گئے لیکن جو چلتے پھرتے الٰہ ہیں یعنی حسین صورتیں ان سے تم نے کہاں اپنے دل کو بچایا؟ یہ بھی الٰہِ باطل ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ آیت ہے اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ نے ان کو دیکھا جو اپنے نفس کی خواہش کو خدا بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غضِّ بصر کا حکم دے رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بد نظری کو آنکھوں کا زِنا فرمارہے ہیں لہٰذا یہ حسین شکلیں بھی الٰہِ باطل ہیں، ان کو بھی دل سے نکالو تب لَآ اِلٰہ کی تکمیل ہوگی۔ تکمیلِ لَآ اِلٰہَ کے بغیر اِلَّا اللّٰہُ کی تجلیات سے تمہارا قلب محروم رہے گا۔

تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان باتوں کے تقاضوں کے باوجود ان پر عمل نہ کرکے بندہ غم اُٹھالے اور زخمِ حسرت کھالے اسی کا نام تقویٰ ہے اور اسی سے اللہ ملتا ہے۔

منتہائے اولیائے صدیقین تک پہنچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت سے، ذکر اللہ سے، مجاہدہ سے اور نفس پر گناہ سے بچنے کا غم اُٹھانے سے ہم کو اتنا ایمان ویقین اللہ تعالیٰ عطا فرمادے کہ ہماری زندگی کی ہر سانس اللہ پر فدا ہو اور ایک سانس بھی ہم اللہ کو ناراض نہ کریں اور اگر کبھی خطا ہو جائے تو آنسوؤں سے سجدہ گاہ کو تر کردیں اور اتنا روئیں کہ وہ خطا سببِ عطا ہو جائے۔

---

۳۰۶ الجاثیۃ: ۲۳

اہل اللہ کی قیمت

کسی اللہ والے کی مٹی کو مت دیکھو۔ جو اس کے ساتھ ہے اس کو دیکھو **وَهُوَ مَعَكُمْ** سے اس کی قیمت ہے۔ اس لیے ایک اللہ والے کی قیمت زمین و آسمان ادا نہیں کر سکتے، چاند و سورج ادا نہیں کر سکتے، زمین و آسمان کے خزانے بھی ادا نہیں کر سکتے کیوں کہ اس کے ساتھ اللہ ہے اور اللہ کی قیمت کوئی ادا نہیں کر سکتا۔

آیت نمبر ۸۲

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا[۳۰۷]

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے۔

تمام مفسرین کہتے ہیں کہ رَبُّنَا اللّٰهُ میں رَبُّنَا خبر ہے اور اللہ مسند الیہ ہے لیکن رَبُّنَا کو اللہ تعالیٰ نے مقدم اس لیے کیا تاکہ حصر کے معنیٰ پیدا ہو جائیں تَقْدِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ تاکہ تم یہ کہو کہ ہمارا پالنے والا سوائے خدا کے کوئی نہیں ہے۔ اگر رَبُّنَا مقدم نہ ہوتا تو معنیٰ حصر کے نہ پیدا ہوتے، یہ عربی کا قاعدۂ کلیہ ہے۔ اب یہاں ایک نحوی اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہاں ہم اَللّٰهُ کو خبر مان لیں اور رَبُّنَا کو مسند اور مبتدا مان لیں تو کیا حرج ہے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو یہ عطا فرمایا کہ مسند الیہ کو قوی ہونا چاہیے کیوں کہ سہارا لیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی قوی نہیں ہے اس لیے اللہ کا نام ہوتے ہوئے کسی غیر اللہ کو مسند الیہ بنانا صحیح نہیں۔

آیت نمبر ۸۳

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ[۳۰۸]

ترجمہ: اور اگر تم روگردانی کروگے تو خدائے تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

۳۰۷؎ الاحقاف:۱۳

۳۰۸؎ محمد:۳۸

اہل اللہ کی مخلوق سے عدمِ احتیاج پر ایک آیت سے استدلال

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کبھی یہ نہ سوچو کہ میرے آنے سے شیخ کو عزت ملی یا شیخ کی خانقاہ چمک گئی یا میری وجہ سے بہت سے اور مرید ہوگئے کبھی یہ مت سوچو۔ اس کی دلیل دیکھیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے چندہ دینے والو! مولویوں کو اور مدرسوں کو اپنا محتاج مت سمجھو کہ اگر ہم چندہ روک لیں گے تو یہ مدرسے بند ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ اگر تم ہاتھ روکتے اور چندہ نہ دیتے یا اگر اے لوگو! تم فلاں شیخ سے بیعت نہ ہوتے تو یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ تو اللہ تم کو فنا کرتا اور تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرتا ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ پھر وہ تم جیسے نالائق نہ ہوتے۔ لٰہذا شیخ کے لیے یہی سوچو کہ مجھے شیخ سے عزت ملی، میری وجہ سے شیخ کو عزت نہیں ملی۔ اگر ہم بیعت نہ ہوتے تو اللہ دوسرے لائق لوگ پیدا کرتا جو اس شیخ سے استفادہ کرتے۔ میرے پاس سے بھی بعض لوگ بھاگ گئے لیکن پھر اللہ نے ان سے عظیم الشان اور وفادار شخصیتوں کو بھیج دیا جو میرے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ ایک جاتا ہے تو اللہ دس بھیجتا ہے۔ جس کو اللہ زبانِ ترجمانِ دردِ دل عطا فرمانے پر قادر ہے وہ اس کو کان دینے پر قادر نہیں ہے؟

عدمِ امتنان المرید علی الشیخ پر ایک آیت سے استنباط

اے ہمارے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فرما دیجیے کہ اے ایمان والو! مجھ پر اپنے ایمان کا احسان مت جتلاؤ:

یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَیَّ اِسۡلَامَکُمۡ ۚ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ هَدٰىكُمۡ لِلۡاِیۡمَانِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۷﴾[۳۰۹]

تو مرید کو سوچنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو ہم اپنے بزرگوں سے جُڑ گئے جس کی برکت سے آج ہم سے دین کا کام لیا جارہا ہے، آج دین کا کام جو اس راہ سے ہو رہا ہے دنیا میں اور کوئی راستہ ایسا اقرب الی السنۃ نہیں ہے۔ کیوں کہ شیخ اپنی قوم میں مثل نبی ہوتا ہے اَلشَّیۡخُ فِیۡ قَوۡمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیۡ اُمَّتِہٖ[۳۱۰] یہ کسی صوفی کا

[۳۰۹] الحجرٰت: ۱۷

[۳۱۰] مرقاۃ المفاتیح: ۲۳۰/۱۱، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

قول نہیں ہے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے صحابی کا قول ہے جس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں لکھا ہے۔ بتایئے صحابی کا ارشاد کوئی معمولی چیز ہے؟ لٰہذا یہی سمجھنا چاہیے کہ میری مریدی ممنونِ شیخ ہے، شیخ نے ہمیں قبول کرلیا، یہ شیخ کا احسان ہے۔ اسی آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا۔

آیت نمبر ۸۴

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ [۳۱۱]

ترجمہ: وہ خدا ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں تحمل پیدا کیا ہے تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو۔

آج ایک خاص مضمون کا داعیہ پیدا ہوا کہ میں اس آیت کی تفسیر کر دوں اور اس نعمت کو آپ لوگوں سے بیان کر دوں جو نعمت ساری کائنات میں دستیاب نہیں ہے اس لیے کہ یہ آسمان سے عطا ہوتی ہے زمین والوں کی دسترس وہاں تک نہیں ہے کیوں کہ زمین پر بسنے والوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہے جو نعمت میں ابھی پیش کر رہا ہوں اہلِ دنیا پوری کائنات کے اندر ساری کائنات میں چکر مارلیں مگر وہ دستیاب نہیں ہے نہ مل سکتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو آسمان سے اتارتے ہیں، آسمان سے اُتارنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے جب تک کہ ہم آسمان والے کو راضی نہ کرلیں۔

سکینہ کیا ہے اور کہاں نازل ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ وہ ہے جو اپنے عاشقوں کے دل میں سکینہ اُتارتا ہے۔ سکینہ کیا چیز ہے اور سکینہ کی علامت کیا ہے اس کی تفسیر صاحبِ روح المعانی کیا بیان کرتے ہیں جو ان شاء اللہ! عرض کروں گا لیکن سکینہ کا نزول کہاں ہوتا ہے؟ سکینہ کا جہاز کہاں اُترتا ہے؟ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ مؤمنین کے دل پر! معلوم ہوا کہ سکینہ کا ایئرپورٹ قلبِ مومن ہے۔

۳۱۱؎ الفتح: ۴

نزولِ سکینہ کے موانع

اسی لیے بد نظری حرام ہے کیوں کہ اگر بد نظری کرلی تو دل سینہ سے غائب ہو گیا اور دلبروں کے پاس پہنچ گیا۔ جب ایئرپورٹ ہی ختم ہو گیا تو سکینہ کا جہاز کہاں اُترے گا؟ ہر وقت بے سکون رہو گے۔ جب دشمن ایئرپورٹ تباہ کر دیتا ہے تو وہاں کوئی جہاز لینڈ نہیں کرتا، تو جس نے اپنی نظر کو خراب کر کے دل کو گنوا دیا، دل چوری ہو گیا، آنکھوں سے دل کو گیٹ پاس مل جاتا ہے۔ اب سینہ میں دل ہی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سکینہ کہاں نازل کریں گے۔ اسی لیے رومانٹک والوں کو چین نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے وہ ایئرپورٹ ہی ضایع کر دیا جہاں سکینہ کا جہاز اُترتا ہے جس کا نام دل ہے۔ انہوں نے تو دل ہی تباہ کر دیا تو سکینہ کہاں اُترے گا؟

سکینہ کی تین تفسیریں

سکینہ کی تین تفسیریں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں جلد ۱۱، صفحہ ۲۵ پر فرماتے ہیں۔

پہلی تفسیر اور علامت

هِيَ نُوْرٌ يَّسْتَقِرُّ فِي الْقَلْبِ، هِيَ کی ضمیر سکینہ کی طرف جارہی ہے کیوں کہ سکینہ مؤنث ہے اور يَسْتَقِرُّ کی ضمیر نور کی طرف جارہی ہے، مضارع واحد غائب استعمال ہورہا ہے یعنی سکینہ ایک نور ہے جو مؤمن کے قلب میں ٹھہر جاتا ہے۔

پوری زمین اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کے لیے کوئے دلبر ہے اور دنیاوی عاشقوں کی کوئے دلبر کوئی گلی ہوتی ہے سڑی ہوئی۔ اللہ والا وہی ہے جس کا نور مستقر ہے۔ سارے عالم میں وہ نور ساتھ ہوتا ہے۔

تو پہلی تفسیر ہے کہ وہ نور دل میں ٹھہر جاتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ نور کسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔ اسی کا نام سکینہ ہے اور یہ نور کیسے ملتا ہے؟

نورِ سکینہ کے حصول اور حفاظت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تقویٰ سے ملتا ہے بشرطیکہ اس نور کو ضایع نہ کیا جائے ورنہ ٹنکی پانی سے بھر دو لیکن ٹونٹی کھول دو تو سب پانی نکل جائے گا۔ اسی طرح ذکر سے قلب نور سے بھر گیا لیکن گناہ بھی کر لیا تو سارا

نور ضایع ہو گیا۔ لہٰذا ذکر کے ساتھ تقویٰ کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

نزولِ سکینہ کی دوسری علامت

وَيَثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ إِلَى الْحَقِّ اس نور کی خاصیت یہ ہے کہ جس دل پر اللہ تعالیٰ سکینہ اُتارتا ہے ہر لمحۂ حیات، ہر سانس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے، ایک سانس کو بھی اگر غافل ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا ؎

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں

وَيَثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ إِلَى الْحَقِّ، بِهٖ کی ضمیر نور کی طرف جارہی ہے یعنی بِبَرَكَةِ هٰذَا النُّوْرِ اس نور کی برکت سے ہر وقت اس کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف قائم رہتی ہے اور ثبوت کے معنیٰ کیا ہے ثُبُوْتُ الشَّيْءِ بَعْدَ تَحَرُّكِهٖ متحرک چیز میں سکون پیدا ہو جائے اس کا نام ثبوت ہے۔

وَيَثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ إِلَى الْحَقِّ حق تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ ہر وقت رہتی ہے۔ ایک لمحہ بھی اپنے اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔ یہی وہ مقام ہے جس کو نسبت کہا جاتا ہے۔ جب نسبت قائم ہو گئی تو اب خدا کو نہیں بھول سکتا۔ اب بھاگنا بھی چاہے تو نہیں بھاگ سکتا۔ نسبت پر حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عجیب شعر ہے۔ کیسے معلوم ہو کہ یہ شخص ولی اللہ، صاحبِ نسبت ہو چکا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نسبت اسی کا نام ہے نسبت اسی کا نام
ان کی گلی سے آپ نکلنے نہ پایئے

سمجھ لو وہ شخص صاحبِ نسبت ہو گیا کہ جو بھاگنا بھی چاہے تو اللہ سے نہ بھاگ سکے، ان کو بھلانا بھی چاہے تو بھلا نہ سکے، اس پر قادر ہی نہ ہو کہ ایک سانس اللہ کے بغیر جی سکے۔

تیسری علامت

يَتَخَلَّصُ عَنِ الطَّيْشِ[۳۱۲] یعنی ایسے شخص کو بے سکونی اور پریشانی سے نجات مل جاتی ہے۔ دل ایک دم ٹھنڈا رہتا ہے جب کوئی پریشانی آئی دو رکعات پڑھیں اللہ میاں سے رو لیا اور مطمئن ہو گیا۔

اب لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ کی تفسیر کرتا ہوں۔ نزولِ سکینہ ازدیادِ ایمان یعنی نسبتِ خاصہ

۳۱۲ـ روح المعانی: ۲۶/۲۵، الفتح (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مؤمنین کے دل پر سکینہ اس لیے نازل کرتا ہوں لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ تاکہ ان کے سابق ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے کیوں کہ ایمان تو پہلے بھی تھا لیکن معلوم ہوا کہ سکینہ کا نور دل میں آنے کے بعد ان کے موجودہ ایمان پر مستزاد ایمان ہو جاتا ہے، اس کی تفسیر حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سکینہ کا نور عطا ہونے سے پہلے ان کا وہ سابق ایمان کیا تھا؟ اس کا نام تھا ایمانِ عقلی، استدلالی، موروثی یعنی ایمان عقل کی بنیاد پر تھا کہ عقل سے اللہ کو پہچانتا تھا اور استدلالی تھا کہ دلیلوں سے اللہ کو مانتا تھا دلائل سے اللہ کے وجود پر استدلال کرتا تھا اور موروثی تھا کہ امّاں ابّا مسلمان تھے لہٰذا ہم بھی مسلمان ہیں، گائے کا گوشت کھا کر مسلمان بنے ہوئے ہیں لیکن جب سکینہ کا نور عطا ہوتا ہے تو یہ ایمانِ عقلی، استدلالی، موروثی ایمانِ ذوقی، حالی، وِجدانی سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایمانِ ذوقی کیا ہے؟ یعنی دل میں مزہ چکھ لیتا ہے کہ میرا اللہ کیسا ہے، دل مزہ چکھنے لگتا ہے، اللہ کے قرب کی لذّت کو دل چکھ لیتا ہے۔ ذوق معنیٰ چکھنے کے ہیں اور ایمانِ حالی یہ ہے کہ ایمان دل میں اُتر جاتا ہے۔ حال لام مشدد ہے، معنیٰ اُترنے کے ہیں۔ اللہ کو پہچاننے کے لیے اب اس کو کسی استدلال کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ایمان دل میں حال ہو جاتا ہے، دل میں وہ اللہ کو محسوس کرنے لگتا ہے اور ایمانِ وجدانی نصیب ہوتا ہے، وِجدان کے معنیٰ پاجانا یعنی دل میں اللہ کو پا جاتا ہے۔ پھر عالمِ غیب اس کے لیے برائے نام عالمِ غیب رہتا ہے وہ دل کی آنکھوں سے گویا ہر وقت اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی کیا عمدہ تعبیر دو شعروں میں فرمائی ہے فرماتے ہیں؎

غائب ہوا جاتا ہے حجابات کا عالم
مشہود لگا ہونے مغیبات کا عالم

محسوس لگا ہونے کہ دل عرشِ بریں ہے
اللہ رے یہ ان کی ملاقات کا عالم

اس ایمانی کیفیت کی شرح علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں یہ فرمائی ہے:

اَنْ یَّغْلِبَ عَلَیْهِ مُشَاهَدَةُ الْحَقِّ بِقَلْبِهٖ حَتّٰی کَاَنَّهٗ یَرَاهُ تَعَالٰی شَانُهٗ بِعَیْنِهٖ [۳۱۳]

---

[۳۱۳] فتح الباری للعسقلانی: ۱۲۰/۱، باب سؤال جبرئیل عن الایمان والاسلام، دار المعرفۃ، بیروت

یعنی قلب پر مشاہدۂ حق ایسا غالب ہو جائے کہ گویا آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ دل میں جب اللہ تعالیٰ کو پاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے قرب کی لذت کو چکھتا ہے، دل میں اللہ تعالیٰ کو محسوس کرنے لگتا ہے تو غلبۂ قربِ حق سے یہ آسمان بھی اس کے لیے حجاب نہیں رہتے۔ اس پر اختر کا ایک شعر ہے جو آپ سے خطاب کر رہا ہے ؎

گزرتا ہے کبھی دل پر وہ غم جس کی کرامت سے
مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

ایمانِ عقلی، استدلالی، موروثی و ایمانِ ذوقی، حالی، وِجدانی کی تمثیل

قلب میں اس ایمانی کیفیت کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک دریا ہے جس میں پانی نہیں ہے خشک ہے، خاک اُڑا رہا ہے اس وقت دریا پانی پر کیسے ایمان لائے گا؟ عقل سے، دوسرے دریاؤں سے سن کر کہ پانی ایسا ہوتا ہے لیکن جب اس کے اندر پانی آجائے گا اس وقت اس کا ایمان کیسا ہو گا؟ ذوقی، حالی، وجدانی پھر وہ دلیل نہیں مانگے گا کہ ہم کو پانی کی دلیل چاہیے۔ وہ تو کہے گا کہ میرے سینہ کے اندر تو خود پانی لبالب بہہ رہا ہے، دور دور میری ٹھنڈک جا رہی ہے، میں اپنے اندر پانی کو محسوس کر رہا ہوں، پا رہا ہوں، مجھے دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ جس دریا کے اندر پانی ہوتا ہے دور دور تک اس کی ٹھنڈک جاتی ہے۔ ایک میل پہلے ہی سے ہواؤں کی ٹھنڈک بتا دیتی ہے کہ آگے دریا قریب ہے۔ اسی طرح قلب میں پہلے ایمانِ عقلی و استدلالی ہوتا ہے، عقل سے، استدلال سے، دوسروں سے سن کر وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے لیکن سکینہ کا نور عطا ہونے کے بعد اب وہ ایمان، ایمانِ ذوقی، حالی، وجدانی سے تبدیل ہو جاتا ہے، دل میں وہ اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کرتا ہے، اللہ کو دل میں پاتا ہے، اس احسانی کیفیت کو صوفیاء حضرات نسبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب کوئی بندہ کسی بستی میں صاحبِ نسبت اللہ والا ہو جاتا ہے تو اس کی ٹھنڈک دور دور تک جاتی ہے، دور دور اس کا فیض جاتا ہے۔ ہزاروں بندے اس کے فیضِ صحبت سے اللہ والے بن جاتے ہیں آیت لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ میں صوفیاء کی اصطلاح نسبتِ خاصہ کا ثبوت ہے۔

ذکر اللہ سے نزولِ سکینہ کی دلیلِ نقلی اور ایک علمِ عظیم

اب یہ ایمانِ ذوقی، حالی، وجدانی یعنی نسبتِ خاصہ مع اللہ کیسے حاصل ہو اس کو بیان کرتا ہوں اور یہ ایک علمِ عظیم ہے جو حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اختر کو بنگلہ دیش میں عطا فرمایا۔ مسلم شریف کی روایت

ہے کہ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللہَ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتی ہے تو فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں۔ اس کا عاشقانہ ترجمہ ہے کہ ذاکرین کی فرشتوں سے ملاقات ہوتی ہے اس طرح خاکی مخلوق کو نوری مخلوق کی مصاحبت نصیب ہوتی ہے اور اس صحبت کی برکت سے فرشتوں کے پاکیزہ اخلاق اور ان کا ذوقِ عبادت ان خاکی بندوں کے قلوب میں منتقل ہونے کی توقع ہے۔

ذکر کا دوسرا انعام ہے غَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اس کا عاشقانہ ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی آغوش میں لے کر ذاکرین کو پیار کر لیتی ہے جس طرح غلبۂ رحمت سے ماں بچہ کو سینہ سے چپکا کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے ڈھانپ لیتی ہے، جب اور زیادہ رحمت و شفقت جوش کرتی ہے تو اپنا سر اور گردن بچہ پر رکھ دیتی ہے، جب اور زیادہ پیار آتا ہے تو اپنے دوپٹہ سے اس کو بالکل ڈھانپ کر بچہ کا پیار لیتی ہے اور اس وقت وہ غلبۂ رحمتِ مادر کا مجسمہ ہوتی ہے۔

پس غَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ کے ترجمہ کی تعبیرِ عاشقانہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اہلِ ذکر کو پیار کرتے ہوئے اپنی آغوش میں ڈھانپ لیتی ہے۔ اور تیسرا انعام ہے نَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ[۳۱۴] کہ ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے یہ وہی سکینہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور جس کی تفسیر ابھی میں نے آپ سے بیان کی اور یہ کہ سکینہ کیوں نازل کیا۔ فرماتے ہیں لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

پس اس آیتِ شریفہ اور حدیثِ مبارکہ کو ملا کر جو ایک علمِ عظیم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا وہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ذکر پر نزولِ سکینہ منصوص بالحدیث ہے اور سکینہ پر ازدیادِ ایمان منصوص بالقرآن ہے۔ معلوم ہوا کہ ذکر کے لیے سکینہ لازم ہے اور سکینہ کے لیے زیادتِ ایمان لازم ہے۔ پس ذکر اللہ ازدیادِ ایمان، ترقیٔ ایمان یعنی حصولِ نسبت خاصہ مع اللہ کا ذریعہ ہے۔

آیت نمبر ۸۵

یَدُ اللہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ[۳۱۵]

ترجمہ: خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

۳۱۴؎ صحیح مسلم: ۳۴۵/۲، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر، ایچ ایم سعید

۳۱۵؎ الفتح: ۱۰

بیعت کی حقیقت

جو اللہ تعالیٰ کے قید وبند سے آزاد ہوتا ہے اس کی زندگی لعنتی اور بے کسی کی ہوتی ہے اور جو اللہ والا ہوتا ہے، اللہ والوں کے ہاتھ بکتا ہے وہ دراصل اللہ والوں کے ہاتھ نہیں بکتا، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنے نمایندے رکھے ہوئے ہیں جو بندوں کو اپنے ہاتھوں پر خرید کر اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

بیعت کی ایک حسی مثال

جیسے وزیر اعظم کو گندم بھیجنا ہے تو کسانوں سے گندم خریدنے کے لیے وزیر اعظم خود نہیں آتا بلکہ ہر علاقہ کے ڈپٹی کمشنر کو اپنا نمایندہ بناتا ہے کہ کسانوں سے رابطہ قائم کر کے سرکاری پیسے سے ان کو ادائیگی کرو اور ان سے گندم خرید لو اور اسلام آباد بھیج دو۔ اسی طرح اللہ والے اللہ تعالیٰ کے نمایندے ہیں۔ بندوں کو خرید کر وہ اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ یعنی ولی اللہ بننے کا راستہ بتا دیتے ہیں جس پر چل کر وہ اللہ والا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے لیے نہیں خریدتے، اللہ تعالیٰ کی بندگی سکھانے کے لیے بیعت کرتے ہیں۔ بیعت کے معنیٰ ہیں بکنا۔ دراصل وہ بکتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، اللہ والوں کا ہاتھ نمایندہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ اصل میں میرے نبی کا ہاتھ نہیں ہے، میرا ہاتھ ہے یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ اللہ کا ہاتھ ہے وہ۔ اے صحابہ! سمجھ لو کہ تم میرے پیغمبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر جو بیعت کر رہے ہو وہ میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہاتھ نہیں یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ اے صحابہ! تمہارے ہاتھوں پر بظاہر نبی کا ہاتھ ہے مگر اس ہاتھ میں دراصل میرا ہاتھ ہے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہاتھ میرا خلیفہ اور نمایندہ ہے۔ تو اسی طرح جو نائبِ رسول ہیں جب وہ بیعت کرتے ہیں تو ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

شرح آیتِ بالا بعنوانِ دِگر

بیعت کے متعلق ایک عجیب عاشقانہ مضمون

اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ سے مصافحہ کر لو تو کسی سچے اللہ والے سے بیعت ہو جاؤ کیوں کہ دنیا میں اللہ سے مصافحہ کا کوئی راستہ نہیں لیکن جو بیعت ہوتا ہے وہ اپنے شیخ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اور شیخ کا ہاتھ

اگلے شیخ کے ہاتھ پر ہے یہاں تک کہ یہ ہاتھ واسطہ در واسطہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک تک تک پہنچتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ نبی کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے تو جس کو اللہ سے مصافحہ کرنا ہو، زمین والے کو آسمان والے سے مصافحہ کرنا ہو تو وہ کسی راکٹ سے اللہ تعالیٰ تک نہیں جاسکتا لیکن اگر کسی اللہ والے کا مرید ہوگیا تو اس کا ہاتھ واسطہ در واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک تک پہنچ گیا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے نبی کے ہاتھ کو نبی کا ہاتھ مت سمجھو یہ یَدُ اللّٰہِ ہے۔ سچے اللہ والوں سے بیعت کا یہ راستہ اتنا پیارا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ اللہ سے مصافحہ کا کوئی اور راستہ مجھے دلائل سے بتادو۔ میں تو دلیل پیش کررہا ہوں۔

آیت نمبر ۸۶

سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ[۳۱۶]

ترجمہ: ان کے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

سِیۡمَا کی تفسیر

میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ پر علوم وارد ہوتے تھے۔ حضرت کو خاص طور سے آخر عمر میں عبادت و تلاوت ہی سے فرصت نہیں ملتی تھی کہ کوئی کتاب دیکھیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ سِیۡمَا کی تفسیر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے چہروں پر راتوں کی عبادتوں کا ایک خاص نور ہے، پھر فرمایا کہ اختر! یہ نور کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ راتوں کی عبادت سے ان کا قلب انوار سے بھر کر چھلکنے لگتا ہے تو چہرے پر جھلکنے لگتا ہے۔ آہ! میرے شیخ نے یہ تفسیر بلا دیکھے فرمائی کہ جب صحابہ کی خلوتوں کی عبادات سے ان کے دل میں نور بھر جاتا ہے تو جیسے پیالہ بھر جاتا ہے تو چھلک جاتا ہے اسی طرح جب صحابہ کا دل نور سے بھر جاتا ہے تو چھلکنے لگتا ہے اور پھر چہروں سے جھلکنے لگتا ہے اور آنکھوں سے ٹپکنے لگتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے شیخ سے پھولپور میں سنی تھی مگر جب یہاں تفسیر روح المعانی دیکھی تو اس میں بھی بعینہٖ وہی مضمون تھا جو میرے شیخ نے بغیر روح المعانی دیکھے فرمایا تھا کہ سِیۡمَا کیا ہے؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۳۱۶؎ الفتح: ۲۹

هُوَ نُوْرٌ یَّظْهَرُ عَلٰی وُجُوْہِ الْعَابِدِیْنَ یَبْدُوْ مِنْ بَاطِنِهِمْ عَلٰی ظَاهِرِهِمْ [۳۱۷]

سیما ایک نور ہے جو عبادت کرنے والوں کے چہروں پر ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ نور آتا کہاں سے ہے؟ وہ باطن کا نور ہوتا ہے جو ان کے جسم پر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ جب دل نور سے بھر جاتا ہے تو وہ نور چھلکنے لگتا ہے اور ان کے چہروں سے جھلکنے لگتا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ چہرہ ترجمانِ قلب ہے، اگر قلب میں مولیٰ ہے تو چہرہ ترجمانِ تجلیاتِ مولیٰ ہے اور اگر قلب میں معشوق یا معشوقہ ہے، تو اس کا چہرہ ترجمانِ مقاعد الرجال یا ترجمانِ فروج النساء ہوتا ہے، کٹا پھٹا منحوس چہرہ ہوتا ہے، کٹی پھٹی بندر گاہ کی طرح کیوں کہ بندروں جیسا کام کرتا ہے، ایسا شخص نہ تو قسمت کا سکندر ہوتا ہے اور نہ ہی اللہ کا قلندر ہوتا ہے بلکہ نفس کا بندر ہوتا ہے۔

قوی ترین نسبت حاصل کرنے کا طریقہ

ایک شخص رات بھر تہجد پڑھتا ہے لیکن تقویٰ سے نہیں رہتا اور ایک شخص تہجد تو نہیں پڑھتا لیکن تقویٰ سے رہتا ہے، ایک نظر بھی خراب نہیں کرتا اور ایک لمحہ بھی اپنے مالک کو ناراض نہیں کرتا، میں واللہ کہتا ہوں اور روزہ سے بھی ہوں اور بلدِ امین میں ہوں کہ اس کا نور اتنا قوی ہوگا کہ اس کے دردِ دل سے عالم میں زلزلہ پیدا ہو جائے گا اور ایک مخلوق اس سے سیراب ہوگی۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ جب ایمان اور تقویٰ کے نور سے دل بھر جاتا ہے تو دل سے چھلک کر آنکھوں سے ٹپکنے لگتا ہے، چہرہ سے جھلکنے لگتا ہے اسی کا نام **سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ** ہے۔ تفسیر روح المعانی میں **سِیْمَا** کی تفسیر یہ ہے **هُوَ نُوْرٌ یَّظْهَرُ عَلٰی وُجُوْہِ الْعَابِدِیْنَ یَبْدُوْ مِنْ بَاطِنِهِمْ عَلٰی ظَاهِرِهِمْ** سیما ایک نور ہے جو میرے عاشقوں کے دل میں بھر جاتا ہے تو ان کے باطن سے ان کے ظاہر تک چھلک جاتا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ [۳۱۸]

گناہ سے بچنے کا غم اُٹھانا غذائے اولیاء ہے، یہ غم اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی غذا ہے۔ عبادت، حج اور عمرہ فاسق اور گناہ گار بھی کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عبادت غذا فاسقوں کی بھی ہے اور دوستوں کی بھی ہے۔ تو یہ غذائے عبادت دوستوں اور نافرمانوں دونوں میں مشترک ہے اور جو چیز بین الفساق اور بین الاولیاء مشترک

---

[۳۱۷] روح المعانی: ۱۲۵/۲۶، الفتح (۲۹)، دار احیاء التراث، بیروت

[۳۱۸] الانفال: ۳۴

ہو وہ اولیاء کی امتیازی غذا کیسے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا گناہ سے بچنے کا غم اُٹھانا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی غذا ہے، یہ گناہ گاروں کا حصہ نہیں۔ اگر گناہ گار بھی یہ غذا کھانے لگے یعنی گناہ سے بچنے کا غم اُٹھانے لگے تو گناہ گار اور فاسق نہ رہے گا ولی اللہ ہو جائے گا۔ اس کی دلیل قرآنِ پاک کی یہ آیت ہے: اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر سال حج و عمرہ کرنے والا، ذکر و تسبیح پڑھنے والا، نوافل و تلاوت کرنے والا لیکن گناہ سے نہ بچنے والا میرا ولی نہیں ہو سکتا۔ میرے ولی صرف وہ ہیں جو مجھ کو ناراض نہیں کرتے، جو متقی ہیں۔

گناہ سے بچنے کا غم اور محبوبیت عند اللہ

اللہ تعالیٰ جس کو اپنی ولایت کے لیے قبول فرماتے ہیں اس کو لا الٰہ کی تکمیل کی توفیق دیتے ہیں۔ پھر وہ غیر اللہ پر نظر نہیں ڈالتا اور نظر بچا کر زخمِ حسرت کھاتا ہے اور غمِ تقویٰ اُٹھاتا ہے، اِس غم زدہ اور حسرت بھرے دل کو اللہ تعالیٰ اپنا پیار عطا کرتے ہیں۔

اہلِ محبت کے محفوظ عن الارتداد ہونے کی دلیل

اہلِ محبت اہلِ استقامت ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی اہلِ محبت مرتد نہیں ہوا۔ جتنے مرتد ہوئے اور دین سے پھر گئے وہ اہلِ محبت نہیں تھے۔ اسی لیے حکیم الامّت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو طالبِ استقامت ہو وہ اہلِ محبت کی صحبت میں رہے اور اس کی دلیل قرآنِ پاک سے اللہ تعالیٰ نے اختر کو عطا فرمائی۔ میں اپنے بزرگوں کے ملفوظات کو قرآن پاک و احادیث سے مستند کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗۤ [۳۱۹]

جو لوگ دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ایک قوم پیدا کریں گے جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرمائیں گے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے۔ مرتدین کے مقابلے میں اہلِ محبت کا تذکرہ نازل فرمانا دلیل ہے کہ اہلِ محبت مرتد نہیں ہو سکتے کیوں کہ مقابلے میں وہی چیز لائی جاتی ہے جو اس کا بالکل عکس اور تضاد ہو۔ پہلوان کے مقابلے میں اس سے قوی پہلوان پیش کیا جاتا ہے لہٰذا مرتدین کے مقابلے میں اہلِ محبت

۳۱۹؎ المآئدۃ: ۵۴

کو پیش کرنا دلیل ہے کہ یہ ایسے قوی ہیں جو ہمیشہ دین پر قائم رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشق و محبت والا کبھی مرتد نہیں ہو گا۔

آیت نمبر ۸۷

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [۳۲۰]

ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نشانی

سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ کوئی افریقہ سے آیا ہے، کوئی لندن سے، کوئی بلوچستان سے، کوئی پنجاب سے، کوئی سندھ سے، کوئی کہیں سے آیا ہے کوئی کہیں سے لیکن میں سب کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ [۳۲۱]

زبان و رنگ کا اختلاف یہ میری نشانیاں ہیں، اگر کوئی اللہ کی نشانی کو حقیر سمجھے تو اس کی بہت بڑی نالائقی ہے، وہ بڑا بے ہودہ آدمی ہے۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ زبان و رنگ کے اختلاف سے ایک دوسرے کو حقیر سمجھتے ہیں۔ لوگ گناہ کی حقیقت کو سمجھتے نہیں، اگر کوئی اللہ کی نشانی کو نہیں مانتا، انکار کرتا ہے تو یہ کفر ہے۔ کوئی پنجابی بولتا ہے، کوئی سندھی زبان بولتا ہے تو اردو زبان والے ہنستے ہیں۔ اردو اچھی زبان تو ہے لیکن اس کو تمام زبانوں سے اچھا اور افضل سمجھنا جائز نہیں اور کسی زبان کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔ انگریزی زبان کو بھی حقیر نہ جاننا چاہیے، اگر کوئی انگریز مسلمان ہو جائے تو کیا بولے گا؟ انگریزی ہی تو بولے گا۔ پس جتنی زبانیں ہیں سب کو اچھا سمجھو۔ اگر تم لندن میں پیدا ہوتے تو انگریزی بولتے، پنجاب میں پیدا ہوتے تو پنجابی بولتے، سندھ میں پیدا ہوتے تو سندھی بولتے لہٰذا جو زبان تمہاری ہوتی کیا اس کو حقیر سمجھتے؟ لہٰذا کسی زبان کو حقیر نہ سمجھو۔

جب ہم بنگلہ دیش گئے تو کبھی کسی بنگلہ دیشی کو حقیر نہیں سمجھا، اسی وجہ سے سب بنگلہ دیشی عاشق

۳۲۰؎ الحجرات: ۱۰

۳۲۱؎ الروم: ۲۲

ہوگئے کیوں کہ مجھ میں عصبیت نہیں ہے، عصبیت کا نہ ہونا یہ بات بہت کم پاؤ گے۔ میرے کتنے دوست پنجاب کے ہیں لیکن ان کی پنجابی سے مجھے مزہ آتا ہے۔

اپنے قلب کا جائزہ لیتے رہو کہ عصبیت کا کوئی ذرّہ دل میں تو نہیں ہے۔ اگر عصبیت کا ایک ذرّہ بھی دل میں ہوا تو سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ ایک غزوہ میں ایک شخص بہت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جہنمی ہے۔ وہ صحابی اس کے پیچھے لگ گئے۔ آخر میں دیکھا کہ وہ زخمی ہوگیا اور زخموں کی تاب نہ لاکر اپنی تلوار سے اس نے خودکشی کرلی۔ صحابی نے آکر یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اور پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اسلام کے لیے نہیں عصبیت کے لیے لڑ رہا تھا کہ میرے قبیلہ کا نام ہوگا۔ پس خوب سمجھ لو کہ عصبیت جہنم میں لے جانے والی ہے، زبان اور رنگ کو حقیر سمجھنا جہنم میں جانے کا سامان کرنا ہے۔

اس مضمون کو پھیلاؤ، اس کا بہت فائدہ ہوگا، آج کل اس کی ہر جگہ اشاعت کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان اس مضمون کو آگے پھیلائے۔ کسی زبان کو حقیر نہ سمجھو، زبان اور رنگ کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا دلیل ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی نشانی کا انکار کر رہا ہے۔

جتنے آدمی یہاں موجود ہیں سب اس مضمون کو پھیلائیں **وَ اخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَ اَلۡوَانِکُمۡ** آدمی اپنے باپ کی نشانی کی عزت کرتا ہے، اس کو دیکھ کر باپ کو یاد کرکے روتا ہے کہ یہ میرے ابّا کی نشانی ہے۔ وہ بندہ کتنا نالائق ہے جو اللہ تعالیٰ کی نشانی کو جھگڑے کا ذریعہ بناتا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے لندن کے ہوں، چاہے یوگینڈا کے ہوں۔ کالے گورے اللہ تعالیٰ بناتے ہیں، خود نہیں بنتے، اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں۔ رنگ و زبان کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ جو قرآنِ پاک کی کسی آیت پر ایمان نہ لائے وہ قرآن پاک کا انکار کرنے والا ہے۔

میں نے ملاوی میں کہا تھا کہ برطانیہ کے کتّے بلّی اور دوسرے ملکوں کے کتّے بلّی سب کی ایک ہی زبان ہے۔ برطانیہ کا کتا بھی بھوں بھوں کرتا ہے اور افریقہ کا کتا بھی بھوں بھوں کرتا ہے، برطانیہ کی بلّی بھی میاؤں بولتی ہے اور افریقہ کی بلّی بھی میاؤں بولتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی زبانوں میں اختلاف نہیں رکھا کیوں کہ جانوروں کی زبان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی قرار نہیں دیا اور انسان کو مختلف زبانیں اور مختلف رنگ دیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے رنگ اور زبانوں کے اختلاف کو اپنی نشانی قرار دیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے محبت کرو۔ محبوب کی نشانی سے محبت کی جاتی ہے۔ اس کو نفرت، نزاع اور جھگڑے کا ذریعہ نہیں بنایا جاتا۔

آیت نمبر ۸۸

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ[۳۲۲]

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

زبان چل رہی ہے کہ فلاں صاحب میں یہ خرابی ہے، فلاں بے وقوف ہے۔ اسی کا نام غیبت ہے۔ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت ہے۔ یہ شخص اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھارہا ہے اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا کیا تم کو یہ بات پسند ہے کہ تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ؟ وہ تو بے چارہ وہاں موجود نہیں ہے کہ اپنا دفاع کرسکے، مثل مردہ کے ہے۔

آیت نمبر ۸۹

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ[۳۲۳]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، اللہ خوب جاننے والا، پورا خبر دار ہے۔

خاندان وقبائل کا مقصد تعارف ہے نہ کہ تفاضل وتفاخر

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا یعنی بابا آدم علیہ السلام اور مائی حوا علیہا السلام سے وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ اور ہم نے تم کو مختلف خاندانوں میں تقسیم کردیا

۳۲۲؎ الحجرٰت: ۱۲

۳۲۳؎ الحجرٰت: ۱۳

لیکن یہ تقسیم تفاخر کے لیے نہیں بلکہ اس کا مقصد ہے لِتَعَارَفُوْا تاکہ تم کو ایک دوسرے کا تعارف حاصل ہو سکے۔ لیکن ہم لوگوں نے بجائے تعارف کے تفاضل اور تفاخر شروع کر دیا۔ جو پٹیل ہے وہ کہتا ہے کہ ہمارے مقابلے میں سب کھٹیل ہیں یعنی گھٹیا ہیں، کوئی لمبات ہے کوئی گنگات ہے۔ اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا کہ اپنے خاندان پر، اپنی برادری پر، اپنے القاب پر فخر کرنا نادانی ہے جو مقصدِ تعارف کے خلاف ہے۔ اس وقت مجھے بس یہ تھوڑی سی نصیحت کرنی ہے کہ لِتَعَارَفُوْا کا خیال رکھیے۔ تفاخر و تفاضل جائز نہیں کیوں کہ تفریقِ شعوب و قبائل سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے تعارف ہو جائے کہ وہ فلاں خاندان سے ہے، وہ فلاں قبیلہ سے ہے۔ خاندان و قبائل سببِ عزت و شرف نہیں ہے، پھر عزت و شرف کس چیز میں ہے؟ آگے ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ جو جتنا زیادہ متقی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا ہی زیادہ معزز ہے۔

تقویٰ کی تعریف

تقویٰ کی تعریف کیا ہے؟ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں ان پر عمل کرنا اور جن باتوں سے ناراض ہوتے ہیں ان سے بچنا۔ امتثالِ اوامر اور اجتنابِ عن النواہی کا نام تقویٰ ہے۔ دیکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس بات سے خوش ہوتے ہیں اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ ایک تو ہماری خوشی ہے اور ایک اللہ اور رسول کی خوشی ہے جو اپنی ناجائز خوشی کو خوشی خوشی چھوڑ دے یعنی وہ اپنی خوشی کو اللہ ورسول کی خوشی پر قربان کر دے تو سمجھ لو کہ متقی ہو گیا، اللہ کا ولی ہو گیا۔

آیت نمبر ۹۰

وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾ [۳۲۴]

ترجمہ: اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ۔

پس جب میرا نفس اور میری روح آپ کے مقابلے میں مجھ سے دور ہیں اور آپ میرے نفس و روح سے بھی نزدیک تر ہیں لہٰذا آپ ہی بخشش و عطا کے اہل ہیں اس لیے میں آپ ہی سے فریاد رسی و داد خواہی

[۳۲۴] ق: ۱۶

کروں گا وَاَنۡتَ الۡمُسۡتَعَانُ وَعَلَیۡكَ الۡبَلَاغُ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کیوں کہ آپ ہی اس قابل ہیں جس سے مدد طلب کی جائے اور ہماری مدد کو پہنچنا آپ پر احساناً و تفضلاً واجب ہے اور ہم میں گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ہے مگر آپ کی حفاظت سے اور نیکیوں کی قوت نہیں ہے مگر آپ کی مدد سے۔

اے اللہ! آپ میرے نفس سے، میری روح سے، میری رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اے اللہ! جب آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو اقرب کا حق زیادہ ہوتا ہے لیکن ہم کتنے نالائق ہیں کہ پھر بھی آپ پر جان فدا نہیں کرتے اور گناہوں کے تقاضوں کو برداشت نہیں کرتے اور آپ کو ناخوش کر کے اپنے نفس کو خوش کرتے ہیں جب کہ ہم سے زیادہ آپ ہمارے نزدیک ہیں، آپ کے مقابلے میں ہماری جان اور ہمارا نفس بھی ہم سے دور ہے۔ اس لیے ہم نے سارے جہان سے رُخ پھیر کر اب آپ پر اپنی نظر جمالی ہے اور ہم آپ ہی کو پکارتے ہیں کیوں کہ اَلۡاَقۡرَبُ فَالۡاَقۡرَبُ کے تحت آپ کا حق سب سے زیادہ ہے اس لیے اگر ہم اپنی جان کو شہادت کے لیے پیش کر کے جان آپ پر فدا کر دیں تو یہ آپ کا حق ہے کہ جان اپنے قریبی مولیٰ پر فدا کی لیکن حق پھر بھی ادا نہ ہوگا کیوں کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور ؎

با چنیں نزدیکی و دُوریم دُور
در چنیں تاریکیے بفرست نُور

مولانا فرماتے ہیں اے اللہ! آپ ہماری جان سے زیادہ ہمارے قریب ہیں وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ لیکن اس نزدیکی کے باوجود ہم آپ سے بے انتہا دور ہیں۔ دوریم دور مبالغہ ہے، تکرارِ لفظ بلاغت کے لیے آتا ہے۔ تو باوجود اس قرب کے کہ آپ ہماری جان سے زیادہ قریب ہیں پھر ہم آپ سے اتنی دور کیوں ہیں؟ اس دوری کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ نفس ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ سے دور رکھتا ہے جیسے زمین کا گولا چاند کو آفتاب کے نور سے محروم رکھتا ہے۔ جب کرۂ ارض سورج اور چاند کے درمیان میں پورا حائل ہو جاتا ہے تو پورا چاند بے نور ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب حرکت کرتے کرتے یہ زمین کا گولا تھوڑا ہٹتا ہے اور سورج کی تھوڑی سی شعاعیں پڑتی ہیں تو چاند تھوڑا سا روشن ہو جاتا ہے اور وہ چاند کی پہلی تاریخ بنتی ہے اس کے بعد زمین اور ہٹی تو دوسری تاریخ آگئی یہاں تک کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ زمین کا پورا گولا چاند اور سورج کے درمیان سے ہٹ جاتا ہے۔ اس دن پورا

چاند روشن ہو جاتا ہے۔ نفس کو مٹاتے مٹاتے جس دن خدا تعالیٰ یہ مقامِ توفیق عطا فرمادیں کہ شہوت اور غضب کی کوئی حالت نفس کے تابع نہ رہے اور وہ کسی حالت میں استقامت سے الگ نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہر وقت جان فدا کرنے کی توفیق نصیب ہو جائے تو سمجھ لو کہ اس شخص کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کے قلب کا پورا دائرہ نسبت مع اللہ کے چاند سے روشن ہو گیا۔ پھر اس شخص کے الفاظ میں بھی فنائے نفس کے اثرات ہوتے ہیں۔ جس کا نفس جس قدر زندہ ہے اسی قدر تاریکیاں اس کے کلام میں پائی جائیں گی چاہے وہ قرآن و حدیث ہی کیوں نہ بیان کر رہا ہو اور جس کا نفس بالکل مٹ گیا اور اس کا پورا دائرۂ قلب نسبت مع اللہ سے روشن ہو گیا تو اس کا نور اس کے کلام میں بھی شامل ہو گا چاہے وہ دنیا ہی کی باتیں کر رہا ہو۔ اسی وجہ سے اگر کوئی بد دین قرآن و حدیث بیان کرتا ہے تو اس سے گمراہی پھیلتی ہے کیوں کہ اس کے دل میں گمراہی ہے اور اگر کوئی اللہ والا انگریزی اور سائنس وغیرہ کی دنیوی تعلیم دیتا ہے تو اس کے شاگردوں میں دین آئے گا کیوں کہ اس کا دل اللہ والا ہے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رگِ جان سے زیادہ قریب ہیں جو اللہ سے دور ہیں اس کی وجہ ہمارے گناہ ہیں اور اس دور میں اللہ سے دوری کا سب سے بڑا سبب حسین شکلیں ہیں اور شیطان ان کو اور مزین کر دیتا ہے:

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَہٗ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا[۳۲۵]

کیا حال ہے اس شخص کا کہ بُرے عمل جس کے لیے مزین کر دیے گئے اور ان کو وہ حسین دیکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ان کا انجام دیکھو کہ ان حسینوں کا حسن جسمِ اعلیٰ میں ہوتا ہے یعنی آنکھوں میں اور چہرے میں لیکن جو حسنِ اعلیٰ انسان کو مقامِ اسفل کی طرف لے جائے یہی دلیل ہے کہ یہ چیز خراب ہے اور جو ناپاک کر دے یہ دلیل ہے کہ یہ محبت ناپاک ہے مثلاً ایک حسین کو ایک آدمی دیر تک دیکھتا رہتا ہے اس کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ مذی آگئی اور شیطان کہہ رہا تھا کہ ارے بھئی! خالی دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، ہم تو حسن کے جلوؤں میں تجلیاتِ الٰہیہ دیکھتے ہیں۔ اگر آپ تجلیاتِ الٰہیہ دیکھ رہے تھے تو یہ مذی کیوں نکلی، آپ بے وضو کیوں ہو گئے، وضو شکن چیز تو ناپاک ہوتی ہے۔ یہی دلیل ہے کہ یہ ناپاک محبت ہے اور ناپاک نظر ہے۔ آپ کسی اللہ والے کو دس گھنٹہ دیکھیں مذی نہیں آئے گی، قرآن شریف کو تمام عمر دیکھو، کعبہ شریف دیکھو لیکن یہ شیطان بہکاتا ہے کہ ارے! خالی دیکھ لینے سے کیا ہوتا ہے لیکن آپ بلڈ پریشر میں ذرا نمک کھائیے کہ واہ میرے اللہ! آپ

۳۲۵؎ فاطر: ۸

نے کیا نمک پیدا کیا ہے، پھر دیکھیے پریشر ہائی ہو گیا یا نہیں؟ اور ڈاکٹر دو طمانچے لگائے گا۔ ہر حسن انسان کو اسفل کی طرف لے جاتا ہے۔ عشقِ مجازی اوپر سے شروع ہوتا ہے یعنی آنکھوں سے اور گالوں سے اور کالے بالوں سے، اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ ناف کے نیچے گندے مقامات پر لے جاتا ہے۔ اسی لیے حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان بہت ہی دھوکا باز تاجر ہے کہ نمونہ اور سیمپل (sample) دِکھاتا ہے آنکھ اور گال کا اور مال دیتا ہے کتنے گندے مقام کا۔ دیکھو شیطان حسن دکھا کر کس مقام پر انسان کو ذلیل کرتا ہے، اتنا ذلیل کرتا ہے کہ عاشق و معشوق دونوں ایک دوسرے کی نظر میں ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتے ہیں کہ پھر کوئی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔ رحم آتا ہے ایسے ظالم پر جو اپنی اور دوسرے مؤمن کی آبرو کو ضایع کرتا ہے۔ یہ اللہ کا حلم ہے ورنہ ایسے خبیثوں کو بھوسہ بھروا کر دفن کر دیتا۔ اور نفس بھی ایسا احمق اور بدھو اور بے وقوف اور کمینہ ہے کہ بارہا تجربہ کر چکا کہ حسینوں سے کچھ نہیں ملتا سوائے بے چینیو اضطراب اور پریشانی کے جیسے مچھلی چارے کی لالچ سے دریا سے نکل جاتی ہے لیکن ریت میں جا کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے قرب سے مت نکلو چاہے شیطان کتنی ہی گناہ کی لذت پیش کرے کیوں کہ اس کا انجام اضطراب اور بے چینی ہے لہٰذا اگر راحت چاہتے ہو تو دونوں جہاں کی راحتیں تقویٰ میں، اللہ کی رضا میں اور ان کی یاد میں ہیں کیوں کہ اللہ خالقِ دو جہاں ہے، وہ دونوں جہاں کی لذتوں کا خالق ہے تو جو اللہ پر عاشق ہوتا ہے، محبت سے اللہ کا نام لیتا ہے تو دونوں جہاں کی لذتیں بصورتِ کیپسول اس کی روح میں اُتر جاتی ہیں۔ حوروں میں بھی وہ مزہ نہیں ہے جو اللہ کے نام میں ہے کیوں کہ حور حادث ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم واجب الوجود ہے اور قدیم غیر محدود ہوتا ہے تو غیر محدود اللہ کے نام کی لذت کے مقابلے میں مخلوق اور حادث کی کیا حقیقت ہے وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ نکرہ تحت النفی واقع ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے لہٰذا ان کے نام کی لذّت کا بھی کوئی مثل نہیں۔ پس جو اللہ کا نام لیتا ہے دونوں جہاں کی لذّتوں سے بڑھ کر مزہ پاتا ہے۔

وہ شاہِ دو جہاں جس دل میں آئے
مزے دونوں جہاں سے بڑھ کے پائے

یہ انتہائی بے وقوفی اور نادانی ہے جو غیر اللہ کی طرف انسان بڑھتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! باوجود آپ کے نزدیک ہونے کے ہم آپ سے جو دور ہیں، اس کی وجہ نفس کی سازشیں اور آویزشیں اور شہوات اور غصے کی بیماریاں ہیں جو ہمیں اللہ سے دور رکھتی ہیں۔ اس نزدیکی کے باوجود جو ہم اللہ سے دور ہیں اس کا سبب وہی ہے جو ہمارے اکابر نے فرمایا کہ اگر قلب میں نسبت مع اللہ کا چاند پورا روشن نہیں ہوا اور قلب کا تھوڑا سا کنارہ بھی بے نور ہے تو لطف

ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے گناہ پر تھوڑی سی بھی جرأت مت کرو۔ جس طرح وَ رِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ[۳۲۶] میں تنوین تقلیل کے لیے ہے کہ اللہ کا تھوڑا سا راضی ہو جانا اَکۡبَرُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ ہے، اَکۡبَرُ مِنۡ کُلِّ الۡعَالَمِ ہے، سارے جہانوں سے ان کی رضامندی بڑی ہے، اسی طرح ان کی تھوڑی سی ناراضگی بھی عظیم الشان ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت، کوئی پریشانی نہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ باوجود اتنی نزدیکی کے کہ آپ ہماری جان سے بھی زیادہ قریب ہیں پھر بھی ہم اپنے نفس کی غلامی اور نفس کی شہوتوں کی اتباع سے آپ سے دور ہیں ؎

در چنیں تاریکیے بفرست نور

اپنے نفس کی غلامی اور نفس کے غلبہ سے ہم تاریکی میں ہیں۔ اے اللہ! آپ کے آفتابِ نور اور ہمارے قلب کے درمیان ہمارے نفس کا گولا آگیا جس سے ہمارا قلب آپ کے نور سے محروم ہو کر بالکل تاریک ہو گیا۔ جس پر نفس غالب آجاتا ہے وہ گناہ پر جری ہو جاتا ہے، ایسے شخص کے قلب کی دنیا میں اس وقت ایک ذرّہ نور نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہتا ہوں اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے دوستوں اور رفیقوں کے لیے کہ خدا تعالیٰ ہم سب کو ایک سانس بھی اپنی ناراضگی اور نافرمانی میں نہ جینے دے کیوں کہ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤمن کی سب سے بُری گھڑی وہ ہے کہ جس گھڑی وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، مؤمن کی وہ سانس نہایت ہی منحوس اور لعنتی ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کا غضب خریدتا ہے اور وہ سانس نہایت مبارک ہے جس سانس میں وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا ہے۔

پس اے اللہ! ہم اپنے گناہوں سے، اپنی نالائقیوں سے اور اپنی بداعمالیوں سے انتہائی شدید تاریکی میں ہیں اور آپ سے دور ہیں لہٰذا آپ ہمارے دل کی تاریک دنیا میں اپنی رحمت سے نور بھیج دیجیے، گناہوں کے اندھیروں میں تقویٰ کا نور بھیج دیجیے۔

آیت نمبر ۹۱

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمٍ مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۲﴾[۳۲۷]

۳۲۶؎ التوبۃ: ۷۲

۳۲۷؎ الذّٰریٰت: ۳۲

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قومِ لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

جب عذاب کے فرشتوں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے فرشتو! تم کو بڑی مہم کیا درپیش ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ہم ایک مجرم قوم (یعنی قومِ لوط) کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ہم ان پر سنگ باری کر کے ان کو تہس نہس کرنے پر متعین ہوئے ہیں جو مجرم جس پتھر سے ہلاک ہونے والا ہے اس پر اس کا نام بھی لکھا ہے۔ ان پتھروں پر خدا کی طرف سے ایک خاص مہر لگی تھی جس سے وہ دنیا کے پتھروں سے الگ پہچانے جاتے تھے۔ اور جس کنکری پر جس مجرم کا نام لکھا تھا وہ کنکری اس مجرم کا تعاقب کرتی تھی پس پہلے بستی کو اُلٹ دیا گیا پھر پتھراؤ کیا گیا۔ حضرت مرشدی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ چوں کہ یہ عمل اُلٹا کرتے تھے (یعنی غیر فطری عمل) پس اسی مناسبت سے ان کی بستی اُلٹ دی گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت سمجھایا مگر یہ ماننے کے بجائے اپنے نبی کو ایذا دینے لگے، بالآخر یہ چار لاکھ آدمی ایک دم ہی ہلاک کر دیے گئے۔ اس فعل کے مرتکبین کو مجرمین فرمایا گیا ہے۔

الغرض ربّ شدید العقاب نے ان کی سخت ناشائستہ حرکت کی پاداش جو ننگِ انسانیت تھی ان پر پتھر برسائے جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور قومِ لوط کی بستی تہہ و بالا کر دی گئی اور وَتَرَکْنَا فِیْھَاۤ اٰیَۃً اور ہم نے اس واقعہ میں ہمیشہ کے واسطے لوگوں کے لیے ایک عبرت رہنے دی چناں چہ اس سرزمین میں دفعتاً ایک بحیرہ نمودار ہو گیا جو اسی ہولناک حادثہ کی یادگار اور بحیرۂ لوط کے نام سے اب تک مشہور ہے، اس بحیرہ کا پانی اس قدر تلخ اور بدبودار ہے کہ کوئی ذی روح اس کو استعمال نہیں کر سکتا اور اس کے کنارے کوئی درخت نہیں اُگتا۔

آیت نمبر ۹۲

فَفِرُّوْۤا اِلَی اللّٰہِ [۳۲۸]

ترجمہ: تو تم اللہ ہی کی (توحید کی) طرف دوڑو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مفکرِ اعظم صاحب نے سوال کیا کہ اگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں آپ کی نبوت کو تسلیم کر لوں، فرمایا: کہو۔ اس نے کہا کہ اگر کسی کمان سے مسلسل تیروں کی

۳۲۸؎ الذّٰریٰت: ۵۰

بارش ہورہی ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کے جواب کا انتظار فرمایا۔ وحی الٰہی سے جواب عطا ہوا کہ اس سے کہہ دیجیے کہ تیر چلانے والے کے پاس بھاگ کر کھڑا ہو جائے۔ آہ! یہی راز ہے ارشادِ باری تعالیٰ فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ کا اے لوگو! بھاگو اللہ کی طرف۔ اسی مضمون کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب نے اپنے شعر میں خوب ادا کیا ہے ؎

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے، چلانے والا شہِ شہاں ہے

اُسی کے زیرِ قدم اماں ہے، بس اور کوئی مفر نہیں ہے

پس عاقل وہ ہے جو حق تعالیٰ کی رضا جوئی میں جیتا ہے اور اسی میں مرتا ہے اور بے وقوف وہ ہے جو خود سراپا محتاج و محکوم غلام ہونے کے باوجود اپنے بااختیار مولیٰ کو ناراض کیے ہو۔ اسی لیے یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ حمقائے زمانہ کون ہیں؟ فسقائے زمانہ۔ اور عقلائے زمانہ کون ہیں؟ اتقیائے زمانہ۔ ہمیشہ بھلی راہ پر اہلِ عقل چلتے ہیں اور نادان بُری راہ پر۔

آیت نمبر ۹۳

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ[۳۲۹]

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کا ساتھ دیا ہم ان کی اولاد کو بھی (درجہ میں) ان کے ساتھ شامل کردیں گے۔ ان کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہیں کریں گے۔

مؤمنینِ کاملین کا ایک خاص اعزاز

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ والا بن کر دنیا سے چلا جائے اور اس کی اولاد صرف فرض، واجب، سنّتِ مؤکدہ ادا کرے، زیادہ تہجد اور نوافل اپنی نالائقی، غفلت اور سستی سے نہ کر

۳۲۹؎ الطور:۲۱

سکے لیکن پھر بھی وہ ان ہی کے ساتھ لاحق کردی جائے گی۔ یہ اس اللہ والے کا دل خوش کرنے کے لیے ہوگا۔

حکیم الامت نے بیان القرآن میں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں یہ تفسیر کی ہے کہ یہ ذُریت کیا ہے؟ یہ ان کی اولاد ہے۔ کون سی اولاد؟ جو بڑی ہوچکی اور چھوٹی اولاد کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ اپنے اللہ والے آباء سے ملادی جائے گی وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ اور ان کے عمل میں بھی کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ یہ نہیں کہ ان کا عمل تہجد و نوافل وغیرہ کاٹ کر ان سستوں اور کاہلوں کو دے دیا جائے، نہیں! کچھ کمی نہیں کی جائے گی محض ان کے اعزاز و اکرام کے لیے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ لاحق کردیں گے۔ لِتَسْلِیَتِھِمْ وَلِسُرُوْرِھِمْ تاکہ ان کو تسلی ہو اور ان کا دل خوش ہوجائے۔

الحاق مع الکاملین کے متعلق ایک مسئلۂ سلوک

یہاں ایک بڑی خوشی اور بشارت کی بات سناتا ہوں۔ حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر میں جو احادیث ہیں ان میں ایک حدیث میں ذریات کے بعد اولاد کو عطف کیا گیا ہے تو حضرت بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ضروری ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے علاوہ بھی کوئی ذریات ہے یعنی ذریت سے مراد مطلق توابع ہیں لہٰذا اس میں ان شاء اللہ! شاگرد، مریدین اور احباب بھی شامل ہوجائیں گے۔ تلامذہ اور مریدین یہ دونوں محبت اور اطاعت کا تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے بھی داخلہ کی گنجایش ہے۔ تو مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی، حضرت نے تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس میں تلامذہ اور مریدین بھی شامل ہیں یہ بھی ذُرِّیات ہیں، روحانی اولاد ہیں۔

آیت نمبر ۹۴

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ [۳۳۰]

ترجمہ: تو نوح (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں درماندہ ہوں سو آپ (ان سے) انتقام لیں۔

۳۳۰؎ القمر: ۱۰

اللہ تعالیٰ نے آج ایک علمِ عظیم عطا فرمایا کہ جیسے ایک باپ کے کئی بچے ہیں۔ ان میں کچھ قوی ہیں کچھ کمزور ہیں۔ قوی نے کسی کمزور بھائی کے طمانچہ مار کر اس سے کوئی چیز چھین لی تو کمزور چلّاتا ہے کہ ابّا ابّا! دیکھو یہ بھائی مجھے مار رہا ہے۔ یہ کیوں چلّاتا ہے؟ باپ کی شفقت کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ باپ کی شفقت کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ بچے اس کو پکاریں۔ مغلوب بچے غالب بچوں کے مقابلے میں باپ کو پکاریں۔ میرے قلب کو اللہ نے آج یہ علم عطا فرمایا کہ ماں باپ کی شفقت پر ناز کرنے والو! جس طرح کمزور بچہ اپنے ابّا کو پکارتا ہے تم پر بھی کوئی ظلم کرے تو تم بھی اسی طرح مجھ کو پکارو کہ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ اے ہمارے پالنے والے! ہم کمزور پڑ گئے، مغلوب ہو گئے، یہ طاقت والے ہم پر غالب آ گئے، ہم کو ستا رہے ہیں آپ انتقام لیجیے، ہماری فریاد رسی کیجیے، آپ بدلہ لیجیے، ہم بدلہ لینے کے قابل نہیں ہیں پھر جب اللہ بدلہ لیتا ہے تو کیسا لیتا ہے، حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفیاء نے ہمیشہ صبر کیا ہے اور صبر کر کے اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ لے لیا اور مخلوق سے اللہ والوں نے انتقام نہیں لیا کیوں کہ انتقام میں کبھی زیادتی ہو جاتی ہے مان لیجیے کہ کسی نے پچاس سینٹی گریڈ سے ایک طمانچہ مارا، کیا انتقام لینے والے کے پاس کوئی ایسا معیار ہے کہ وہ بھی پچاس سینٹی گریڈ سے ہی اس کے طمانچہ مارے۔ امکان ہے کہ زیادتی ہو جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ راہ بتائی کہ:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ [۳۳۱]

اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو جتنا تم کو ستایا گیا ہے اتنا ہی تم بدلہ لے سکتے ہو لیکن بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ میں مشکلات ہیں، یہ راستہ مشکل ہے کہ بالکل اسی درجہ میں آپ بدلہ لیں، کچھ اعشاریہ بھی اگر زیادتی ہو گئی تو ظالم ہو جاؤ گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا کہ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ اگر تم صبر اختیار کرو تو یہ خیر کا راستہ ہے۔

آیت نمبر ۹۵

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ [۳۳۲]

ترجمہ: اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو۔

۳۳۱؎ النحل: ۱۲۶

۳۳۲؎ الحدید: ۴

اصلی امیر کون ہے؟

جو اللہ کے طالب ہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ ہم غریب ہیں، میں واللہ کہتا ہوں کہ جس کے دل میں اللہ ہے اس سے بڑھ کر کوئی امیر نہیں ہے اور جس ظالم بادشاہ کے پاس اللہ نہیں ہے اس سے بڑھ کر کوئی مسکین اور یتیم نہیں ہے۔ جن چیزوں پر ان کو ناز ہے مرنے کے بعد معلوم ہو گا کہ قبر میں ان کے جنازہ کے ساتھ کون جاتا ہے، لیکن اللہ والے اپنے اللہ کو ساتھ لے کر جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ! زمین کے نیچے بھی ان سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب زمین کے اوپر تم تعلقات میں گھرے ہوئے تھے اس وقت تم نے ہمیں فراموش نہیں کیا اب جب تم اکیلے آئے ہو، بیوی بچوں نے، کاروبار و تجارت نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا اب میں تمہیں کیسے تنہا رکھوں وَ هُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ زمین کے اوپر بھی اللہ ساتھ اور زمین کے نیچے بھی برزخ اور میدانِ محشر میں بھی اور جنّت میں بھی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اہل اللہ کے استغناء کا سبب ان کی لذّتِ باطنی ہے

کوئی بادشاہ کیا جانے اللہ والوں کے مزہ کو! واللہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مزہ اللہ والوں کے قلب میں ہے پوری دنیا کا اجتماعی مزہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پوری کائنات کا مجموعۂ لذات ایک ترازو میں رکھ لو اور خدا کے عاشقوں کے ایک اللہ کا مزہ دوسری میں رکھ لو تو اس مزہ کو سلاطینِ کائنات سمجھ بھی نہیں سکتے کہ یہ کیا مزہ ہے۔ اخترؔ اللہ والوں کا ایک ادنیٰ غلام ہے، یہ فتنہ کا زمانہ ہے۔ مخلوق سے کچھ نہ کہو، اللہ سے دعائیں مانگو، یہ اللہ کا دین ہے، غیب سے ان شاء اللہ! مدد آئے گی۔

آیتِ بالا کی تشریح بعنوانِ دِگر

مرنے والوں کو چاہیے کہ نہ مرنے والے پر مریں اور نہ مرنے والا صرف اللہ ہے، جو زندہ حقیقی ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اگر مرنے والا مرنے والے پر مرا تو مردہ مثبت مردہ، میزان میں ڈبل مردہ ہو جائے گا اور جیتے جی مر جائے گا کیوں کہ ان مرنے والوں سے جدائی لازمی ہے، وصلِ دوام ناممکن ہے، اس لیے ان سے دل لگانے کا انجام جنون اور پاگل پن ہے کیوں کہ وہ فانی محبوب اگر نہ ملا تو اس کے فراق میں پاگل ہو گیا یا اگر مر گیا تو موت کے غم میں پاگل ہو جائے گا۔ مجنون جو پاگل ہوا لیلیٰ کی جدائی سے پاگل ہوا۔ اللہ کے عاشق اس لیے پاگل نہیں ہوتے کہ مولیٰ سے کبھی جدائی نہیں ہے اور یہ طاقت خدائی مخلوق کے

پاس نہیں ہے کہ ہر وقت ساتھ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے کبھی جدائی نہیں ہوتی لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عاشقین غمِ فراق میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اپنے گناہوں سے ہم خود اللہ سے دور ہو کر غمِ فراق میں مبتلا ہو جاتے ہیں، نافرمانی سے اللہ سے دوری ہوتی ہے لیکن استغفار و توبہ سے پھر وہ اپنے مولیٰ کو حاصل کر لیتے ہیں، ان کی دوری حضوری میں تبدیل ہو جاتی ہے جیسے دریا خشک ہو جائے اور پھر پانی آ جائے۔

ایک ہمارا اللہ ہے کہ اگر رات کی تنہائی میں ایک قطرہ آنسو ان کی یاد میں گر گیا تو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہوتے ہیں۔ اس لیے محبت کے قابل صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی عقلی دلیل یہی ہے کہ محبوب ایسا ہونا چاہیے جس کا کوئی مثل اور برابری کرنے والا نہ ہو اور جو ہر وقت ہمارے پاس ہو۔ دنیا کا کوئی محبوب ایسا نہیں ہو سکتا جو ہر وقت ہمارے پاس رہے کیوں کہ کبھی اس کو نیند آئے گی یا آپ کو نیند آئے گی تو وہ آپ سے بے خبر ہو گیا اور آپ اس سے بے خبر ہو گئے اور اس طرح سے فراق ہو گیا، صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے، تم نیند میں اس سے بے خبر ہو سکتے ہو لیکن اللہ تم سے بے خبر نہیں ہوتا، وہ اس وقت بھی تمہیں دیکھتا ہے، تمہاری نگہبانی کرتا ہے، تمہارے پاس ہوتا ہے اور وہ ایسا محبوب ہے جس کے حسن و جمال میں کبھی زوال نہ ہو اور دنیا کے حسینوں کے جغرافیے بدل جاتے ہیں۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ[۳۳۳]

اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ایک نئی شان ہے اور محبت کے قابل وہی ہو سکتا ہے جو اپنے عاشق کو سنبھال سکے اور محبوبانِ مجازی تو خود اپنے کو نہیں سنبھال سکتے، اپنے کالے بالوں کو سفید ہونے سے نہیں روک سکتے۔ وہ اپنے عشاق کو کیا سنبھالیں گے۔ اس لیے عقلاً و نقلاً محبت کے قابل صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

دنیا میں کوئی ابّا ایسا نہیں ہے جو ہر وقت اپنے بچے کے ساتھ رہے، اسکول بھی اس کے ساتھ جائے، اس کے ساتھ کھیل کود میں بھی شامل رہے یا اپنے بیٹے کو تعلیم کے لیے دوسرے شہر یا دوسرے ملک میں بھیجے تو خود بھی اس کے ساتھ جائے لیکن اللہ تعالیٰ ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ ہیں، زمین کے اوپر بھی ساتھ ہیں، زمین کے نیچے قبر میں بھی ساتھ ہیں، برزخ میں بھی، میدانِ حشر میں بھی اور جنّت میں بھی ساتھ ہوں گے۔ لہٰذا سوائے خدا کے کوئی ہر وقت ساتھ نہیں رہ سکتا کیوں کہ ان کا کوئی مثل نہیں، ان کی رحمت کے سامنے ابّا کی رحمت کیا چیز ہے، ہمارا ایک ہی ربا ہے اور لَا مِثْلَ لَهٗ ہے، باقی سب مرنے والے ہیں لہٰذا مرنے والے کو

---

۳۳۳ الرحمٰن:۲۹

چاہیے کہ اس حی و قیوم پر فدا ہو تا کہ وہ زندہ حقیقی ہم مرنے والوں کو، حادث و فانی کو سنبھالے رہے۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی جتنے مراحل ہیں اللہ کا ساتھ ہی ہمارا بیڑا پار کرے گا۔ وہ زندگی میں بیڑا پار کرنے والا ہے، خاتمہ کے وقت ایمان پر موت دینے والا وہی ہے، قبر کے عذاب سے بچانے والا وہی ہے، عالمِ برزخ میں بھی ساتھ دینے والا وہی ہے، میدانِ محشر میں بخشنے والا بھی وہی ہے اور جنّت میں اپنا دیدار کرانے والا بھی وہی ہے کہ اس کے دیدار کے وقت جنّتی جنّت کو اور جنّت کی نعمتوں کو بھول جائیں گے۔ ہمارے مالک نے کہاں ہمارا ساتھ چھوڑا ہے، کوئی مرحلہ اور کوئی مقام ایسا نہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے کہا ہو کہ یہاں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہیں گے۔ لہٰذا محبت کے قابل صرف ہمارا مولیٰ ہے۔ پھر ایسے مولیٰ کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے سینے تو اس قابل نہیں ہیں لیکن ہماری نظر اپنے سینوں پر نہیں ہے، آپ کے کرم، آپ کی رحمت اور آپ کی عطا پر ہے، بدونِ استحقاق، بدونِ صلاحیت محض اپنے کرم سے ہمیں صف اولیائے صدیقین میں شامل فرما لیجیے تا کہ زندگی میں بھی ہمیں آپ کی معیتِ خاصہ حاصل ہو اور گناہ کر کے ہم کبھی آپ سے دور نہ ہوں اور مرنے کے بعد بھی آپ کے کرم سے مشرف ہوں جو آپ کے اولیاء کا نصیبہ ہے۔

آیت نمبر ۹۶

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ [۳۳۴]

ترجمہ: دنیوی زندگانی محض دھوکے کا سبب ہے۔

دنیا دار الغرور کیوں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس دنیا کو دار الغرور کا لقب دیا ہے کہ یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، متاع الغرور ہے، دھوکے کی پونجی ہے۔ دنیا میں اگر کسی بلڈنگ پر لکھ دیا جائے کہ دھوکے کا گھر تو آدمی وہاں جا کر گھبرائے گا اور وہاں کی ہر چیز کو دھوکا سمجھے گا۔ معلوم ہوا کہ جو دھوکے کا گھر ہے تو اس گھر میں جو چیزیں ہیں فیہ مافیہ جو کچھ بھی اس میں ہے ان سب میں دھوکا ہوتا ہے تو اس خالقِ کائنات نے جب اس کائنات پر دار الغرور کا لیبل لگا دیا کہ میں نے یہ کائنات پیدا کی ہے لیکن اس سے دل نہ لگانا یہ دھوکے کا گھر ہے۔ تو جب دنیا

۳۳۴؎ الحدید: ۲۰

دارالغرور ہے تو یہ بِجَمِیْعِ اَجْزَاءِھَا وَ بِجَمِیْعِ اَشْیَاءِھَا وَ بِجَمِیْعِ اَعْضَاءِھَا وَ بِجَمِیْعِ نَعْمَاءِھَا سب کا سب دھوکا ہے مگر وہ چیز جو ہمیں اللہ سے جوڑ دے اور اللہ تک پہنچا دے وہ دنیا نہیں ہے۔ وہ روٹی دنیا نہیں ہے جس کو کھا کر ہم عبادت کریں اور روٹی سے پیدا شدہ طاقت کو اللہ پر فدا کریں، وہ گھر جس میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ دنیا نہیں ہے، وہ دولت جو اللہ پر فدا ہو مسجد کی تعمیر، اور مدرسہ کی تعمیر اور علماء کی خدمت میں صرف ہو وہ دنیا نہیں ہے۔ دنیا وہی ہے جو ہم کو اللہ سے غافل کر دے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل بودن

دنیا اللہ سے غافل ہو جانے کا نام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو جو دارالغرور فرمایا اس کی حکمت مولانا رومی نے بیان فرمائی ہے۔

زاں لقب شد خاک را دارالغرور
کو کشد پارا سپس یوم العبور

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو دارالغرور کا لقب اس لیے دیا کہ جو دنیا تمہارے آگے پیچھے پھرتی ہے بیوی بچے، مال و دولت، دوست احباب، کار اور کاروبار سب تمہارے ساتھ ہوتے ہیں لیکن جب اس دنیا سے گزرنے کا وقت آتا ہے تو یہ دنیا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور لات مار کر قبر میں دھکیل دیتی ہے اور مردہ بزبانِ حال یہ شعر پڑھتا ہے۔

دبا کے چل دیے سب قبر میں دعا نہ سلام
ذرا سی دیر میں کیا ہوگیا زمانے کو

جو دوست ہر وقت وفاداری کا دم بھرتا ہو لیکن گاڑھے وقت میں ساتھ چھوڑ دے اور بے کسی اور کسمپرسی میں چھوڑ کر الگ جا کھڑا ہو وہ بے وفا اور دھوکے باز کہلاتا ہے یا نہیں؟ اسی لیے دنیا کو دارالغرور فرمایا گیا ہے۔

دنیا متاع الغرور یعنی دھوکے کی پونجی ہے اور متاع کیا چیز ہے؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجمی عالم علامہ اصمعی کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ "متاع" اور "رقیم" کی تحقیق کے لیے عرب کے دیہات میں گئے کیوں کہ دیہات میں اس زمانے میں ٹکسالی زبان بولی جاتی تھی، شہروں میں تو دوسری زبانوں کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ علامہ اصمعی نے دیکھا کہ ایک گاؤں میں ایک چھوٹا سا بچہ بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں ایک چتکبرا کتا آیا اور چولہے کے پاس برتن صاف کرنے کا ایک میلا سا کپڑا تھا، کتے نے اس کو منہ میں لیا اور ایک پہاڑ پر جا کر بیٹھ گیا۔ جب ماں آئی

تو بچے نے کہا یَا اُمِّیْ جَاءَ الرَّقِیْمُ وَ اَخَذَ الْمَتَاعَ وَتَبَارَكَ الْجَبَلَ۔ علامہ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک جملہ میں تین لغات حل ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ رقیم چتکبرے کتے کو کہتے ہیں اور متاع اس حقیر اور میلے کپڑے کو کہتے ہیں جس سے باورچی خانہ میں برتن صاف کیے جاتے ہیں جس کو اُردو میں صافی کہتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ دنیا متاع، حقیر، ذلیل اور بری کب ہے؟ اِنْ اَلْهَتْكَ عَنِ الْاٰخِرَةِ اگر آخرت سے غافل کر دے:

اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَّ طُلَّابُهَا كِلَابٌ[۳۳۵]

دنیا مُردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں لیکن یہ دنیا جیفہ اور متاع یعنی حقیر و ذلیل بشرطِ شئ ہے اور بشرط شئ کیا ہے؟ اِلْهَآءٌ عَنِ الْاٰخِرَةِ یعنی آخرت سے غفلت اور اگر آخرت سے دنیا غافل نہ کرے تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِذَا دَعَتْكَ اِلٰى طَلَبِ رِضْوَانِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَطَلَبِ الْاٰخِرَةِ فَنِعْمَ الْمَتَاعُ وَنِعْمَ الْوَسِیْلَةُ[۳۳۶] اگر تم دنیا کو آخرت کے لیے وسیلہ بنالو اور آخرت کا ذریعہ بنالو تو فرماتے ہیں کہ پھر دنیا ذلیل نہیں ہے وہ بہترین پونجی ہے ایک شخص اپنے مال سے علماء دین کی خدمت کر رہا ہے، مسجد اور مدرسے بنا رہا ہے، دین کی کتابیں چھاپ رہا ہے، طلباء و صلحاء کو کھانا کھلا رہا ہے تو کیا اس کی یہ دنیا متاعِ غرور اور ذلیل وحقیر ہے؟ یہ تو اس کی بہترین پونجی ہے جو اللہ پر فدا ہو رہی ہے۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ

لَا یَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ[۳۳۷]

متقی تیرا کھانا کھائے کیوں کہ متقی کھانا کھا کر جو نیک کام کرے گا وہ کھلانے والے کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگا پس اس کی یہ دنیا ہرگز حقیر نہیں کیوں کہ آخرت کی تعمیر کا وسیلہ اور ذریعہ بن رہی ہے۔ لیکن یہ دولت ہر ایک کو نہیں ملتی۔ ہر ایک کا یہ نصیب کہاں کہ دنیا اس کو اللہ سے غافل نہ کرے۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا راز ہر سینہ کو عطا نہیں فرماتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے سرکاری کام کے لیے، اپنی ولایت و محبت و دوستی کے لیے ہزاروں میں سے کسی ایک کا

---

۳۳۵ کشف الخفاء: ۴۰۹/۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۳۳۶ روح المعانی: ۱۸۵/۲۷، الحدید (۲۰)، دار احیاء التراث، بیروت

۳۳۷ جامع الترمذی: ۶۰/۲، باب ما جاء فی صحبۃ المؤمن، ایچ ایم سعید

انتخاب کرتا ہے، ہر شخص کو یہ سعادت و عزت و شرف نہیں ملتا۔ اور سرکاری کام کے لیے اللہ کی طرف سے جس کا انتخاب ہوتا ہے اس کو جو ساتھی دیے جاتے ہیں وہ بھی منتخب ہوتے ہیں۔ صحابہ کا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتخاب ہوا تھا۔ دنیا ہی میں دیکھ لیجیے جب کوئی باپ اپنے بیٹے کو سفر پر بھیجتا ہے تو اس کو اچھے سے اچھے باوفا اور جاں نثار ساتھی دیتا ہے۔ جب ایک باپ کی رحمت کا یہ تقاضا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تو اپنے پیارے پیغمبر کی نصرت کے لیے آپ کو صحابہ بھی انتہائی باوفا، جاں نثار اور نہایت پیارے منتخب کرکے دیے۔ اس لیے صحابہ پر اعتراض کرنے والے انتہائی احمق ہیں۔ صحابہ پر اعتراض کرنا اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ نعوذ باللہ! اپنے پیغمبر کو اللہ نے صحیح ساتھی نہیں دیے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بھی انکار ہے کہ ایک باپ تو اپنے بیٹے کو باوفا ساتھی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نعوذ باللہ نبی کے ساتھ یہ رحمت نہیں کی العیاذ باللہ نقلِ کفر کفر نباشد۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَنْ اَنَسٍ مَّرْفُوْعًا: مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَقَدْ سَبَّنِیْ وَمَنْ سَبَّنِیْ فَقَدْ سَبَّ اللّٰہَ[۳۳۸]

جس نے میرے صحابی کو بُرا کہا اس نے مجھے بُرا کہا اور جس نے مجھے بُرا کہا اس نے اللہ کو بُرا کہا۔ صحابہ کی عظمت شان کے لیے یہی ایک حدیث کافی ہے۔ یہ میرا کمال نہیں میرے بزرگوں کا صدقہ ہے جن کی اختر نے جوتیاں اٹھائی ہیں۔

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ آخرت سے غفلت کا سبب یہی دھوکے کا گھر ہے جو قبرستان میں سُلا کر ایک دن بے گھر کر دیتا ہے۔ اور موت کی گہری فکر سے مراقبہ کرنے سے دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ قبرستان بھی گاہ گاہ جاکر خوب غور سے سوچے کہ یہاں بوڑھے، جوان، بچے، عورت، مرد، امیر، غریب حتیٰ کہ وزراء اور سلاطین بھی کیڑوں کی خوراک بن کر بے نام و نشان ہو گئے۔

دنیا اگر دل کے باہر ہو اور دل میں حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو یعنی نعمت کی محبت سے نعمت دینے والے کی محبت غالب ہو تو آخرت کی کشتی ٹھیک چلتی ہے اور اسی دنیا سے دین کی خوب تیاری ہوتی ہے اور اگر دنیا کی محبت کا پانی دل کے اندر گھس گیا یعنی آخرت کی کشتی میں دنیا کا پانی داخل ہو گیا تو پھر دونوں جہاں کی تباہی کے سوا کچھ نہیں، دنیا کا نفع اور سکون بھی چھن جائے گا جس طرح کشتی کے غرق ہوتے وقت پھر وہ پانی کشتی کے لیے

۳۳۸؎ مطالب أولی النھی فی شرح غایۃ المنتھی: ۲۲۲/۶، باب التعذیر، المکتب الاسلامی

باعثِ سکون ہونے کے بجائے باعثِ ہراس وتباہی ہو جاتا ہے، پس نافرمان انسان کے پاس یہ دنیا سببِ نافرمانی بن جاتی ہے اور اللہ والوں کے پاس یہ دنیا فرماں برداری میں صرف ہوتی ہے اور باعثِ چین وسکون ہوتی ہے۔

تعجب ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا تو دنیا کو قرآن میں دار الغرور (دھوکے کا گھر) فرمائے اور ہم مخلوق ہو کر اس دھوکا کے گھر سے دل لگائے بیٹھے ہیں۔ حق تعالیٰ نے دنیا کی محبت اور حیاتِ دنیا سے اطمینان اور خوشی کا سبب آخرت پر عدم یقین ارشاد فرمایا ہے ورنہ آخرت کی فکر کے ساتھ تو ذکرِ الٰہی کے سوا کوئی چیز باعثِ اطمینان نہیں ہو سکتی۔ چوبِ بوسیدہ پر سہارا لگا کر کھڑا ہونا جس طرح حماقت ہے اسی طرح موت کے یقینی آنے کے باوجود دنیا کی لذّتوں کو سہارۂ اطمینان بنانا بھی حماقت ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی پیاری دعا مانگی کہ اے اللہ! جب اہلِ دنیا کی آنکھیں تو ان کی (فانی) دنیا سے ٹھنڈی کرتا ہے تو ہماری آنکھیں اپنی عبادت سے ٹھنڈی فرما (جس کی لذت غیر فانی ہے)۔

دنیوی زندگی دھوکے کا سامان

دنیا کی ہر چیز فانی اور آنی جانی ہے، یہاں نہ بہار کو قرار ہے نہ خزاں کو، نہ راحت کو نہ مصیبت کو، نہ غم کو نہ خوشی کو، نہ مال ودولت کو نہ عہدہ ومنصب کو، نہ بیوی بچوں کو، نہ دوست احباب کو یعنی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی کسی چیز کو یہاں قرار نہیں۔ سب آنکھیں چرانے والی ہیں، یہاں تک کہ خود انسان کی زندگی اور صحت اس سے بے مروتی اور بے وفائی کا ہر روز اعلان کرتی ہے، قرآن مجید نے دنیوی زندگی کی حیثیت کو بڑے دل نشین انداز میں سمجھایا ہے۔ ارشاد ہے:

ترجمہ: خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض کھیل کود اور ظاہری خوش نمائی اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں ایک دوسرے پر برتری جتلانا ہے، گویا کہ بارش ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے، پھر خشک ہو جاتی ہے، سو تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذابِ شدید بھی ہے، اور اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی بھی اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان (متاع الغرور) ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس عارضی وفانی دنیا کے برعکس عالمِ آخرت باقی ولازوال ہے اور وہاں کی کیفیتیں دو ہیں، دونوں ثابت وباقی، ایک کافروں کے لیے اور وہ عذابِ شدید ہے، دوسری ایمان والوں کے لیے اور وہ

اللہ کی مغفرت و رحمت ہے، اب انسان کو اختیار ہے کہ ان دو میں سے جس کو چاہے اپنا مقصودِ اعظم بنالے۔

آیت نمبر ۹۷

یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ[۳۳۹]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اُخروی) درجے عطا کرے گا۔

اہلِ علم کا بلند درجہ

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا درجہ بلند کرتا ہے، آگے فرماتے ہیں وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ تو عالم بھی تو ایمان والے ہیں، ان کی تعریف تو ان میں شامل تھی لیکن وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ میں ان کو الگ کیوں بیان کیا گیا؟ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سارے مؤمن کتنے ہی مبلغ ہو جائیں، کتنے ہی عابد ہو جائیں، اتنی کرامت ہو جائے کہ آسمانوں میں اڑنے لگیں لیکن وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ یعنی علماء کے درجات کے مقابلے میں نہیں آسکتے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کو الگ بیان کر کے جتنی عزت بخشی ہے کسی اور کو ایسی عزت عطا نہیں فرمائی۔ اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے عوام کے دل میں علماء کی عظمت کم ہو۔ اگر عوام میں علماء کی عظمت نہ ہوگی تو بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔ پھر نتیجہ کیا ہوگا کہ علماء کو بھی نفرت پیدا ہو جائے گی اور اس سے کیا ہوگا؟ دونوں کو نقصان پہنچے گا، علماء کو کم پہنچے گا عوام کو زیادہ پہنچے گا، علماء کو یہ کہ عوام کی خدمت کی سعادت نہیں ملے گی اور عوام علماء سے متنفر ہو کر بالکل ہی محروم ہو جائیں گے، نہ صحیح راستہ پر رہیں گے نہ حدود کا خیال کریں گے۔

---

[۳۳۹] المجادلۃ: ۱۱

آیت نمبر ۹۸

وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا[۳۴۰]

ترجمہ: اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر ایک کام میں آسانی کر دے گا۔

اہل اللہ تفویض و توکل و فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں اور انہماک فی الدنیا نہ ہونے سے عوام ان کو کاہل سمجھتے ہیں جیسے بعض اہلِ دنیا بھی کاہل ہوتے ہیں۔ دونوں کی ظاہری صورت ایک سی معلوم ہوتی ہے لیکن اہلِ دنیا کی کاہلی اور اہلِ آخرت کی کاہلی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ دنیا کی کاہلی نفس کی راحت پسندی اور آرام طلبی کے سبب ہوتی ہے اور اہلِ آخرت کی کاہلی اسبابِ دنیا میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب تفویض و توکل اور اپنے ارادوں کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کر دینا ہے۔

اللہ والے دنیا کے کاموں میں تو کاہل نظر آتے ہیں مگر آخرت کے کاموں میں وہ ایسے عالی حوصلہ، مستعد اور سرگرم ہیں کہ اپنی رفتار سے چاند پر بھی سبقت لے جاتے ہیں یعنی امتثالِ اوامرِ الٰہیہ اور اجتناب عن المعاصی میں ان کی سرگرمی و جانبازی کا اہلِ دنیا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور چوں کہ اہلِ دنیا کو اعمالِ آخرت کی اہمیت نہیں اس لیے دنیا میں منہمک نہ دیکھ کر وہ اہل اللہ کو کاہل سمجھتے ہیں۔ اعمال کی بنیاد اور اساس دراصل یقین پر ہے۔ اہلِ دنیا چوں کہ دنیا پر یقین رکھتے ہیں اس لیے دنیا کے اعمال میں وہ سرگرم و مستعد ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ایک شخص اپنی فیکٹری اور کارخانے کے لیے ساری رات جاگتا ہے، یہ مشقت اسے آسان ہے لیکن دو رکعت پڑھنا بھاری ہیں اور اہلِ آخرت کو کیوں کہ آخرت پر یقین ہے اس لیے یہ یقین ان کو سرگرمِ اعمالِ آخرت رکھتا ہے اور دنیا کے کاموں میں منہمک نہیں ہونے دیتا کیوں کہ دنیا کی حقارت و فنائیت کا یقین ان کو ہمہ وقت مستحضر رہتا ہے۔ اسی لیے اہلِ دنیا ان پر کاہلی کا الزام لگاتے ہیں لیکن موت کے وقت دونوں قسم کے اعمال کی سرگرمیوں کا انجام نظر آجائے گا کہ کون کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور کون ناکامی کے گڑھے میں گر رہا ہے۔

۳۴۰؎ الطلاق: ۴

فَسَوۡفَ تَرٰی اِذَا انۡکَشَفَ الۡغُبَارُ

اَفَرَسٌ تَحۡتَ رِجۡلِکَ اَمۡ حِمَارٌ

عن قریب دیکھ لوگے جب غبار چھٹے گا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر۔ اس وقت اہلِ آخرت کی خوشی کی اور اہلِ دنیا کے غم کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

پس اہلِ آخرت یعنی اہلِ تقویٰ بن جاؤ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ آپ کو روزی مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ملے گی یعنی ایسی جگہ سے ملے گی کہ آپ کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ اس کے لیے نہ اسمبلی کی ممبری کے لیے الیکشن لڑنا ضروری ہے نہ زکوٰۃ کمیٹی کی چیئرمینی حاصل کرنے کی کوشش ضروری ہے کہ یہ سب دنیاداری ہے۔

اہل اللہ کے کاموں میں آسانی کا راز

اب جو بات کہنا چاہتا ہوں شاید ہی کسی تفسیر میں پاؤ گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں اور دوستوں کے مشکل کام کو کیوں آسان کر دیتے ہیں اس کا کیا راز ہے؟ تو راز سنیے۔ ایک دوست ہمارے پاس یا آپ کے پاس روزانہ آتا ہے، تھوڑی دیر بیٹھتا ہے، چھ مہینے تک آیا پھر آنا بند کر دیا تو آپ اپنا آدمی بھیجتے ہیں کہ دیکھو کیا بات ہے، نہ معلوم کس مشکل میں مبتلا ہو گیا ہے تو اس کا آنا آپ کو پیارا اور محبوب تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی مقدمہ میں پھنس گیا ہے تو اگر آپ مالدار ہیں تو فوراً کہیں گے کہ مقدمہ لڑو، وکیل کا خرچہ ہم دیں گے۔ جو کچھ آپ کے اختیار میں ہوگا آپ اس کو نجات دلائیں گے اور کہیں گے کہ تم آیا کرو، تمہارا مشکل کام ہم ان شاء اللہ! آسان کر دیں گے۔ تمہارے نہ آنے سے مجھے دُکھ ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ روزانہ اللہ کو یاد کرتا ہے لیکن پھر کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے اور ذکر کا ناغہ کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو تلاش کرتی ہے اور اس کے مشکل کاموں کو آسان کر دیتی ہے۔ پیاسے اگر پانی کو ڈھونڈتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے۔ ہم تنہا نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں پیار کرتے ہیں تب ہی تو ہم ان کو پیار کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۹۹

اَلَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا[۳۴۱]

۳۴۱؎ الملک:۲

ترجمہ: جس نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمایش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

زندگی کا مقصد کیا ہے؟

دنیا میں آنے کا کیا مقصد ہے؟ حالاں کہ انسان اشرف المخلوقات ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی سے پوچھو کہ آپ نے ہمیں کیوں دنیا میں بھیجا ہے؟ خالقِ حیات سے پوچھو کہ ہماری زندگی کا کیا مقصد ہے؟ اور خالقِ حیات فرمارہے ہیں کہ اَلَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا میں نے تم کو موت اور زندگی دی ہے۔

موت کی حیات پر وجہِ تقدیم

اور موت کو مقدم کر رہا ہوں اس لیے کہ جس زندگی نے اپنی موت کو سامنے رکھا وہ زندگی کامیاب ہو گئی اس لیے موت کو پہلے بیان کر رہا ہوں خَلَقَ الۡمَوۡتَ کی تقدیم کی وجہ یہ ہے قَدَّمَ اللہُ تَعَالٰی مَوۡتَ عَبۡدِہٖ عَلٰی حَیَاتِہٖ یعنی موت کو مقدم اس لیے کیا کہ جو زندگی اپنی موت کو سامنے رکھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو منہ دِکھانا ہے، اللہ کے پاس جانا ہے تو وہ سانڈ اور جانور کی طرح آزاد نہیں رہے گی یعنی گندے کام نہیں کرے گی اور ڈرے گی اور مقصدِ حیات بتادیا لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا تاکہ ہم تم کو دیکھیں کہ تم اچھے عمل کرتے ہو یا خراب عمل کرتے ہو، معلوم ہوا کہ دنیا میں آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

آیت نمبر ۱۰۰

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا[۳۴۲]

ترجمہ: میں نے (ان سے یہ) کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

---

[۳۴۲] نوح:۱۰

حکمِ استغفار کے عاشقانہ رموز

اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔ ایک تو یہ کہ ہم سے گناہ سرزد ہوں گے جب ہی تو معافی مانگنے کا حکم دے رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ اگر معاف نہ کرنا ہوتا تو معافی کا حکم نہ دیتے جس طرح شفیق باپ جب بیٹے سے کہتا ہے کہ معافی مانگو تو اس کا معاف کرنے کا ارادہ ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مجھ سے معافی مانگو یہ دلیل ہے کہ وہ ہم کو معاف کرنا چاہتے ہیں لہٰذا معافی مانگنے میں دیر نہ کرو۔

میرا ذوق یہ ہے کہ جس نے ایک بار بھی اخلاص سے اللہ کا نام لے لیا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں نہیں ڈالیں گے۔ ان کا نام بہت بڑا نام ہے جس کے منہ سے ایک بار بھی محبت سے ان کا نام نکل گیا اللہ کی رحمتِ غیر محدود سے بعید ہے کہ اس کو جہنم میں ڈال دیں اور جس کا ایک آنسو اللہ کے لیے نکل گیا وہ کبھی مردود نہیں ہو سکتا، اس کا سُوئے خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ آنسو محفوظ ہو جاتا ہے اگر کبھی نفس سے مغلوب ہو کر وہ اللہ سے بھاگ بھی جائے تو اللہ کے علم میں وہ آنسو محفوظ ہوتا ہے۔ اس کو بہانہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو تلاش کر لیتی ہے کہ یہ کبھی ہمارے لیے رویا تھا، اس کو ہم کیسے ضایع کر دیں۔

یہ معمولی باتیں نہیں ہیں، میرے بزرگوں کی جوتیوں کا صدقہ ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ علوم عطا فرماتے ہیں۔

آیتِ بالا کی تشریح بعنوانِ دِگر

تعمیرِ حال اور تعمیرِ مستقبل کا سامان

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اپنے رب سے مسلسل مغفرت مانگتے رہو۔ یہ مسلسل کا لفظ میں نے کیوں استعمال کیا؟ کیوں کہ اِسۡتَغۡفِرُوۡا امر ہے اور امر بنتا ہے مضارع سے اور مضارع کے اندر تجدُّدِ استمراری کی خاصیت ہوتی ہے یعنی بار بار اس کام کو کیا جائے۔ عربی قواعد (گرامر) کی رو سے فعلِ مضارع میں دو زمانہ پایا جانا لازم ہے، ایک زمانۂ حال اور دوسرا زمانۂ مستقبل تو معنیٰ یہ ہوئے کہ موجودہ حالت میں بھی ہم سے مغفرت مانگو اور آیندہ بھی مانگتے رہنا لہٰذا یہ آیت دلیل ہے کہ ہم سے خطائیں ہوں گی موجودہ حالت میں بھی اور آیندہ حالت میں بھی لیکن ایسا کریم مالک ہے جس نے اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ کا حکم دے کر ہمارا حال بھی بنا دیا اور مستقبل بھی بنا دیا۔ واہ! کیا شان ہے مالک کی کہ تعمیرِ حال اور تعمیرِ مستقبل دونوں کا سامان اس آیت میں اپنے کرم سے

نازل فرمادیا کہ موجودہ حالت میں تم سے کوئی خطا ہو جائے تو ہم سے معافی مانگ لو اور اگر آیندہ بھی ہو جائے تو نا اُمید نہ ہونا، ہم سے معافی مانگ لینا اور یہاں رب کیوں نازل کیا کہ پالنے والے کی محبت ہوتی ہے جیسے امّاں ابّا سے معافی کی بچوں کو جلد امید ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں رب نازل فرما کر بتادیا کہ اپنے پالنے والے سے نا امید نہ ہونا، میں تمہارا پالنے والا ہوں اور پالنے والا جلد معاف کرتا ہے لہٰذا مغفرت مانگتے رہو، بخشش مانگتے رہو اور بخشش مانگنے میں مزہ بھی تو ہے۔ مغفرت مانگنے کا الگ مزہ ہے۔

گناہ کی دو تکلیفیں

گناہ کرنے سے بندے کو، عاشقِ باوفا کو دو تکلیفیں ہوتی ہیں: ایک تو یہ غم ہوتا ہے کہ مجھ سے کیوں نالائقی ہوئی اور میں نے اپنے پالنے والے کو کیوں ناراض کیا۔ دوسرے ہر گناہ سے روح کو تکلیف پہنچتی ہے کیوں کہ گناہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ ماں باپ سے دوری باعثِ غم ہے یا نہیں؟ تو اصلی پالنے والا تو اللہ ہے، اس حقیقی پالنے والے کی دوری سے کس قدر غم ہو گا جب کہ ماں باپ اصلی پالنے والے نہیں، متولی ہیں۔ پالنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متولی بنایا گیا ہے اگر ماں باپ ہی اصلی پالنے والے ہوتے تو ان کے مرنے کے بعد بچے کو مر جانا چاہیے تھا، ماں باپ کی موت کے بعد بچوں کی موت لازمی ہوتی لیکن جب ماں باپ نہیں ہوتے تو بھی تو بچہ پل جاتا ہے کیوں کہ اصلی پالنے والا تو زندہ ہے لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے یتیم بچے اپنے ماں باپ کے زمانۂ پرورش سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی پرورش پا جاتے ہیں۔

گناہ کی تکلیفوں کا مداوا

تو اللہ تعالیٰ نے رب نازل فرمایا کہ اگر تم سے نالائقی ہو گئی اور گناہ سے تم کو دو غم ہوئے ایک تو میری ناراضگی کا غم اور دوسرے تمہاری روح کو تکلیف ہوئی کہ اپنے پالنے والے سے الگ ہو گئے جیسے لائق بیٹا ماں باپ سے جدا ہوتا ہے تو اسے غم ہوتا ہے تو میں لفظ رب نازل کر رہا ہوں کہ دیر نہ کرو، اپنے پالنے والے سے معافی مانگ لو تو اللہ تعالیٰ نے ہماری دونوں تکلیفیں دور کرنے کا اس استغفار میں انتظام فرمادیا کہ معافی مانگ کر تم اپنے پالنے والے سے پھر قریب ہو جاؤ گے، گناہ سے جو دوری ہوئی تھی استغفار کی برکت سے تمہاری دوری حضوری سے بدل جائے گی اور گناہ سے تمہاری روح کو جو پریشانی اور بے قراری تھی جب استغفار کرو گے، اللہ سے مغفرت کی بھیک مانگو گے، اپنی بخشش مانگو گے، تو کیا ہو گا؟ وہ پریشانی سکون سے بدل جائے گی کیوں کہ ہر

نیکی اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہے اور ہر گناہ اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے۔ نافرمانی کا اللہ تعالیٰ سے دور کرنا یہ کون سی ایسی باریک بات ہے جو سمجھ میں نہ آئے، ہر بندہ جانتا ہے کہ گناہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری ہو جاتی ہے لہٰذا اِسْتَغْفِرُوْا نازل فرمایا کہ اے میرے بندو! مجھ سے معافی مانگتے رہو فی الحال بھی اور آیندہ بھی یعنی فی الحال بھی اُمید دلا دی اور مستقبل کی بھی اُمید دلا دی کہ اگر آیندہ بھی تم سے کوئی خطا ہو جائے تو معافی مانگ لینا کیوں کہ مضارع کے اندر حال اور استقبال دونوں زمانہ ہوتا ہے اور رب نازل کر کے اور زیادہ امید دلا دی کہ میں تمہارا پالنے والا ہوں، پالنے والا جلد معاف کر دیتا ہے اور گناہ سے جو تکلیف اور جو دوری ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے لذت سے بدل دیا کہ جب کہو گے اے میرے پالنے والے تو کیا قرب نہیں ہو گا؟

استغفار سے لفظ ربّ کا ربط

بچہ جب کہتا ہے ابّا معاف کر دو۔ تو کیا وہ ابّا سے قریب نہیں ہو جاتا۔ جو صاحبِ اولاد ہیں ان سے پوچھو کہ اگر اولاد ابّا نہ کہے خالی یہ کہے کہ معاف کر دیجیے تو ابّا کو مزہ نہیں آئے گا لیکن جب بچہ یوں کہتا ہے کہ اے ابا، اے میرے ابو، اے میرے بابا! مجھے معاف کر دیجیے تو کیا ابا کے لفظ سے ابا کے دل پر کیفیت طاری نہیں ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دریا میں طوفان اور جوش لانے کے لیے یہاں رب نازل کیا اور اپنے بندوں کو سکھایا کہ ہم سے یوں کہو کہ اے میرے پالنے والے! مجھ کو معاف کر دیجیے۔ مجھ سے نالائقی ہو گئی۔ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اپنے پالنے والے سے معافی مانگو۔

مغفرت کا غیر محدود سمندر

اور آگے فرمایا اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یعنی اللہ تعالیٰ صرف بخشنے والا ہی نہیں ہے، بہت زیادہ بخشنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ غَافِر ہی نہیں ہے غَفَّارْ بھی ہے، مغفرت کا بحرِ ذخار ہے کہ اگر سارے عالم کو بخش دے تو اس کی مغفرت کے غیر محدود سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ کیوں؟ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ اے وہ ذات کہ ہمارے گناہوں سے جس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا! جو سورج کی طرف تھوکتا ہے تو اس کا تھوک اس کے ہی منہ پر گرتا ہے۔ اللہ تو بڑی شان والا ہے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ گناہوں سے ہم کو ہی نقصان پہنچتا ہے لہٰذا سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو سکھا رہے ہیں کہ یوں کہو یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ اے وہ ذات کہ ہمارے گناہوں سے جس کو کچھ نقصان

نہیں پہنچتا! وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ اور بندوں کو معاف کرنے سے اس کی مغفرت کچھ کم نہیں ہوتی، اس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی فَاغْفِرْ لِيْ مَا لَا يَضُرُّكَ تو میرے ان گناہوں کو آپ معاف کر دیجیے جن سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ہم لوگ تو دوسروں کو معاف کرنے میں اس لیے دیر کرتے ہیں کہ ہم کو نقصان پہنچتا ہے یہ دلیل اس کے اندر پوشیدہ ہے۔ وَهَبْ لِيْ مَا لَا يَنْقُصُكَ[۳۴۳] جس چیز کے دینے سے آپ کے خزانہ میں کمی نہیں آتی وہ مغفرت کا خزانہ ہم کو دے دیجیے۔

فرضیتِ تقویٰ کا عاشقانہ راز

اللہ تعالیٰ نے اپنے مزاجِ اُلوہیت کی بزبانِ نبوت سارے عالم کو اطلاع کر دی کہ اے گناہ گارو! کیوں گھبراتے ہو مجھے معاف کرنا محبوب ہے، گناہ پر تم جری تو نہ ہو، گناہ پر بہادری مت دِکھاؤ کیوں کہ گناہ میری ناراضگی اور غضب کا بھی سبب ہے اور گناہ سے تم مجھ سے دور ہو جاؤ گے اور ہم تم کو دور کرنا نہیں چاہتے اس لیے تقویٰ فرض کرتے ہیں۔ تقویٰ کے فرض ہونے کا راز آج اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرما رہے ہیں کہ جانتے ہو کہ میں تم پر تقویٰ کیوں فرض کر رہا ہوں؟ اس لیے کہ ہر گناہ بندے کو اللہ سے دور کرتا ہے اور شیطان سے قریب کرتا ہے۔ گناہ کرکے تم ہم سے دور ہو جاؤ گے اور ہم تم کو اپنی ذات سے دور نہیں کرنا چاہتے۔ ہم تمہاری دوری کو پسند نہیں کرتے، جب ماں باپ نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد ان سے دور ہو تو میں تو ماں باپ کی رحمت کا خالق ہوں، ساری دنیا کے ماں باپ کو رحمت کی بھیک میں دیتا ہوں تو میں کیسے پسند کروں گا کہ میرے بندے مجھ سے دور رہیں۔ میری محبت چاہتی ہے کہ میرے بندے مجھ سے قریب رہیں لہٰذا تقویٰ کا حکم، گناہ چھوڑنے کا حکم اس لیے دیتا ہوں کہ تم ہم سے دور نہ رہو، ہم تمہیں اپنے قریب رکھنا چاہتے ہیں۔ تقویٰ کی فرضیت کا راز آج زندگی میں پہلی بار اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ آج آپ نے ایک نئی بات سنی جو میرے دل میں بھی اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

مغفرت سے طلبِ رحمت کا ربط

پھر بھی اگر خطا ہو جائے اور تقویٰ ٹوٹ جائے تو پھر معافی مانگو۔ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کا حکم بتا رہا ہے کہ ہم سے خطائیں ہوں گی جب ہی تو معافی مانگنے کا حکم دے رہے ہیں لہٰذا کہو رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اے پالنے

[۳۴۳] شعب الایمان للبیہقی: ۵/۴۶۵(۳۰۵۷)، ھذا دعاء ابی بکر الساسی، فصل فی قراءۃ القرآن بالتفخیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

والے! مجھے معاف کر دیجیے تو لفظ ''ربّ'' میں بہت عظیم الشان لطف ہے اور معافی مانگنے میں عجیب مزہ ہے معافی مانگنا بڑا مزے دار عمل ہے، اس کا مزہ کچھ نہ پوچھو لیکن جب مغفرت مانگو تو رحمت بھی مانگو۔ وَ قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ[۳۴۴] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سکھایا کہ قُلْ اے نبی! آپ فرمائیے کہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ''قُلْ'' یعنی اس دعا کو ابھی بھی پڑھیے، بعد میں بھی پڑھیے، یہ قل کا ترجمہ ہے پھر یہ دعا ذکر فرمائی کہ ''رَبِّ اغْفِرْ'' اے ہمارے پالنے والے! ہم کو بخش دیجیے وَ ارْحَمْ اور رحم بھی کر دیجیے وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ اور آپ بہترین رحم کرنے والے ہیں تو مغفرت کے بعد رحمت کو کیوں نازل فرمایا؟ اس کا جواب علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں دیا کہ مغفرت کے بعد رحمت کا ایک خاص ربط ہے۔ مغفرت کے معنیٰ ہیں سَتْرُ الْقَبِیْحِ وَ اِظْهَارِ الْجَمِیْلِ اللہ تعالیٰ جب معاف فرما دیتے ہیں تو اس کی برائیوں کو چھپا دیتے ہیں اور نیکیوں کو ظاہر فرما دیتے ہیں اور رحمت کے معنیٰ ہیں۔ اَیِ الَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِفُنُوْنِ الْاٰلَآءِ مَعَ اسْتِحْقَاقِنَا بِاَفَانِیْنِ الْعِقَابِ[۳۴۵] اے ہمارے اللہ! اب ہمارے اوپر طرح طرح کی نعمتیں برسا دیجیے کیوں کہ آپ نے ہمیں معاف کر دیا، ہم کو بخش دیا باوجود اس کے کہ ہم افانین العقاب کے مستحق تھے، فن کی جمع فنون اور فنون کی جمع افانین جو طرح طرح کے عذابوں کا مستحق تھا تو جب ہم نے معافی مانگ لی اور آپ نے ہم کو بخش دیا تو اب ہماری طرح طرح کی نعمتوں سے نوازش کیجیے اس نالائق بندہ کو جو طرح طرح کے عذاب کا مستحق تھا اب اس پر اپنی نعمتوں کی بارش کر دیجیے۔ یہ تفسیر روح المعانی پیش کر رہا ہوں جو عربی زبان میں ہے اس کا اردو ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ دیکھیے جب بچہ ابّا کو راضی کر لیتا ہے کہ ابّا! معاف کر دو تو جب ابّا! مسکرا دیتا ہے اور بچہ علامت سے سمجھ جاتا ہے کہ اب ابّا نے معاف کر دیا تو پھر ابّا سے کہتا ہے کہ ابّا! پیسہ دیجیے، لڈو دیجیے، ٹافی دیجیے۔ جس درجہ کا بچہ ہوتا ہے اسی درجہ کی درخواست کرتا ہے، اگر نادان بچہ ہے تو ٹافی ہی پر رہے گا اگر اور سمجھ دار ہے تو لڈو مانگے گا اور سمجھ دار ہے تو موٹر مانگے گا اور سمجھ دار ہے تو بلڈنگ مانگے گا اور سمجھ دار ہے تو کارخانہ مانگے گا، جس طرح ہر بچہ کی مانگ الگ ہوتی ہے اسی طرح ہر بندہ کی درخواست الگ ہوتی ہے۔ بندہ جتنا اللہ کو پہچانتا ہے جتنا اللہ والا ہوتا ہے اس کی درخواست بھی اتنی ہی بلند ہوتی ہے۔

---

۳۴۴ المؤمنون:۱۱۸

۳۴۵ روح المعانی:۱۱/۴۲، التوبۃ(۱۱۷)، دار احیاء التراث، بیروت

رحمت کے چار معنیٰ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رحمت کی چار تفسیریں کی ہے، اے اللہ! اب جب ہم نے آپ سے معافی مانگ لی تو چار قسم کی رحمت عطا فرمائیے۔

۱)توفیقِ طاعت: فرماں برداری کی توفیق دے دیجیے۔

۲)فراخیٔ معیشت: میری روزی بڑھا دیجیے گناہ کی وجہ سے جو روزی میں برکت نہیں تھی اب روزی میں برکت ڈال دیجیے۔

۳)بے حساب مغفرت کا فیصلہ فرما دیجیے۔

۴)دخولِ جنّت: جنّت میں داخلہ دے دیجیے، یہ چار معنیٰ ہیں رحمت کے۔

آیت نمبر ۱۰۱

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ؕ﴿۸﴾

رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَاتَّخِذۡہُ وَکِیۡلًا ﴿۹﴾

وَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَاہۡجُرۡہُمۡ ہَجۡرًا جَمِیۡلًا ﴿۱۰﴾[۳۴۶]

ترجمہ: اور اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع تعلق کر کے اسی کی طرف متوجہ رہو، وہ رب مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں تو اپنے کام اسی کے سپرد کر دینے کو قرار دیتے رہو اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔

حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں: وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ اپنے رب کا اسم مبارک لو۔ رب کا اسم مبارک کیا

۳۴۶؎ المزمّل: ۸-۱۰

ہے؟ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسمِ ذات کا ثبوت اسی آیت سے ہے۔ صوفیاء کا ذکر "اللہ، اللہ" جو ہے اسی آیت سے ثابت ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بوادر النوادر میں لکھا ہے کہ صحابہ کے زمانے میں ذکر کا ثبوت موجود ہے، جب وہ قرآن پاک یاد کرتے تھے تو ایک ایک لفظ کا رسوخ و تکرار کرتے تھے۔ تکرارِ لفظ سے ذکر راسخ ہو جاتا تھا۔ وہ زمانہ تو عہدِ نبوت کا تھا۔ نبوت کی ایک نظر سے وہ صاحبِ نسبت ہو جاتے تھے اور نسبت بھی ایسی کہ قیامت تک آنے والا بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اب زمانہ عہدِ نبوت سے بُعد کا آگیا لہٰذا صوفیاء نے یہ طریقہ نکالا کہ جیسے صحابہ ایک ایک لفظ کی تکرار کر کے قرآن پاک یاد کرتے تھے مثلاً اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ،اسی طرح ہم بار بار اللہ اللہ کہتے ہیں تاکہ اللہ دل میں یاد ہو جائے، یاد تو ہے لیکن دماغ میں، دل میں تب اُترے گا جب بار بار ہم اللہ کہیں گے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ میں رب کیوں فرمایا جب کہ وَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ بھی ہو سکتا تھا۔ بات یہ ہے کہ پالنے والے کی محبت ہوتی ہے، پالنے والے کو آدمی محبت سے یاد کرتا ہے۔ بتائیے ماں باپ کی یاد میں مزہ آتا ہے یا نہیں۔ تو یہاں رب اس لیے نازل فرمایا کہ میرا نام محبت سے لینا۔ خشک ملاؤں کی طرح میرا ذکر مت کرنا، عاشقانہ ذکر کرنا کہ میں تمہارا پالنے والا ہوں جس طرح اپنے ماں باپ کا محبت سے نام لیتے ہو، ماں باپ کا نام لے کر تمہاری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، کیا تمہارا اصلی پالنے والا میں نہیں ہوں؟ ماں باپ تو متولی تھے، تمہارا اصلی پالنے والا تو میں ہوں، رب العالمین ہوں۔ اس تربیت کی نسبت سے میرا نام محبت سے لینا۔

آگے فرماتے ہیں وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اور غیر اللہ سے کٹ کر اللہ سے جُڑ جاؤ یعنی اللہ کی طرف متوجہ رہو۔ غیر اللہ سے کٹنے اور کنارہ کش ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا مخلوق کو چھوڑ کر جنگل میں نکل جاؤ؟ ہرگز نہیں! مطلب یہ ہے کہ قلب کے اعتبار سے مخلوق سے کٹ جاؤ، جسم بستی میں رہے مخلوقِ خدا کے ساتھ ہو لیکن دل اللہ کے ساتھ ہو، رہبانیت حرام ہے ایک تبتل شرعی ہے، ایک غیر شرعی ہے۔ تبتل غیر شرعی جوگیوں اور سادھوؤں کا ہے، ہندوستان کے پنڈتوں اور ہندوؤں کا ہے کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں نکل گئے، بدن پر راکھ مل لی اور درخت کے نیچے آنکھ بند کر کے بیٹھ گئے اور تبتلِ شرعی مسلمانوں کا ہے، اولیاء اللہ کا ہے۔ وہ کیا ہے کہ تعلقاتِ دنیویہ پر علاقۂ خداوندی غالب ہو جائے، دنیاوی تعلقات پر اللہ تعالیٰ کا تعلق، اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو جائے اس حقیقت کو جگر مراد آبادی نے یوں تعبیر کیا ہے۔

میرا کمالِ عشق بس اتنا ہے اے جگرؔ
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

ان آیات کی تقدیم و تاخیر سے حکیم الامت مجد د الملّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کا ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیٹی کی شادی ہو جائے، مکان بنالوں، تھوڑا سا کاروبار جمالوں، ذرا دنیوی فکروں سے چھوٹ جاؤں پھر میں اللہ والوں کے پاس جاؤں گا، اللہ کی یاد میں لگ جاؤں گا اور بالکل صوفی بن جاؤں گا، حضرت فرماتے ہیں کہ آیت کی ترتیب بتا رہی ہے کہ جس فکر میں ہو، جس حالت میں ہو فوراً اللہ تعالیٰ کا ذکر شروع کر دو۔ ذکر اللہ ہی کی برکت سے تم فکروں سے چھوٹو گے کیوں کہ جب سورج نکلے گا جب ہی رات بھاگے گی۔ غیر اللہ اور افکارِ دنیویہ جب ہی مغلوب ہوں گے جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرو گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے قلب کو یکسو کرو، پھر میرا نام لو بلکہ یہ فرمایا کہ پہلے میرا نام لو، میرے نام ہی کی برکت سے تم کو افکار و غم اور پریشانیوں سے نجات ملے گی اور یکسوئی حاصل ہو گی۔ اگر تبتل ذکر پر موقوف نہ ہوتا تو آیت کی تقدیم دوسرے اسلوب پر نازل ہوتی اور وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا مقدم ہوتا وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ پر جس کے معنیٰ یہ ہوتے کہ پہلے غیر اللہ سے یکسو ہو جاؤ پھر ہمارا نام لو لیکن وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ کی تقدیم بتا رہی ہے کہ تبتل اور یکسوئی ہمارے ذکر ہی پر موقوف ہے، پہلے تم ہمارا نام لینا شروع کر دو، ہمارے ذکر کی برکت سے تمہیں خود بخود یکسوئی حاصل ہوتی جائے گی۔ اور غیر اللہ دل سے نکلتا چلا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر مولانا رومی نے عجیب انداز سے فرمائی ہے۔ یہ عاشقوں کی تفسیر ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دریا کے کنارے ایک شخص واجب الغسل کھڑا تھا جس کے بدن پر نجاست لگی ہوئی تھی۔ دریا نے کہا کہ کیا بات ہے، تو بہت دیر سے باہر کھڑا ہے؟ کہا کہ مارے شرم کے تیرے اندر نہیں آرہا ہوں کہ میں ناپاک ہوں اور تو پاک ہے۔ دریا نے کہا کہ تو قیامت تک ناپاک ہی کھڑا رہے گا، جس حالت میں ہے میرے اندر کود پڑ، تیرے جیسے لاکھوں یہاں پاک ہوتے رہتے ہیں اور میرا پانی پاک رہتا ہے لہٰذا اللہ کی یاد میں دیر مت کرو، کیسی ہی گندی حالت میں ہو اللہ کا نام لینا شروع کر دو۔ ذکر کی برکت سے غیر اللہ کی نجاست چھوٹے گی۔

تَبَتُّل کی تفسیر عرض کر رہا تھا کہ غیر اللہ سے یکسوئی جب ملے گی جب اللہ ملے گا، ستارے جب معدوم ہوں گے جب سورج نکلے گا، رات جب بھاگے گی جب آفتاب طلوع ہو گا۔ پہلے اللہ کو دل میں لاؤ، اللہ کا نام لینا شروع کر دو غیر اللہ خود ہی دل سے نکل جائے گا اور آپ کا دل اللہ سے چپکتا چلا جائے گا جو خالقِ مقناطیس ہے، جس کی پیدا کردہ مقناطیس سے آج دنیا کا گولا فضاؤں میں پڑا ہوا ہے، نیچے کوئی تھونی کھمبا نہیں

ہے۔ جو اللہ اتنا مقناطیس پیدا کر سکتا ہے کہ دنیا کا اتنا بڑا گولا جس پر سمندر اور پہاڑ سب لدے ہوئے ہیں بغیر کسی سہارے کے فضاؤں میں معلق پڑا ہوا ہے اس اللہ کے نام میں کتنی چپک، کتنا مقناطیس اور کتنی کشش ہو گی۔ آہ! اللہ کا نام لے کر تو دیکھو اپنی ذاتِ پاک سے ایسا چپکا لیں گے کہ ساری دنیا آپ کو ایک بال کے برابر الگ نہیں کر سکتی۔

مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کا کسی بزرگ سے تعلق نہ ہو اور پیر بناتے ہوئے اس کے نفس کو شرم آرہی ہو تو مشیر ہی بنالے۔ مشیر کے معنیٰ ہیں اللہ کے راستے کا مشورہ دینے والا۔ مشورہ سے بھی راستہ معلوم ہو جائے گا۔

اس آیت سے تصوف کے دو مسئلے ثابت ہو گئے: ذکر اسم ذات کا اور یکسوئی کا، آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ تم کو یکسوئی اس لیے نہیں ہوتی کہ ذکر کے وقت تم کو دن کے کام یاد آتے ہیں کہ آج فلاں فلاں کام کرنا ہیں۔ جہاں تسبیح اٹھائی اور وسوسے شروع کہ ابھی دوکان سے ڈبل روٹی اور انڈا لینا ہے۔ اس کے بعد رات کو جب اللہ کا نام لینے بیٹھے تو یاد آیا کہ یہ کام کرنا ہے، وہ کام کرنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ہمارا نام لینے والو! میں مشرق کا رب ہوں۔ تمہارا جو رب سورج کو نکال سکتا ہے اور دن پیدا کر سکتا ہے کیا وہ تمہارے دن کے کاموں کے لیے کافی نہیں ہو سکتا؟ کیا اسلوبِ بیان ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت کہ میں رَبُّ الۡمَشۡرِقِ ہوں، میں آفتاب نکالتا ہوں اور دن پیدا کرتا ہوں، جو دن پیدا کر سکتا ہے وہ تمہارے دن کے کام نہیں بنا سکتا۔ دن پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا پانچ کلو آٹا دینا مشکل ہے جس کی تمہیں فکر پڑی ہوئی ہے۔ ان وساوس کی طرف خیال نہ کرو جو شیطان تمہارے دلوں میں ڈالتا ہے، سوچ لو کہ ہمارا اللہ ہمارے دن بھر کے کاموں کے لیے کافی ہے اور جب رات میں وسوسہ آئے تو کہہ دو، وہ رب المغرب بھی ہے۔ جو اللہ رات کو پیدا کر سکتا ہے وہ رات کے کاموں کے لیے بھی کافی ہے۔

تصوف میں دو اذکار ہیں۔ اسمِ ذات اور نفی و اثبات۔ فرمایا کہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ جو ہے اس سے صوفیاء کے ذکر نفی و اثبات کا ثبوت ملتا ہے۔[۳۴۷] تفسیرِ مظہری دیکھ لیجیے آج میں تصوف کو تفسیروں کے حوالے سے پیش کر رہا ہوں تاکہ علماء یہ نہ سمجھیں کہ تصوف یوں ہی صوفیوں کا بنایا ہوا ہے۔ کمال ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا جن کے لیے ان کے پیر نے کہا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو پیش کروں گا اور شاہ عبد العزیز محدث

۳۴۷؎ التفسیر المظھری: ۱۱۱/۱۰، المزمل (۹)، دار احیاء التراث، بیروت

دہلوی نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے وقت کا امامِ بیہقی ہے، وہ اپنی تفسیر میں تصوف کو قرآن پاک سے ثابت کررہے ہیں۔ ذکرِ اسمِ ذات، تبتل یعنی غیر اللہ سے یکسوئی اور ذکر نفی و اثبات تصوف کے یہ تین مسئلے ثابت ہوگئے۔

آگے فرماتے ہیں فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا جب میں اتنا بڑا رب ہوں کہ دن پیدا کرسکتا ہوں اور رات پیدا کرسکتا ہوں تو پھر دن رات کے کاموں کے بارے میں وسوسے کیوں لاتے ہو، تم مجھ کو یعنی اللہ کو اپنا وکیل بنا لو۔ مجھ سے زیادہ کون تمہارا وکیل اور کارساز ہوسکتا ہے۔ اس آیت سے چوتھا مسئلہ توکل کا ثابت ہوگیا جس کی صوفیاء تعلیم دیتے ہیں۔

اور اگلی آیت سے سلوک کا ایک بہت اہم مسئلہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ثابت کرتے ہیں اور وہ ہے دشمنوں کے مظالم پر صبر کرنا۔ دنیا دار صوفیوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ دیکھو تسبیح لیے مکار لوگ جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو۔ اسی طرح اللہ کے راستے میں نفس و شیطان بھی ستاتے ہیں، کبھی شیطان کہے گا کہ فلاں گناہ کرلو اور کبھی نفس بھی ستائے گا اور بار بار تقاضا کرے گا کہ ارے! یہ شکل بہت حسین ہے۔ اس کو دیکھ ہی لو بعد میں توبہ کرلینا۔ نفس و شیطان کے ورغلانے کے وقت بھی یہی آیت پڑھ دو وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ دشمن جو باتیں کررہے ہیں ان پر صبر کرو۔

باطنی دشمن یعنی نفس و شیطان جو کہیں اس پر بھی صبر کرو اور ان کے کہنے پر عمل نہ کرو۔ اسی طرح تمہارے ظاہری دشمن اور حاسدین تم پر اعتراض کریں گے کہ بڑے صوفی بن گئے، گول ٹوپی لگائے پھرتے ہیں، تسبیح لے کر مخلوق کو دھوکا دیتے ہیں۔ کسی کے اعتراض کا جواب نہ دو وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ان کی باتوں پر صبر کرو۔

اور وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔ الگ ہونا یہ ہے کہ کوئی تعلق نہ رکھو اور خوبصورتی سے یہ ہے کہ ان کی شکایت اور انتقام کی فکر میں نہ پڑو اور یہ آخری مسئلہ ہے تصوف کا ہجرانِ جمیل جس کو تفسیر مظہری میں اس آیت سے ثابت کیا گیا ہے۔

اور ہجرانِ جمیل کی تفسیر مفسرین نے یہ کی ہے اَلْهِجْرَانُ الْجَمِيْلُ الَّذِىْ لَا شَكْوٰى فِيْهِ وَلَا انْتِقَامَ خوبصورتی کے ساتھ الگ ہونا یہ ہے جس میں شکایت نہ ہو اور انتقام کا ارادہ بھی نہ ہو کیوں کہ جس نے اپنے دشمن سے انتقام لیا وہ مخلوق میں پھنس گیا اور جو مخلوق میں پھنس گیا اس کو خالق کیسے ملے گا؟

اسی لیے علامہ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں: اِنَّ الْوَلِیَّ لَا یَکُوْنُ مُنْتَقِمًا وَالْمُنْتَقِمَ لَا یَکُوْنُ وَلِیًّا کوئی ولی اللہ منتقم نہیں ہوتا اور کوئی منتقم ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا فرمایا تھا؟ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ [۳۴۸] تم پر آج کوئی الزام نہیں۔ ارے! یہ تو شیطان نے ہمارے تمہارے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا، تم نے کوئی گڑبڑ تھوڑی کی تھی۔ آہ! اپنے بھائیوں کی دلجوئی بھی کر رہے ہیں تاکہ ان کو ندامت بھی نہ رہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین کے خدام کو یہی اخلاق رکھنے چاہئیں ورنہ اگر بدلہ وانتقام کی فکر میں پڑے تو دل مخلوق میں پھنس جائے گا اور پھر دین کا کام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان القرآن کے حاشیہ میں مسائل السلوک کے تحت یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی مَجَارِی الْقَضَاءِ لَا یُفْنِیْ اَیَّامَہٗ بِمُخَاصَمَۃِ النَّاسِ جس شخص کی نظر مجاریٔ قضا پر ہوتی ہے، مشیتِ الٰہیہ، اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ہوتی ہے، وہ اپنی زندگی کے دنوں کو مخلوق کے جھگڑوں میں ضایع نہیں کرتا اور وہی کہتا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ تم پر کوئی الزام نہیں کیوں کہ جانتے تھے کہ بغیر مشیتِ الٰہی کے یہ بھائی مجھے کنویں میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے سب میں ہماری تربیت اور ہمارا نفع ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے تکوینی راز ہیں۔ لہٰذا جس کی نظر اللہ پر ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ جاؤ میاں! معاف کیا، مجھے اپنے اللہ کو یاد کرنا ہے، تمہارے چکر میں کیوں رہوں اس کو معاف کیا اور دل کو اللہ کے ساتھ لگا دیا۔

اس سورتِ پاک کے شروع میں قیامِ لیل کا مسئلہ نازل فرمایا۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا [۳۴۹] اس سے معلوم ہوا کہ رات بھر مت جاگو ورنہ صحت خراب ہو جائے گی۔ جن صوفیوں نے جوش میں رات بھر جاگنا شروع کیا کچھ دن کے بعد سب ختم اور مَنْ طَلَبَ الْکُلَّ فَاتَ الْکُلَّ کا مصداق ہو گئے۔ سب چھوڑ چھاڑ دیا حتیٰ کہ فرض بھی نہیں پڑھتے۔

اس کے بعد قرآن شریف کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم نازل فرمایا وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو اور ترتیل کی تعریف کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترتیل کی

۳۴۸؎ یوسف:۹۲

۳۴۹؎ المزمل:۲

تفسیر منقول ہے **تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَۃُ الْوُقُوْفِ** کہ حروف بھی صحیح ہوں یعنی مخارج سے ادا ہوں اور کہاں سانس توڑیں اس کی معرفت ہو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن یہ دونوں کام منتہی کے اسباق ہیں۔ جتنے اولیاء اللہ ہیں آخر میں ان کو یہی دو شغف رہ جاتے ہیں، رات کو تہجد پڑھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا۔ یہ دو اعمال منتہی کے سبق ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی سوال قائم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے منتہی کا سبق پہلے کیوں نازل فرمایا۔ دیکھیے پہلے موقوف علیہ پڑھاتے ہیں پھر بخاری شریف ملتی ہے لیکن یہاں معاملہ کیوں برعکس ہوا؟ قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن تو آخری سبق ہے اور ذکرِ اسمِ ذات اور نفی و اثبات مبتدی و متوسط کے اسباق ہیں۔ تو اعلیٰ مقام اور آخری درجہ کا سبق پہلے کیوں نازل فرمایا؟ اس میں کیا راز ہے؟ اس اِشکال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جن پر قرآن پاک نازل ہو رہا تھا چوں کہ وہ سید المنتہین تھے، سید الانبیاء تھے ان کے مقامِ نبوت کے علو و رفعت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے پہلے منتہی کا سبق نازل فرمایا اس کے بعد پھر عام اُمت کے لیے سبق نازل کیا۔ یہ ترتیب کا راز منکشف کیا علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے۔

آیت نمبر ۱۰۲

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾[۳۵۰]

ترجمہ: اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور نفس کو حرام خواہشات سے روکا ہو گا سو جنّت اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

آج ایک بہت اہم مضمون بیان کرنا ہے جو ابھی دل میں آیا ہے اور وہ یہ کہ جنّت میں جانے کا راستہ کیا ہے؟ جنّت کس کا ٹھکانہ ہے؟ منزلِ جنّت کے باشندے، جنّت میں رہنے والے کون لوگ ہیں؟ یعنی جنّت جن کے لیے مقدر ہے وہ کون لوگ ہیں؟ قافلۂ جنّت کی علامت کیا ہے؟ کیسے معلوم ہو کہ یہ آدمی جنّتی ہے اور

۳۵۰؎ النّٰزعٰت: ۴۰-۴۱

قافلۂ جنّت والا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ اس کی علامت بیان فرمارہے ہیں وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی جو اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑے ہونے سے ڈرے کہ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا اور نفس کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے تمام تقاضوں سے روکے یعنی اپنا دل توڑ دے، اللہ پاک کے قانون کو نہ توڑے لہٰذا جب آپ کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہو تو اپنے دل ہی سے پوچھو، میں آپ ہی کو مفتی بنارہا ہوں کہ اپنے دل سے پوچھو کہ اگر یہ خواہش ہم پوری کرلیں تو ہمارا دل تو خوش ہو جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوگا یا نہیں؟ جب آپ کا دل کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ تو ناخوش ہو جائے گا تو آپ دل کو توڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کو نہ توڑیں، جو عظمتِ الٰہیہ کا احترام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے دنیا میں اور آخرت میں معظم، معزز اور مکرم کرتے ہیں اور جو اپنے دل کی حرام خوشیوں کو نہیں توڑتا اور اللہ تعالیٰ کے قانون کو کر اپنا دل خوش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کو توڑ دیتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت اور مقدار

تو جنّت کے قافلے کی علامت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی جو اپنے رب کو حساب دینے سے خوف کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا، اللہ تعالیٰ کو کیا حساب دوں گا اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت کیا ہے؟ وَنَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی اپنے نفس کو بری خواہشات سے روکتا ہو۔ بس اتنا خوف ہو کہ گناہ سے رُک جائے، اپنے نفس کی ان خوشیوں کو جو مرضئ الٰہی کے خلاف ہوں توڑ دینے کی توفیق ہو جائے۔ اس سے زیادہ خوف مطلوب نہیں ہے کہ ہر وقت خوفِ الٰہی سے کانپتا رہے اور بیوی بچوں کا حق ادا نہ کرسکے اور دُکان پر بھی نہ جاسکے اور چارپائی پر لیٹا ہوا کانپ رہا ہے کہ خوفِ الٰہی سے تڑپ رہا ہوں۔ اتنا خوف فرض تو درکنار جائز ہی نہیں ہے۔ اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اقۡسِمۡ لَنَا مِنۡ خَشۡیَتِکَ مَا تَحُوۡلُ بِہٖ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ مَعَاصِیۡکَ [۳۵۱]

جو لوگ عربی قواعد سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہاں مِنۡ تبعیضیہ ہے مِنۡ خَشۡیَتِکَ یعنی اے اللہ! میں آپ کے خوف میں سے کچھ حصہ مانگتا ہوں، اتنا خوف مانگتا ہوں جو میرے اور آپ کے معاصی کے درمیان

---

۳۵۱ جامع الترمذی: ۱۸۸/۲، باب من ابواب الدعوات، ایچ ایم سعید

حائل ہو جائے، اس سے زیادہ اگر خوف مل جائے گا تو میں چار پائی پر ہی لیٹ جاؤں گا۔ اسی لیے مِنْ خَشْیَتِکَ فرمایا۔

خانقاہ= علم کی روشنی + عشق کا راستہ

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ خانقاہوں میں علم نہیں ہوتا، خالی پیری مریدی ہوتی ہے۔ بس چند وظائف اور حق وہو کرنے کا نام خانقاہ ہے۔ الحمدللہ! یہ ہمارے بزرگوں کا فیض ہے کہ یہاں خالی پیری مریدی نہیں ہے، علم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کیا جاتا ہے اور علم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا نام ہی خانقاہ ہے۔

قافلۂ جنّت اور اس کی علامات

اور اہلِ وفا کون ہیں؟ قافلۂ جنّت والے ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں جس کی آج میں نے تلاوت کی ہے کہ اگر کسی کو دیکھنا ہو کہ جنّت کا قافلہ کون سا جارہا ہے اور اہلِ جنّت کون لوگ ہیں تو اس کی دو علامتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیں۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جو شخص اللہ سے ڈرے کہ ایک دن مجھے حساب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی کیا دلیل ہے، کیا علامت ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی وہ اپنے نفس کو بُری خواہش سے روکتا ہے اور یہ دوسری علامت ہے اہلِ جنّت کی، جس کو دیکھو وہ اپنے نفس کو بُری عادتوں سے اور بُرے اعمال اور بُرے افعال سے روک رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور یہی قافلۂ جنّت کے لوگ ہیں، یہی اہلِ وفا ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی آرزوؤں کا خون کرلیتے ہیں، اپنے دل کو توڑ دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون کو نہیں توڑتے اور اپنے نفس کو بُری خواہش سے کیوں روک لیتے ہیں؟ کسی فوج کے ڈر سے نہیں، یہاں تک کہ اپنے ابا کے ڈر کے مارے بھی نہیں، یہاں تک کہ اپنے مرشد کے ڈر کے مارے بھی نہیں یا اگر مرشد ہے تو مریدوں کے خوف سے نہیں، یا امام ہے تو مقتدیوں کے خوف سے نہیں کہ مقتدی یہاں ہیں، اگر گڑبڑ اور نامناسب کام کروں گا تو امامت چلی جائے گی تو پھر نفس کو کیوں روکتا ہے؟ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ اپنے رب کے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتادیا کہ جو اپنے نفس کو روکے مگر صرف میرے خوف سے وہ اہلِ جنّت کا قافلہ والا ہے فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی اس کا ٹھکانہ جنّت ہے چاہے کوئی ہو یا نہ ہو بالکل تنہائی ہو اور گناہ خود

اس سے اس کی تمنا کررہا ہو لیکن یہ پناہ مانگے۔

الٰہی پیار سے دیکھے نہ یہ گناہ مجھے

تو یہ عرض کررہا ہوں کہ ہماری تنہائی بھی اللہ والی ہونی چاہیے۔ خلوت ہو یا جلوت ہو ہر جگہ مالک کی دوستی تازہ تر اور گرم تر رہے، کہیں بھی اس میں پھیکا پن اور ٹھنڈا پن نہ آئے تو یہ دونوں آیتیں ملا کر قافلۂ جنّت کا آج ڈیزائن پیش کررہا ہوں۔ کیسے معلوم ہو کہ یہ جنّت کا قافلہ ہے؟ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے خلوتوں میں اور جلوتوں میں، تنہائی میں اور مجمع میں قلباً و قالباً و عیناً اللہ کے ساتھ رہے یعنی اپنی نظر اور دل اور جسم کی ہر طرح سے ہر وقت گناہ سے حفاظت کرتا ہے اور ہر وقت اپنے اللہ پر نظر رکھتا ہے۔ اصلی سالک اور اصلی عاشق وہی ہے جس کی ہر سانس اللہ پر فدا ہو اور ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرے، گناہوں کے لاکھ تقاضے ہوں لیکن وہ اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اے خدا! میرا دل تو چاہتا ہے کہ اس عورت کو یا اس لڑکے کو دیکھ لوں یا یہ گناہ کرلوں مگر میں آپ کی نظر پر نظر رکھ رہا ہوں کہ آپ کی نظر کا کیا فیصلہ ہے۔ کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں؟ دل میں آواز آجائے گی، آپ کا دل خود کہے گا کہ اے میرے عاشقِ نظر! میری نظر کا فیصلہ یہی ہے کہ تو اپنی نظر کو یہاں سے ہٹالے۔

جب آگئے وہ سامنے نابینا بن گئے
جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

تو اللہ تعالیٰ کو کیا اس پر پیار نہ آئے گا کہ میرا ایک بندہ یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں روشنی ہے، اندھا نہیں ہے مگر اپنی روشنی اور بینائی کو کس طریقے سے استعمال کررہا ہے۔ کبھی اندھا بن رہا ہے، کبھی بینا بن رہا ہے، جہاں دیکھتا ہے کہ میں خوش ہوں وہاں بینا بن جاتا ہے، جہاں دیکھتا ہے کہ میری خوشی نہیں وہاں نابینا بن جاتا ہے تو اس نے اپنی زندگی کو مجھ پر فدا کردیا خلوت ہو یا جلوت یہ جانتا ہے کہ میرا رب تو ہر جگہ ہے، تنہائی میں بھی ہے اور مجمع میں بھی اس لیے اس کا خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ اس کا خوف دائمی ہوگا اور اسی خوف کی وجہ سے یہ خلوت میں اور جلوت میں وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى رہے گا۔ اپنے نفس کو بُری خواہشوں سے روکتا رہے گا چاہے گناہ کا لاکھ تقاضا ہو۔

یہاں ایک مسئلہ سن لیجیے کہ تقاضائے معصیت آپ کے لیے کچھ مضر نہیں جب تک آپ ان پر عمل نہ کریں کیوں کہ اگر ھوٰی یعنی خواہش اور تقاضائے گناہ نہ ہو تو روکیں گے کیا؟ اگر آپ مجھے منع کریں

کہ آپ اس وقت چشمہ نہ لگائیے تو آپ کا یہ کلام صحیح ہو گا کیوں کہ میں نے چشمہ لگایا ہوا ہے۔ جب چشمہ لگا ہے تب ہی تو آپ کہیں گے نہ لگائیے۔ معلوم ہوا کہ ہر نہی اپنے منہی عنہ کے ثبوت کو چاہتی ہے، ہر منع کرنا اس ممنوع چیز کا وجود چاہتا ہے اور اگر آنکھوں پر چشمہ نہیں لگایا ہوا ہے پھر آپ کہیں کہ چشمہ اتار دیجیے تو یہ جملہ غلط ہو جائے گا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى یعنی جو اپنے نفس کی بُری خواہشوں کو روکتے ہیں، معلوم ہوا کہ بُری خواہش کا وجود ضروری ہے کیوں کہ بُری خواہش سے اللہ تعالیٰ منع فرما رہے ہیں، لہٰذا ممنوع چیز کا وجود ضروری ہوا۔ معلوم ہوا کہ بُری خواہش تو ہو گی بس ہمیں اس کو روکنا ہے، اس پر عمل نہیں کرنا ہے۔ اس لیے میرے پیارے دوستو! بُری خواہش سے گھبرایا نہ کرو، ایک کروڑ تقاضے برائی کے آئیں تو آنے دو بس ان پر عمل نہ کرو اور جتنی بُری خواہشوں کی بھرمار ہو گی روکنے میں اتنا ہی زیادہ مجاہدہ ہو گا اور جتنا زیادہ مجاہدہ ہو گا اتنے ہی انوار زیادہ ہوں گے۔ شدید خواہش کے سیلاب کو روکنے میں زیادہ جھٹکا لگے گا جیسے تیز پانی کو جھٹکا دے کر بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمیں مجاہدہ کا جھٹکا دے کر تجلی دینا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا [۳۵۲]

اللہ تعالیٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں لہٰذا جو عالم اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے وہ اس آیت کی رو سے عالم نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ علم کے لیے خشیت لازم ہے جس طرح آگ کے لیے حرارت لازم ہے۔ اگر کسی آگ میں ٹھنڈک کا اثر آجائے تو وہ آگ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے بندوں میں سے جو علماء ہیں وہی مجھ سے ڈرتے ہیں۔ لہٰذا اگر تم عالم ہو تو کیوں نہیں ڈرتے؟ یہی دلیل ہے کہ تم عالم نہیں ہو اور کہیں اللہ تعالیٰ نے خشیت کے بجائے خوف کا لفظ استعمال فرمایا ہے مثلاً:

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ [۳۵۳]

اور جیسے اس آیت میں فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ اور خوف اور خشیت کا فرق حضرت علامہ آلوسی

۳۵۲؎ فاطر: ۲۸

۳۵۳؎ النور: ۳۷

سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ خوف اور خشیت کا عام مفہوم تو ڈر ہی ہے مگر خوف کہتے ہیں اس ڈر کو جس میں عظمت ضروری نہیں ہے، بلا عظمت کے بھی خوف ہوتا ہے جیسے تھانیدار کا ڈر، پولیس کا ڈر کہ عظمت نہیں ہوتی مگر ڈر ہے۔ اب ایک اور مثال سنیے جو اس سے زیادہ قریب الفہم اور آسان تر ہے کہ سانپ نکلا تو اس کا ڈر ہوتا ہے مگر کیا دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے؟ اگر عظمت ہوتی تو جوتے سے پٹائی کیوں کر رہے ہو، ڈنڈے کیوں لگا رہے ہو؟ معلوم ہوا کہ خوف کا استعمال عظمت پر بھی ہوتا ہے اور بغیر عظمت پر بھی ہوتا ہے مگر خشیت کا استعمال صرف وہیں ہو گا جہاں خوف کے ساتھ عظمت لازم ہو۔ اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے سانپ سے خشیت ہے، پولیس والوں سے خشیت ہے، بھیڑیے یا پاگل کتے سے خشیت ہو رہی ہے، عربی لغت کے اعتبار سے یہاں لفظ خوف کا استعمال جائز ہے، خشیت کا جائز نہیں۔ خشیت کا استعمال خاص ہے جہاں خوف کے ساتھ عظمت شامل ہو تو اللہ تعالیٰ نے کہیں مطلق خوف استعمال فرمایا اور قرآنِ پاک کی تفسیر کا اصول ہے کہ جب ایک جگہ معنیٰ مقید ہو جائیں تو ہر جگہ مقید ہوں گے لہٰذا جہاں جہاں لفظ خوف مطلق آیا ہے وہ خشیت کے معنیٰ سے مقید ہو گا اس لیے خوف کا ترجمہ خشیت ہی ہو گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ عظمتِ الٰہیہ ضروری ہے جب کہ مخلوق سے خوف کے لیے عظمت کا ہونا ضروری نہیں یہ فرق ہے خشیت اور خوف کا۔

تو وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے رب کی عظمت کی وجہ سے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے کہ اللہ تعالیٰ کو منہ دکھانا ہے اور ان کو حساب دینا ہے اور اللہ مجھ کو آسمان سے دیکھ رہا ہے کہ میری نظر کہاں جا رہی ہے اور میری نظر پر ان کی نظر جمی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور خدا کے خوف سے خلوت میں، جلوت میں، تنہائی میں، مجمع میں ہر جگہ ہم اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے سے ڈر رہے ہوں۔ شیطان کہے گا کہ یہاں تو کوئی نہیں ہے تو شیطان سے کہو کہ اللہ تو ہے وَھُوَ مَعَکُمۡ وہ ہر وقت میرے ساتھ ہے اور جب وہ ساتھ ہے تو وہ نابینا نہیں ہے جو دوسروں کو آنکھیں عطا فرماتا ہے وہ بھلا خود نابینا ہو گا؟ تو جب وہ ساتھ ہے اور دیکھ رہا ہے تو اللہ کے خوف سے اللہ کی ناپسندیدہ خواہشات کو توڑنا اسی کا نام سلوک ہے، اسی کا نام بندگی ہے، اسی کا نام عشقِ الٰہی ہے، اسی کا نام تصوف ہے، اسی کا نام احسان ہے، اسی کا نام ایمان ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔

آیت نمبر ۱۰۳

وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ [۳۵۴]

ترجمہ: اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔

جب تک آپ نہیں چاہیں گے کوئی شخص کچھ نہیں چاہ سکتا۔ ہمارا چاہنا آپ کے چاہنے پر موقوف ہے۔ جب تک آپ کی مشیت نہیں ہوگی ہم آپ کو کیسے چاہ سکتے ہیں۔ اس لیے آپ نے قرآن پاک میں اپنی محبت کو مقدم فرمایا اپنے بندوں کی محبت پر۔ یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ دلیل ہے کہ پہلے آپ بندوں سے محبت فرماتے ہیں پھر آپ کی محبت کے فیضان سے بندے آپ سے محبت کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں اس آیت یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قَدَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَحَبَّتَہٗ عَلٰی مَحَبَّۃِ عِبَادِہٖ لِیَعۡلَمُوۡا اَنَّھُمۡ یُحِبُّوۡنَ رَبَّھُمۡ بِفَیۡضَانِ مَحَبَّۃِ رَبِّھِمۡ

اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی محبت مانگتے ہیں کہ جب آپ ہم سے محبت کریں گے تو آپ کی محبت کے فیضان سے ہم لا محالہ آپ سے محبت کریں گے لہٰذا جب تک آپ کا کرم شامل نہ ہو کوئی شخص کسی نیکی اور خیر کو چاہ بھی نہیں سکتا۔ اس لیے خیر اور بھلائی اور نیکی کے ارادے، عزائمِ رُشد و تقویٰ اور گناہوں سے بچنے کے خیالات سب آپ کے فضل و کرم کے تابع ہیں۔ آپ کے ارادے پر مراد کا تخلف محال ہے یعنی آپ کوئی ارادہ فرمائیں اور وہ مراد تک نہ پہنچے اور وہ کام نہ ہو یہ محال اور ناممکن ہے اور آپ نہ چاہیں اور وہ کام ہو جائے یہ بھی ناممکن اور محال ہے کیوں کہ آپ کا ارادے پر مراد کا ترتب لازمی ہے لہٰذا اے اللہ! اگر آپ ہمارے نیک بننے کا ارادہ فرمالیں تو ہمارا نیک اور متقی بن جانا لازم ہے اور اس کے خلاف ہونا محال ہے۔ اگر نفس و شیطان اور دنیا بھر کی تمام گمراہ کن ایجنسیاں مل کر کسی کو بہکائیں اور گناہوں میں مبتلا کر کے برباد کرنا چاہیں تو اس شخص کو ہرگز برباد نہیں کرسکتے جس پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا تالا لگ جائے۔

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر تھانہ والے صرف موم بتی لگا کر کسی تالا کو سربمہر کردیں جو اتنی کمزور ہوتی ہے کہ ایک جھٹکا مارو تو کھل جائے لیکن تھانہ کی مہر دیکھ کر بڑے بڑے ڈاکو کانپتے ہیں تو اے اللہ! جس پر

---

[۳۵۴] التکویر: ۲۹

آپ کی حفاظت کا تالا ہو تو نفس و شیطان کی کیا مجال ہے کہ اس سے گناہ کرا سکیں۔ نفس بھی سمجھ جاتا ہے کہ اب میں گناہ نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ کی قدرتِ قاہرہ کا ڈنڈا اسے اپنے سر پر نظر آتا ہے۔ اگر گناہ کرنا بھی چاہے تو دل کو اس قدر بے چین کر دیتے ہیں کہ گناہ کرنے کے خیال سے وہ لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔ اے اللہ! جس کو آپ اپنا بناتے ہیں اس کو گناہ سے مانوس نہیں ہونے دیتے، اس کے قلب کو گناہوں سے بے زار کر دیتے ہیں اور وہ بھی سمجھ جاتا ہے کہ؎

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے
ہم تمہارے تم ہمارے ہو چکے

اے اللہ! جس کو آپ اپنا بنائیں اور جس کی حفاظت کا ارادہ فرمالیں وہ خود چاہے بھی تو اپنے کو ضایع نہیں کر سکتا، گناہوں سے اپنا منہ کالا نہیں کر سکتا کیوں کہ آپ نے اس کا منہ اُجالا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس اے اللہ! ہم آپ سے آپ کا جذب مانگتے ہیں کہ آج تک کوئی مجذوب مرتد اور مردود نہیں ہوا کیوں کہ اللہ نے جس کو کھینچ لیا وہ اللہ سے کیسے بھاگ سکتا ہے؟ ورنہ اللہ تعالیٰ کے دائرۂ جذب اور احاطۂ جذب سے نعوذ باللہ فرار لازم آتا اور اللہ کی قدرت کا عجز لازم آتا جو محال اور ناممکن ہے۔ پس اے اللہ! آپ ہمیں چاہ لیجیے کیوں کہ اگر آپ نہ چاہیں تو کوئی کچھ نہیں چاہ سکتا۔ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص مرتد ہونے سے بچنا چاہے یعنی جو شخص چاہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو اور میں مرتد نہ ہوں اور خدا کے دین سے فرار اختیار نہ کروں اور ساری زندگی اللہ کی چوکھٹ پر قرار حاصل رہے اور نفس و شیطان کے چکر سے بچ جاؤں اور اگر غیر اللہ سے دل لگانا بھی چاہوں تو دل ایسا بے چین ہو جائے جیسے مچھلی پانی بغیر تڑپنے لگتی ہے؎

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں ایک ماہیٔ بے آب ہے

یعنی بارہ بجے دوپہر کا وقت ہو، چلچلاتی ہوئی دھوپ سے ریت گرم ہو اور ایک مچھلی کو نکال کر اس تپتی ہوئی ریت میں ڈال دو تو جو اس کی کیفیت ہوتی ہے وہ میری کیفیت ہو جائے کہ گناہوں کے ماحول میں اور غیر اللہ سے دل لگانے کے خیال سے ہی تڑپنا شروع کر دوں اور میرے قلب کو اللہ تعالیٰ کے دریائے قرب سے اس درجہ اُنس پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر کے چکر میں نہ پڑوں۔

پس جو شخص چاہے کہ اللہ کے دین پر قائم رہے اور نفس و شیطان کے چکر میں کبھی نہ آئے تو اس کو

اللہ سے محبت مانگنی چاہیے کیوں کہ مرتد کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اہلِ محبت پیدا کریں گے جن سے ہم محبت کریں گے اور وہ ہم سے محبت کریں گے۔

اے اللہ! آپ جو چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے یہاں تک کہ آپ کی مشیت سے ایسی چیزوں کا ظہور ہو جاتا ہے جو عادتاً محال ہیں جیسے گلاب کے پھول کی جڑ میں بدبودار کھاد ہوتا ہے جس کے اجزاء تحلیل ہو کر اجزائے خاکی کے ساتھ مل کر جڑ سے گلاب کے درخت کے اندر داخل ہو جاتے ہیں لیکن اوپر گلاب کا خوشبودار پھول پیدا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی عطا اور کرم ہے، کھاد کا کمال نہیں ہے۔ اگر کھاد کا کمال ہوتا تو پھولوں میں بدبو ہوتی۔ اللہ تعالیٰ دِکھاتے ہیں کہ ہم ایسے قادرِ مطلق ہیں کہ حِسّی نجاست سے خوشبودار پھول پیدا کرسکتے ہیں لہٰذا اپنے نفس کے گندے تقاضوں سے گھبراؤ مت، بس ان تقاضوں کو دبا دو جیسے کھاد کو مٹی کے نیچے دبا دیتے ہیں، اگر کھاد اوپر ہوگی تو درخت جل جائے گا۔ اسی طرح تم بھی اپنی بُری بُری خواہشات پر کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْھَوٰی کی مٹی ڈال دو یعنی ان پر عمل نہ کرو تو اس سے ہم تمہارے دل میں تقویٰ کا گلاب پیدا کردیں گے اور کھاد جتنا بدبودار ہوتا ہے پھول اتنا ہی خوشبودار پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کتنے ہی شدید اور خبیث تقاضے ہوں ان سے مت گھبراؤ، مجاہدۂ شدیدہ کی مٹی میں ان کو دبا دو تو تقویٰ کا پھول اتنا ہی خوشبودار پیدا ہوگا۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو جتنا زیادہ قوی الشہوۃ ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ قوی النور ہوتا ہے کیوں کہ شہوت کو روکنے میں اس کو مجاہدہ شدید ہوتا ہے تو اس کا مشاہدہ بھی اتنا ہی زیادہ قوی ہوتا ہے، اس کا تقویٰ بھی اتنا ہی عظیم الشان ہوتا ہے۔ گندے تقاضوں کی بدبودار کھاد سے (بشرطیکہ اس کو دبا دو) تقویٰ کا خوشبودار پھول پیدا کرنا یہ حق تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کا کمال ہے۔ اسی کو اصغر گونڈوی نے فرمایا تھا ؎

جمال اُس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

اللہ کے جمال کو بھلا یہ دنیاوی پھول چھپاسکتے ہیں جن کے برگ و پیراہن خود اللہ تعالیٰ کی خوشبو کے غمّاز ہیں، پھولوں میں یہ خوشبو کہاں سے آتی ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی تو دی ہوئی ہے۔

اور اگر پودے میں کھاد زیادہ ہو جائے تو پودے کے جلنے کا خطرہ ہوتا ہے کیوں کہ کھاد میں گرمی زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس میں پانی زیادہ ڈالنا پڑتا ہے اور پانی بہتا ہوا ہو کہ کھاد کی گرمی کو بہا کرلے جائے، وہیں جمع نہ ہو ورنہ جڑ سڑ جائے گی۔ پھر جہاں یہ کھاد والا پانی بہتا ہوا جائے گا وہاں بھی ہریالی آجائے گی اور

دوسرے پودے بھی ہرے بھرے ہو جائیں گے اور کھاد کی گرمی سے یہ پودا بھی نہ جلے گا اور ہرا بھرا ہو جائے گا۔ پس جس کے دل میں شہوت کی کھاد زیادہ ہو وہ ذکر اللہ کے ماحول میں اور اہل اللہ کی صحبتوں کے انوار میں زیادہ رہے تاکہ اللہ کے نور کا پانی شہوت کی کھاد سے گزرتا رہے اور اس کی حرارت ٹھنڈی ہوتی رہے جس سے ایمان کا درخت بھی ہرا بھرا ہو جائے گا اور جہاں جہاں وہ آبِ نور جائے گا ہریالی ہو جائے گی یعنی دوسروں کو بھی صاحبِ نسبت کرے گا۔

آیت نمبر ۱۰۴

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ[۳۵۵]

ترجمہ: نیک لوگ بے شک آسایش میں ہوں گے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ نیک بندے کون ہیں؟ قرآن پاک کی ایک آیت ہے اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ، ابرار جمع ہے بر کی۔ بر معنیٰ نیک۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابرار کی تفسیر فرماتے ہیں اَلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡذُوۡنَ الذَّرَّ نیک بندے وہ ہیں جو چیونٹیوں کو بھی اذیت نہ دیں اور وَلَا یَرۡضَوۡنَ الشَّرَّ[۳۵۶] اور اللہ کی نافرمانی سے ناراض رہیں خوش نہیں ہوتے۔ اگر دوسرے کو بھی اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ لیں تو دل میں دُکھ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہائے! یہ میرے اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ تو نیک بندوں کی دو علامات ہوئیں:

(۱)... وہ چیونٹیوں کو بھی اذیت نہیں دیتے۔

(۲)... اللہ کی نافرمانی سے راضی نہیں ہوتے۔

اس لیے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے خصوصاً غصہ کی حالت میں کیوں کہ غصہ میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے اس لیے غصہ میں آدمی دوسرے کو زیادہ اذیت پہنچا دیتا ہے۔

۳۵۵؎ الانفطار: ۱۳

۳۵۶؎ عمدۃ القاری: ۲۱۸/۱، باب المسلم من سلم المسلمون، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

آیت نمبر ۱۰۵

ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ [۳۵۷]

ترجمہ: تُو اپنے پروردگار (کے جوارِ رحمت) کی طرف چل اس طرح سے کہ تُو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر (ادھر چل کر) تُو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہوجا (کہ یہ بھی نعمتِ روحانی ہے) اور میری جنّت میں داخل ہوجا۔

بندوں کی خوشی کو مقدم کرنے میں بھی رحمت کی ایک جھلک ہے جس کو میں ایک مثال سے سمجھاتا ہوں جیسے ابّا اپنے بچہ کو لڈو دیتا ہے تو کہتا ہے، لے لڈو خوش ہوجا، خوشی منا اور میں بھی تجھ سے خوش ہوں۔ تو ہماری خوشی کو مقدم کرکے اللہ تعالیٰ نے اپنی شفقت کی جھلک دکھائی ہے اور ہماری خوشی کو اس لیے بھی مقدم کیا کہ وہ ہماری طرف سے خوشیوں سے بے نیاز ہیں اور اس پر اللہ نے مجھے دعا کا ایک مضمون عطا فرمایا جس پر میرے بعض احباب کو وجد آگیا کہ اے اللہ! ہم سے تو تقویٰ کا، آپ سے محبت و وفاداری کا حق ادا نہ ہوسکا، ہم اپنی نالائقیوں سے اپنی بشری کمزوریوں سے آپ کو خوش نہیں کرسکے لیکن آپ اپنی رحمت سے ہمیں خوش کردیجیے کہ ہم بندے ہیں، آپ تو اللہ ہیں، مالک ہیں، بہت بڑے مالک ہیں، آپ ہماری خوشیوں سے بے نیاز ہیں، ہماری طرف سے خوشی حاصل کرنے کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ آپ صمد ہیں اور صمد کی تفسیر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَّ الْمُحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ [۳۵۸] جو سارے عالم سے بے نیاز ہو اور سارا عالم جس کا محتاج ہو۔ پس آپ ہماری طرف کی خوشیوں سے بے نیاز ہیں اور ہم آپ کی طرف سے خوشیوں کے محتاج ہیں۔ ہم تو اتنے کمزور ہیں کہ اگر کوئی شدید غم آجائے تو ہمارا ہارٹ فیل ہوجائے۔ پس اے اللہ! ہماری نالائقیوں کو نہ دیکھیے، اپنی رحمت سے ہمیں خوش کردیجیے۔

ملاقاتِ دوستاں یعنی ملاقاتِ اہل اللہ کی اہمیت

دوستوں کی ملاقات کی قدر بعض صوفیوں کو نہیں ہے۔ بس غلبۂ حال ہے کیوں کہ ذکر میں مزہ آرہا

---

۳۵۷ الفجر: ۲۸-۳۰

۳۵۸ روح المعانی: ۳۰/۲۷۴، الاخلاص (۲)، دار احیاء التراث، بیروت

ہے لیکن فہم کی کمی ہے۔ دوستوں کی ملاقات اتنی اہم ہے کہ جنّت میں بھی اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ کہ جاؤ پہلے میرے خاص بندوں سے ملو۔ عِبٰدِیۡ میں ''یاء'' نسبتی ہے یعنی یہ میرے ہیں۔ جو دنیا میں کثرتِ تعلقات اور کثرتِ اسبابِ معاصی اور اسبابِ شہواتِ نفس میں رہتے ہوئے بھی یہ نفس کے نہ ہوئے، غیروں کے نہ ہوئے، میرے بن کر رہے تو جب یہ دنیا میں میرے رہے تو میں کیوں نہ ان کو کہوں کہ یہ میرے ہیں۔ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ میں اپنے خاص بندوں کی ملاقات کو مقدم فرمایا اور وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ میں جنّت کو مؤخر فرمایا۔ یہ تقریر میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جنّت کی نعمت سے زیادہ اللہ والوں کی ملاقات ہے۔ اس لیے اللہ والوں کی ملاقات کو اللہ تعالیٰ مقدم کررہے ہیں کہ جاؤ پہلے میرے خاص بندوں سے ملو جن کے صدقہ میں تم یہاں آئے ہو اور حضرت نے فرمایا تھا کہ اہل اللہ جنّت کے مکین ہیں، جنّت ان کا مکان ہے اور مکین افضل ہوتا ہے مکان سے۔

اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ اہل اللہ کے پاس زیادہ رہو، نفلی عبادت کا اتنا اہتمام نہ کرو جتنا اللہ والوں کے ساتھ رہنے کا کرو۔ فرماتے ہیں کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ[۳۵۹] اللہ والوں کے پاس رہ پڑو۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ خَالِطُوۡهُمۡ لِتَكُوۡنُوۡا مِثۡلَهُمۡ[۳۶۰] اتنا ساتھ رہو کہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ، تمہارے دل میں وہی درد آجائے، آنکھیں ویسی ہی اشکبار ہو جائیں، تمہارے سینہ میں ویسا ہی تڑپتا ہوا دل آجائے ویسا ہی تقویٰ تمہیں نصیب ہو جائے۔

اب اس کی دلیلِ شرعی پیش کرتا ہوں اور یہ علمِ عظیم الحمدللہ! ابھی عطا ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آپس میں ملاقات اور ملنا جلنا مقصود نہ ہوتا تو جماعت کی نماز واجب نہ ہوتی بلکہ یہ حکم ہوتا کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو، دروازے بند کرلو، خلوتوں میں مجھے یاد کیا کرو۔ نہیں! بلکہ پانچوں وقت مسجد میں جاؤ اور میرے بندوں سے ملو۔ اس میں ملاقات کی اہمیت ہے کہ مسلمان آپس میں ملتے بھی رہیں۔ کوئی باپ نہیں چاہے گا کہ میرے بیٹے ہمیشہ الگ الگ رہیں۔ اگر بھائی آپس میں ملیں جُلیں کھائیں پئیں، ایک دوسرے کی دعوت کریں تو ابّا خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سات دن تک تو پنجگانہ ملاقات رکھی لیکن جمعہ کے دن ایک بڑا اجتماع رکھا کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوگا، قریہ کبیرہ میں جاؤ۔ اس طرح جمعہ میں اور زیادہ مسلمانوں سے ملاقات ہوگئی۔ پھر عید و بقر عید میں اور زیادہ اجتماع بڑھا دیا اور پھر حرمین شریفین حج و عمرہ کے لیے آؤ جہاں

۳۵۹؎ التوبۃ:۱۱۹

۳۶۰؎ روح المعانی:۱۱/۵۶، التوبۃ (۱۱۹)، دار احیاء التراث، بیروت

سارے عالم کے مسلمان مل جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی ملاقات عظیم نعمت ہے اور عند اللہ مطلوب ہے۔

آیت نمبر ۱۰۶

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۰ [۳۶۱]

ترجمہ: اور قسم ہے (انسان کی) جان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القا کیا، یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کرلیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبادیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل کی آیات میں آسمان اور زمین اور بڑی بڑی نشانیوں کی قسم اُٹھانے کے بعد پھر نفس کی قسم اُٹھائی وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا جس نے نفس کے اندر دونوں مادّے رکھ دیے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا اللہ نے نفس کے اندر گناہ کرنے کے تقاضے اور طاقت بھی پیدا کردی اور متقی بننے کی صلاحیت بھی اس میں رکھ دی۔ اب انسان کے اختیار میں ہے کہ چاہے وہ نفس کی غلامی کرکے جہنم کا راستہ اختیار کرلے اور چاہے تو ہمت کرکے متقی بن کر اللہ کا ولی بن جائے۔ چاہے تو عبد الرحمٰن بن جائے، چاہے تو عبد الشیطان بن جائے یعنی شیطان کا بندہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ انسان چاہے تقویٰ کا راستہ اختیار کرے اور چاہے فجور کا راستہ اختیار کرے، اسی اختیار پر جزا اور سزا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو بعد میں کیوں بیان فرمایا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا نافرمانی کے مادّے کو پہلے بیان فرمایا جب کہ قاعدہ کے مطابق اچھی چیز پہلے بیان ہونی چاہیے۔ مسجد میں آپ اچھا قدم یعنی داہنا قدم پہلے رکھتے ہیں، کھانا داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، ہر عمدہ چیز مقدم ہوتی ہے مگر

---

[۳۶۱] الشمس: ۷-۱۰

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فجور کو مقدم فرمایا تقویٰ پر۔ اس میں ایک بہت بڑا راز ہے۔ اگر یہ راز معلوم ہو جائے تو کسی شخص کو اپنے گناہوں کے تقاضوں سے غم نہ ہو۔ گناہ کا تقاضا آپ کے لیے مضر نہیں ہے اس پر عمل کرنا مضر ہے۔ اگر تقاضا ہی نہ ہو تو آپ متقی ہو ہی نہیں سکتے۔

خونِ آرزو، آفتابِ نسبت کا مطلع ہے

تقویٰ نام ہے کہ گناہ کا تقاضا ہو، دل چاہے گناہ کرنے کو لیکن دل کو مار لو، نفس کی خواہش کو پورا نہ کرو۔ اپنی غلط آرزوؤں کا خون کر لو تو دل کے تمام آفاق، اُفقِ شرق، اُفقِ غرب، اُفقِ شمال، اُفقِ جنوب دل کے چاروں اُفق لال ہو جائیں گے۔ دنیا کا سورج تو ایک افق سے نکلتا ہے یعنی مشرق سے لیکن اللہ والے جب تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اپنی غلط آرزوؤں کا خون کرتے ہیں اور اللہ کے راستے میں غم اٹھاتے ہیں تو دل کے چاروں افق شرق و غرب، شمال و جنوب خونِ آرزو سے لال ہو کر چاروں طرف سے دل میں نسبت مع اللہ کا، تعلق مع اللہ کا، اللہ کی ولایت اور دوستی کا سورج نکلتا ہے اور اگر غلط آرزو کا خون نہیں کیا تو پھر کیا ملے گا اندھیرے پر اندھیرے چڑھتے جائیں گے، غلاظت پر غلاظت چڑھتی جائے گی، بدبو پر بدبو، بدنامی پر بدنامی، خوش نامی نہیں ملے گی۔ کوئی حضرت کہنے والا پھر روئے زمین پر نہیں رہے گا۔ جب خلق کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت جو ہیں یہ بڑے حضرت ہیں۔ محاورہ میں کہتے ہیں کہ یہ بڑے حضرت ہیں، بڑا استاد آدمی ہے، ذرا ان سے ہوشیار رہنا۔ اس سے اکرام کے القاب چھین لیے جاتے ہیں۔ گناہ کی ایک سزا دنیا میں یہ بھی ہے کہ اکرام اور عزت کے القاب چھن جاتے ہیں اور ذلت کے لقب ملتے ہیں۔

آپ بتایئے کہ اس دل کا کیا عالم ہو گا جس کے ہر اُفق سے اللہ کے قرب کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔

تقدیمِ الہام الفجور علی التقویٰ کا راز

اللہ تعالیٰ کا نفس کی قسم کھانا یہ دلیل ہے کہ کوئی بہت بڑا مضمون اللہ تعالیٰ بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ ایک بڑے عالم و محدث کے ساتھ میں لاہور سے ریل میں کراچی آرہا تھا۔ راستے میں انہوں نے نماز فجر کی امامت کی اور یہی سورت تلاوت کی۔ نماز ہی میں یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو کیوں مؤخر فرمایا اور نافرمانی و فجور کے مادّہ کو پہلے کیوں بیان فرمایا۔ میں نے ان عالم سے پوچھا۔ تو ہنس کے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ۔

مادّۂ فجور تقویٰ کا موقوف علیہ ہے

میں نے عرض کیا کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی ہے کہ جس طرح سے بغیر وضو کے نماز نہیں ہو سکتی، بغیر موقوف علیہ پڑھے ہوئے بخاری شریف نہیں مل سکتی اسی طرح یہ مادّۂ نافرمانی تقویٰ کا موقوف علیہ ہے۔ اگر یہ مادہ نافرمانی کا نہ ہوتا تو اس کو روکنا کیسے ثابت ہوتا۔ ہر نہی اپنے منہی عنہ کے وجود اور اس کے ثبوت کے لیے ضروری ہے مثلاً میرے ہاتھ میں تسبیح ہے میں کہتا ہوں کہ بھئی! میرے ہاتھ میں جو تسبیح ہے اس کو مت دیکھنا۔ تو تسبیح کا وجود ضروری ہوا یا نہیں۔ اگر میرے ہاتھ میں تسبیح نہ ہو اور میں کہوں کہ ہاتھ میں جو تسبیح ہے اس کو مت دیکھنا تو سب کہیں گے کہ غلط بات ہے۔ ہاتھ میں تسبیح ہے ہی نہیں۔

تقویٰ کے لیے تقاضائے معصیت کا وجود ضروری ہے

تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ گناہ کے تقاضے کو روکو اور ہماری بات سنو، میرے غلام بن کر رہو، نفس نے تم کو نہیں پیدا کیا، میں نے تم کو پیدا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقاضائے معصیت کا وجود ضروری ہے جب ہی تو روکنے کے لیے فرما رہے ہیں۔ اگر تقاضائے گناہ نہ ہوتے تو تقویٰ کا وجود بھی نہیں ہو سکتا تھا کیوں کہ تقویٰ کے معنیٰ ہیں کہ گناہ کا تقاضا ہو اور پھر اس کو روک کر اس کا غم اُٹھالے۔

راہِ حق کے غم کی عظمت

اسی غم سے اللہ ملتا ہے مگر افسوس ہے اور اس بات کو درد بھرے دل سے کہتا ہوں کہ ساری دنیا کے غم اُٹھانے کے لیے انسان تیار ہے مگر اللہ کے راستے کے غم سے گھبراتا ہے جب کہ اللہ کے راستے کا غم اتنا معزز غم ہے کہ ساری دنیا کے سلاطین کے تخت و تاج ایک پلڑے میں رکھ دو، ساری دنیا کے لیلیٰ و مجنون کا حسن و عشق ترازو کے اس پلڑے میں رکھ دو، ساری دنیا کی دولت اسی پلڑے میں رکھ دو، دنیا بھر کے شامی کباب اور بریانیوں کی لذّت اسی میں رکھ دو اور ایک پلڑے پر اللہ تعالیٰ کے راستے کا ایک ذرّہ غم رکھ دو تو دنیا بھر کی خوشیاں، دنیا بھر کی لذّتیں، دنیا بھر کے سلاطین کے تخت و تاج کے نشے اس ذرہ غم کی برابری نہیں کر سکتے۔ آہ! علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کیا عمدہ شعر فرماتے ہیں ؎

ترے غم کی جو مجھ کو دولت ملے
غمِ دو جہاں سے فراغت ملے

اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرّہ غم، ان کے راستے کا ایک ذرّہ غم، گناہ سے بچنے کا غم اُٹھانا ساری کائنات سے، دونوں جہاں سے افضل ہے۔ اسی غم سے جنّت ملے گی۔ یہ وہ غم ہے جو اللہ سے قریب کرتا ہے، یہ وہ غم ہے جو ولی اللہ بناتا ہے، یہ وہ غم ہے جو دنیا میں بھی سکون سے رکھتا ہے، یہ وہ غم ہے جو جنّت تک پہنچائے گا، اب اس غم کی قیمت کون ادا کرسکتا ہے۔ ساری دنیا کی خوشیاں اگر اللہ کے راستے کے غم کو گارڈ آف آنر پیش کریں، سلامِ احترامی پیش کریں تو اللہ تعالیٰ کے راستے کے غم کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ درد بھرے دل سے کہتا ہوں کہ اتنا قیمتی غم ہے ان کے راستے کا۔ اسی غم سے خدا ملتا ہے۔ میرا ایک شعر ہے؎

دامنِ فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری
ذرّۂ درد و غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

اگر یہ غم بندہ اٹھالے تو اللہ ظالم نہیں ہے کہ ایک بندہ ہر وقت گناہوں کے تقاضوں سے پریشان ہو لیکن پھر بھی نافرمانی نہ کرے اور غم اٹھاتا رہے تو اللہ ارحم الراحمین ہے، اس کے دریائے رحمت میں جوش آتا ہے کہ میرا بندہ میرے راستے کا کتنا غم اٹھارہا ہے۔ پہلے داڑھی نہیں رکھتا تھا اب داڑھی رکھ لی۔ سب مذاق اڑارہے ہیں مگر کہتا ہے کہ کوئی پروا نہیں۔ میرا اللہ تو خوش ہے، آج تم لوگ مذاق اڑالو قیامت کے دن ان شاء اللہ تعالیٰ میرا مذاق نہیں اُڑایا جائے گا۔

تقویٰ کیا ہے؟

دوستو! یہ عرض کررہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو پہلے بیان نہیں کیا۔ پہلے فرمایا **فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا** کہ میں نے تمہارے اندر نافرمانی کے تقاضے رکھ دیے۔ اب تمہارا کام ہے کہ اس تقاضے پر عمل نہ کرو تو خود بخود آیت کے اگلے جز پر تمہارا عمل ہوجائے گا یعنی تقویٰ پیدا ہوجائے گا۔ یہ مادّۂ فجور یعنی نافرمانی کا مادّہ تقویٰ کا موقوف علیہ ہے۔ تقویٰ حاصل کرنا چاہتے ہو تو صرف گناہ چھوڑ دو گناہ کے تقاضوں پر عمل نہ کرو۔

متقی کسے کہتے ہیں؟

متقی وہ شخص ہے جو گناہ سے اپنے کو بچائے، اپنی نظر کو بچائے عورتوں سے، حسینوں سے۔ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچائے، رشوت سے بچائے، ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی وبدتمیزی سے بچے، بیوی پر ظلم وزیادتی کرنے سے بچے، پڑوسیوں کے حقوق میں ظلم کرنے سے بچے۔ ہر وقت جائز کاموں کو کرے اور ناجائز کاموں سے بچے۔

شرح آیتِ بالا بعنوانِ دِگر

تقویٰ پر فجور کے تقدم کا سبب

ایک عالم نے سوال کیا کہ فَاَلۡھَمَھَا فُجُوۡرَھَا وَتَقۡوٰھَا میں فجور کو تقویٰ پر کیوں مقدم کیا گیا جب کہ فجور شر ہے تقویٰ خیر ہے تو عقلاً تقویٰ کا تقدم ضروری تھا۔ حق تعالیٰ نے دل میں یہ جواب عطا فرمایا کہ تقویٰ کا حاصل کَفُّ النَّفۡسِ عَنِ الۡھَوٰی ہے جس کی دلیل وَنَھَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی ہے اور ہر نہی اپنے منہی عنہ کے ثبوت کو چاہتا ہے، جیسے میں کہوں کہ اس عینک کو مت دیکھو تو عینک کا وجود ضروری ہے، ورنہ نہ دیکھنے کا حکم لغو ہوگا کیوں کہ جب عینک ہے ہی نہیں تو کس چیز کو نہ دیکھنے کو کہا جارہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی [۳۶۲]

دنیا میں جو اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو حرام خواہش سے روکا۔ اس آیت سے خوف کا معیار اور خوفِ مطلوب کی تشریح بھی ہوگئی کہ بس صرف اتنا خوف مطلوب ہے جو ھَوٰی یعنی گناہ سے بچالے اور اسی کا خوف معتبر ہے جو اپنے نفس کو گناہ سے روک لے اور نفس کو گناہ سے روکنے کا نام ہی تقویٰ ہے پس آیت فَاَلۡھَمَھَا فُجُوۡرَھَا وَتَقۡوٰھَا میں فجور کو تقویٰ پر اسی لیے مقدم کیا کہ مادۂ فجور ہی تقویٰ کا موقوف علیہ ہے کہ مادۂ فجور کو دبانے سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ پس جب فجور اور ھَوٰی کا وجود نہ ہوگا تو نفس کو کس چیز سے روکا جائے گا اور پھر تقویٰ کا ثبوت کیسے ہوگا۔ پس تقویٰ تقاضائے معصیت کے مقابلے میں دفاعی طاقت کا نام ہے اور جب تقاضائے معصیت یعنی مادۂ فجور نہ ہوگا تو مقابلہ کس چیز کا کیا جائے گا؟ پس واضح ہوا کہ فجور کے مادہ کا تقدم ضروری تھا تاکہ اس کے روکنے پر تقویٰ کا تحقق ہوسکے۔ یہ نقلی دلیل ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب فجور کی قدرت دی گئی تو اس کے ساتھ تقویٰ کی قدرت بھی لازم ہے کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے۔ اور اس آیتِ پاک میں فجور کو مقدم فرمایا کہ یہ تقویٰ کا موقوف علیہ

۳۶۲؎ النّٰزِعٰت:۴۰

ہے یعنی فجور اور نافرمانی کے تقاضوں کو روکنے ہی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جیسے موجودہ سائنس کی تحقیق ہے کہ مثبت اور منفی(positive)اور(negative) ان دو تاروں سے بجلی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اے اللہ! آپ نے مادّۂ فجور کا منفی تار اور تقویٰ کا مثبت تار ہمیں دے دیا تاکہ جب ہمارے اندر مادّۂ فجور کا جوش ہو تو آپ کے خوف سے اس پر عمل نہ کریں، نافرمانی کے تقاضے پر عمل نہ کرنا یہی منفی تار ہے جس سے نورِ تقویٰ پیدا ہوتا ہے، لا الٰہ کی تکمیل سے الا اللہ نصیب ہوتا ہے، باطل خداؤں کو نکالنے سے اللہ تعالیٰ دل میں متجلی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ کی کشمکش سے آپ ہی مقصود ہیں اور ان دو تاروں سے آپ اپنی محبت کا چراغ ہمارے دلوں میں روشن کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ ہی ہمارے مقصود بن جائیں اور ہمیں ولی اللہ بنالیں۔

لیکن خیر و شر یعنی مادّۂ فجور اور مادّۂ تقویٰ کی کشمکش اور مجاہدۂ شاقہ سے ہماری جان نکلی جارہی ہے، ہم بے دم ہوئے جارہے ہیں یعنی سخت فتنہ و آزمایش میں مبتلا ہیں لہٰذا اے رب! اپنے جذب سے آپ ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجیے تاکہ اختیار بین الطریقین کی کشمکش سے نجات حاصل ہو اور آپ کی راہ آسان ہوجائے۔

ابتدائے سلوک میں نفس کو خیر و شر کے انجذاب سے سخت مجاہدہ و کشمکش پیش آتی ہے، شر اور فجور کی طرف کشش ہوتی ہے تو سالک مجاہدہ کرکے نفس کو روکتا ہے اور بہ تکلف اس کو خیر کے راستے پر ڈالتا ہے۔ تو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! اس مقامِ تلوین کو مقامِ تمکین و استقامت سے تبدیل فرمادیجیے تاکہ ہمیں آپ کا قربِ تام اور سرورِ دوام حاصل ہو۔

اے کریم! اس تردد بین الطریقین سے ہمیں نجات عطا فرمایئے اور صراطِ مستقیم پر جذب فرمالیجیے کیوں کہ جس کو آپ جذب فرمالیں وہ کبھی مردود نہیں ہوتا اور سوئے خاتمہ سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اس لیے اے اللہ! ہم آپ سے جذب کی بھیک مانگتے ہیں کیوں کہ شیطان سالکِ محض تھا، مجذوب نہیں تھا ورنہ مردود نہ ہوتا کیوں کہ جب سے دنیا قائم ہے آپ کا کھینچا ہوا کوئی شخص بھی مردود نہیں ہوا۔ جتنے لوگ مردود ہوئے ہیں وہ سب سالک تھے، آپ کے جذب سے محروم تھے۔ سالک کو بھی آخر میں جذب نصیب ہوتا ہے کیوں کہ بغیر آپ کے جذب کے کوئی آپ کا غیر محدود راستہ طے نہیں کرسکتا۔ آپ خالقِ مقناطیس ہیں، آپ کے جذب کیے ہوئے کو کون آپ سے چھین سکتا ہے؟ پس اے کریم! صراطِ مستقیم کی طرف آپ کا ہمیں جذب کرلینا ہمارے تردد بین الطریقین اور اختیار بین الامرین کے غم سے بہتر ہے۔

مزید شرح آیتِ بالا

الہامِ فجور و تقویٰ کی حکمت

اور فرماتے ہیں کہ تمہارے امتحان کے لیے میں نے تمہارے نفس کے اندر دونوں مادّے رکھ دیے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا

ہم نے تمہارے نفس میں فجور کا مادّہ بھی رکھ دیا کہ تم گناہ کرسکتے ہو، خوب تقاضا ہوگا اور تقویٰ اور اپنا خوف بھی رکھ دیا۔ لہٰذا جس سائیڈ کو چاہو رگڑ کر اس میں تقویت پیدا کردو۔ دیا سلائی میں دو سائیڈ ہوتی ہیں لیکن جب تک رگڑو گے نہیں، جلے گی نہیں لہٰذا یہ ظلم نہیں ہے کہ اللہ میاں نے کیوں ہمارے اندر گناہ کا مادّہ رکھ دیا۔ جیب میں دیا سلائی ہوتی ہے تو کیا جیب کو جلا دیتی ہے؟ رگڑنے سے آگ لگتی ہے۔ اسی طرح نفس میں ایک طرف فجور ہے ایک طرف تقویٰ ہے، اگر حسینوں سے، نمکینوں سے، عورتوں سے، لڑکوں سے میل جول کروگے تو نافرمانی کے مادہ میں رگڑ لگ جائے گی اور گناہ کی آگ بھڑک جائے گی اور اگر تم اللہ والوں کے پاس رہوگے تو فرماں برداری کے مادہ میں رگڑ لگ جائے گی اور تقویٰ کا نور روشن ہوجائے گا۔

تقویٰ کی تعریف

کیوں کہ تقویٰ کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ نافرمانی کا تقاضا ہو اور پھر اس کو روکے اور اس کا غم اُٹھائے اس غم سے پھر تقویٰ کا نور پیدا ہوتا ہے۔ اگر مادۂ فجور نہ ہوتا تو کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْهَوٰى نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى جو نفس کی بری خواہش کو روکتا ہے وہ متقی اور جنّتی ہوتا ہے تو جب ھویٰ کو روکنا ہے تو ھویٰ کا وجود ضروری ہوا، ورنہ اگر ہم کہہ دیں کہ ہمارے ہاتھ میں جو چشمہ ہے اس کو دیکھنا مت اور ہاتھ میں چشمہ نہ ہو تو کلام لغو ہوگیا اور اگر چشمہ ہے تو اب کلام صحیح ہوا۔ معلوم ہوا کہ ہر نہی اپنے منہی عنہ کے وجود کی متقاضی ہے اگر منہی عنہ نہیں ہے تو نہی لغو ہے اور اللہ کا کلام پاک ہے لہٰذا مادۂ ھویٰ کا ہونا لازم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى جو ہمارے خاص بندے ہیں وہ بُری خواہشات کو روکتے ہیں اور روکنے کا غم اُٹھاتے ہیں کیوں کہ نفس کا مزاج یہی ہے، اس کی غذا گناہ ہے۔

فرشتے معصوم ہیں، متقی نہیں

اس لیے جبرئیل علیہ السلام کو متقی کہنا جائز نہیں، معصوم کہنا چاہیے، فرشتوں کو ہم معصوم کہتے ہیں متقی نہیں کہہ سکتے کیوں کہ متقی وہ ہے جس کو گناہ کا تقاضا ہو، اس کو روکے، اس کا غم اٹھائے۔ تقویٰ کا نام ہے کَفُّ النَّفْسِ عَنِ الْھَوٰی کا یعنی نفس کو اس کی بری خواہش سے روکنا اور فرشتوں میں بُری خواہش ہے نہیں لہٰذا فرشتوں کو معصوم کہنا تو جائز ہے لیکن متقی کہنا جائز نہیں ہے کیوں کہ پوری دنیا میں حسن میں اوّل آنے والی لڑکی کو اگر جبرئیل علیہ السلام کی گود میں بھی رکھ دو تو انہیں پتا ہی نہیں چلے گا کہ یہ لوہے کا کھمبا ہے یا ڈنڈا ہے یا لکڑی ہے یا پتھر ہے یا کوئی لڑکی ہے ان کو کوئی بُرا تقاضا ہی نہیں ہوگا۔

فرشتوں کے بجائے انسان کو شرفِ نبوت عطا ہونے کا سبب

فرشتے جانتے ہی نہیں کہ گناہ کیا چیز ہے؟ ان کے اندر صلاحیت ہی نہیں کہ وہ اس کو سمجھ لیں اسی لیے پیغمبر انسان بھیجا جاتا ہے تاکہ اُمت کے تمام تقاضاہائے بشریت کو سمجھ سکے۔ فرشتے چوں کہ تقاضائے بشریت کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے اس لیے اصلاحِ نفوسِ بشریہ کے قابل نہیں ہوتے، ان کو نبی نہیں بنایا جاتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ تمہارے نفس میں تقاضے ہوں تم ان کو روکو اور غم اٹھاؤ تاکہ میدانِ محشر میں پیش کرسکو کہ ہم نے آپ کے لیے بڑے غم اُٹھائے ہیں۔

اللہ کا سچا عاشق کون ہے؟

میں کہتا ہوں کہ اصلی سالک اور اللہ کا سچا عاشق وہی ہے جو اللہ کے راستے کا غم اُٹھانا جانتا ہو اور غم اُٹھانے کی ہمت رکھتا ہو۔ خالی نفل پڑھ لینا، نفلی حج عمرہ کرلینا یہ کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ زبردست نمکین شکل سامنے آجائے اور نظر اُٹھا کر نہ دیکھے اور غم اُٹھالے چاہے کلیجہ منہ کو آجائے۔ اگر کلیجہ منہ کو آنے کی مشق ہوجائے اور حسینوں سے نظر بچانے کی توفیق ہوجائے تو ان شاء اللہ! اس کو نسبتِ صحابہ حاصل ہوگی۔ ابھی اس کی دلیل پیش کرتا ہوں کیوں کہ علماء موجود ہیں اس لیے قرآن پاک سے دلیل پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو میں نے ایمان کا یہ اعلیٰ مقام کس راستہ سے دیا ہے؟

وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ [۳۶۳]

---

[۳۶۳] الاحزاب: ۱۰

وہ ایسے سخت حالات سے گزارے گئے کہ کلیجے منہ کو آگئے گویا کہ ان کے دل اُکھڑ کر حلق میں آگئے جہاد میں کیا ہوتا ہے اور ہم نے ان کو بڑے بڑے زلزلے اور جھٹکے دیے ہیں: وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا[۳۶۴] وہ سخت زلزلہ میں ڈالے گئے۔ پس آج بھی جو شخص گناہ سے بچنے میں ہر قسم کا زلزلہ برداشت کرے گا اور کلیجہ اُکھڑ کے اس کے منہ میں آجائے پھر بھی کسی نامحرم کو نہیں دیکھے گا۔ ہر قسم کا غم تقویٰ کے راستے میں اُٹھالے گا اور اللہ کو راضی رکھے گا اپنے نفس کو ناخوش رکھے گا تو کیا ہوگا؟ ان شاء اللہ! اس کو نسبتِ صحابہ حاصل ہوگی۔

تقویٰ کے انعامات

اللہ تعالیٰ نے ہم سے گناہ چھڑوا کر ہم کو تقویٰ دیا لہٰذا تقویٰ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات دیکھیے۔

پہلا انعام... ہر کام میں آسانی

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم تقویٰ سے رہو گے تو ہم تمہارے سب کام آسان کر دیں گے۔ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا[۳۶۵] ہم اپنے حکم سے اس کے سب کام آسان کر دیں گے۔ کیوں صاحب! یہ نعمت نہیں ہے کہ انسان کے سب کام آسان ہو جائیں؟

تقویٰ کا دوسرا انعام... مصائب سے خروج

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا اس کو اللہ تعالیٰ مصیبت سے جلد نکال دیں گے، اس کو مصائب سے مخرج اور ایگزٹ (Exit) جلد ملے گا۔

تیسرا انعام... بے حساب رزق

وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ[۳۶۶]

اللہ ایسے راستے سے اس کو روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوگا۔ تقویٰ بے خسارہ کی تجارت

[۳۶۴] الاحزاب: ۱۱
[۳۶۵] الطلاق: ۴
[۳۶۶] الطلاق: ۳

ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے تجارت ہے، بے خسارہ کی ہے اور سود بھی نہیں۔ دنیا میں اگر کسی سے تجارت کرو اور خسارہ کی ضمانت لے لو کہ بھئی! نقصان کے ہم ساتھی نہیں ہیں تو سود ہو جائے گا جو حرام ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قانون بندوں کے لیے ہے کہ وہ آپس میں ایسی تجارت نہ کریں۔ اگر تم تقویٰ سے رہو تو میں ایسی تجارت کی ضمانت لیتا ہوں کہ ہم تم کو رزق دیں گے اور بے حساب دیں گے اور اس میں سود بھی نہیں ہو گا، تقویٰ میں نفع ہی نفع ہے، اس میں کبھی خسارہ نہیں ہے، ہماری طرف سے کبھی وعدہ خلافی نہیں ہوتی۔ اگر وعدہ پورا ہونے میں کبھی تاخیر نظر آئے تو سمجھ لو کہ تم نے کہیں نالائقی کی ہے، تمہارے تقویٰ میں کمی آگئی۔

چوتھا انعام... نورِ فارق

اور تقویٰ کا چوتھا انعام کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایک نورِ فارق بھی عطا کرتے ہیں، ایک نور عطا کرتے ہیں جس سے برائی بھلائی کی تمیز رہتی ہے۔

یَاۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا[۳۶۷]

پانچواں انعام... نورِ سکینہ

اور پانچواں انعام ہے کہ جو شخص تقویٰ سے رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو نورِ سکینہ عطا کرتے ہیں۔ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ جس کی وجہ سے وہ ہر وقت باخدا رہتا ہے، ایک لمحہ کو اللہ کو نہیں بھول سکتا، اگر جان بوجھ کر اللہ کو بھلا کر کسی حسین کی طرف رغبت کرنا چاہے تو اس کو اپنی موت نظر آئے گی ؎

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آرہے ہیں

اِنۡ اَرَادَ سُوۡٓءًا اَوۡ قَصَدَ مَحۡظُوۡرًا عَصَمَہُ اللّٰہُ عَنِ ارۡتِکَابِہٖ[۳۶۸]

صاحبِ نسبت اگر کسی برائی کا ارادہ بھی کرلے، کسی گناہ کے ارتکاب کا قصد بھی کرلے تو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کا ولی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائیں گے اور گناہ سے بچالیں گے۔

۳۶۷؎ الانفال: ۲۹

۳۶۸؎ تفسیر الثعالبی: الشوریٰ (۲۸)

اس کے دل میں ایسی بے چینی آئے گی اور گناہ میں اس کو ایسی موت نظر آئے گی کہ وہ گناہ اور تقویٰ دونوں کا بیلنس نکالے گا اور کہے گا کہ نہیں بھائی! تقویٰ ہی میں فائدہ ہے، اس گناہ میں تو بہت مصیبت نظر آرہی ہے۔

سکینہ آسمان سے نازل ہوتا ہے

تو تقویٰ سے نورِ سکینہ ملتا ہے اَنْزَلَ سے نازل کیا کہ اس نور کو زمین سے نہیں پاسکتے یہ پیٹرول نہیں ہے جس کو سائنس داں نکال لیں وہ اللہ تعالیٰ جس سے خوش ہوتا ہے اس کے دل پر سکینہ نازل کرتا ہے وَیَثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ إِلَى الْحَقِّ [۳۶۹] جس کی وجہ سے وہ ہر وقت باخدا رہتا ہے۔

تقویٰ کا چھٹا انعام...پُر لطف زندگی

اور دوسری طرف تقویٰ کا انعام کیا ہے۔ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً [۳۷۰] اگر تم اعمالِ صالحہ کرو گے تو ہم تم کو ضرور بضرور بالطف زندگی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر اللہ کا وعدہ ہے کہ ہم تم کو بالطف زندگی دیں گے اور لام تاکید بانون ثقیلہ سے فرمایا۔ ہماری نالائقی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمایا کہ ظالم! تم نفس کی بدمعاشیوں کے چکر میں ہو لہٰذا ہم یہ آیت لام تاکید بانون ثقیلہ نازل کررہے ہیں تاکہ تم کو اطمینان ہوجائے کہ واقعی اللہ پُر لطف اور مزے دار زندگی دے گا ورنہ بغیر تاکید کے بھی اللہ تعالیٰ کا کلام انتہائی مؤکد ہے۔ آہ! یہ ہماری نالائقی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اتنا اہتمام فرمایا۔

تقویٰ کا ساتواں انعام...عزت و اکرام

اور ساتواں انعام کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کو عزت و اکرام بھی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تمہارے خاندان و قبائل بنائے ہیں وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ سید، شیخ، مغل، پٹھان یہ خاندان اور قبیلے جو ہیں ان کا مقصد خالی لِتَعَارَفُوْا ہے، عزت ان میں نہیں ہے، یہ اس لیے ہیں کہ تعارف ہوجائے لیکن اسی کے بعد اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ [۳۷۱] معزز وہی لوگ ہیں جو تقویٰ سے رہتے

۳۶۹؎ روح المعانی: ۱۱/۲۵، دار احیاء التراث، بیروت

۳۷۰؎ النحل: ۹۷

۳۷۱؎ الحجرات: ۱۳

ہیں۔ ایک سید بد معاش ہے، شرابی ہے، زنا کرتا ہے اور ایک جولاہا ہے جو تقویٰ سے رہتا ہے بتاؤ! کون افضل ہے؟ ایک کالے رنگ والا ہے لیکن اللہ کا ولی ہے اور ایک سفید گوری چمڑی والا انگریز ہے چاہے مسلمان بھی ہو لیکن شراب اور زِنا نہیں چھوڑتا تو وہ کالا حبشی اللہ کا ولی ہے، اس کے پیر دھو کر پی لو۔ چمڑی سے کچھ نہیں ہوتا۔

نہ گوری سے مطلب نہ کالی سے مطلب
پیا جس کو چاہے سہاگن وہی ہے

جس کو اللہ پیار کرلے وہی قسمت والا ہے، خوش نصیب ہے۔

تقویٰ کا آٹھواں انعام... اللہ کی ولایت کا تاج

تقویٰ کا آٹھواں انعام سب سے بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم تقویٰ سے رہو گے تو ہم تمہاری غلامی کے سر پر اپنی دوستی کا تاج رکھ دیں گے یعنی تم کو ولی اللہ بنالیں گے اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[۳۴۲] اللہ کا ولی بن کر مرنا فائدہ مند ہے یا گناہ گار اور فاسق ہو کر مرنا؟ اور متقی ہو کر پھر کچھ دن جیو بھی تاکہ اللہ کی ولایت اور دوستی کا صحیح مزہ دنیا سے لے کر جاؤ اللہ کے یہاں۔ یہ کیا کہ آج ولی اللہ ہوئے اور روح قبض ہو گئی۔ بے شک خاتمہ تو اچھا ہوا لیکن تم نے دنیا کی زندگی میں اللہ کی دوستی کا مزہ کہاں چکھا۔ ولی ہوتے ہی تمہارا انتقال ہو گیا اور یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ولایت بھی دے، نسبتِ صدیقین بھی دے یعنی ولایتِ صدیقیت کا اعلیٰ مقام اور پھر اس میں جینا بھی نصیب فرما، میں جانوں بھی تو کہ آپ کے دوستوں کو کیا کیا ملتا ہے اور کیا مزہ آتا ہے آپ کا نام لینے میں اور آپ کی محبت میں کیا لطف آتا ہے؟ آپ کی محبت میں جینے کا کیا لطف ہے؟

تقویٰ کا نواں انعام... کفارۂ سیئات

تقویٰ کا ایک انعام سیئات اور بُرے اعمال کا کفارہ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ[۳۴۳]

یعنی جو خطائیں اور لغزشیں اس سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے یعنی اس کو ایسے

۳۴۲؎ الانفال:۳۴

۳۴۳؎ الانفال:۲۹

اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو اس کی سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔

تقویٰ کا دسواں انعام... آخرت میں مغفرت

تقویٰ کے انعامات میں سے ایک انعام آخرت میں مغفرت اور سب گناہوں، خطاؤں کی معافی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ

آیت نمبر ۱۰۷

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ [۳۷۴]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کا نام بلند کر دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کی تفسیر کیا ہے؟ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ فَاِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیْ [۳۷۵]

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! جب میرا نام لیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جائے گا۔ اگر کوئی ساری زندگی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے گا اور (آپ کا نام) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں پڑھے گا تو کافر مرے گا، اُسے جہنم میں ڈال دوں گا، مجھے آپ اتنے زیادہ محبوب ہیں کہ آپ کے بغیر کوئی لاکھ میری عبادت کرے، ساری زندگی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا رہے لیکن اگر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہیں کہے گا تو اس کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔ یہ ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان القرآن میں بحوالہ تفسیر الدر المنثور یہی لکھا ہے اَیْ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِیْ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میرا نام زمین پر لیا جائے گا تو آپ کا نام بھی لیا جائے گا، میں نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام لازم کر دیا ہے۔ اذانوں میں بھی جہاں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہو گا وہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی ہو گا۔

۳۷۴؎ الانشراح: ۴

۳۷۵؎ کنز العمال: ۴۰۵/۱۱ (۳۱۸۹۱)، باب فی فضائل متفرقة، مؤسسة الرسالة - روح المعانی: ۱۶۹/۳۰، الانشراح (۴)، دار احیاء التراث، بیروت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے آپ کا نام بلند کر دیا۔ بلند کر دیں گے نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ بلند کر دیا۔ وعدہ نہیں ہے کہ آیندہ بلند کر دیں گے، اس کا انتظار کیجیے۔ انتظار کی تکلیف ہم آپ کو نہیں دینا چاہتے۔ اپنے محبوب کو کوئی تکلیف دیتا ہے؟ اس لیے وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ازل سے ہی ہم نے آپ کا نام بلند کر دیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے قرآنِ پاک نازل کیا اسی کی تفسیر بیان کی ہے اور تفسیر دُرِّ منثور میں یہ موجود ہے کہ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمائی کہ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيْ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا، میرے نام کے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جائے گا۔

حضرت حکیم الامّت مجددِ ملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا آوازہ بلند کیا۔ یعنی اکثر جگہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نامِ مبارک مقرون کیا گیا ہے جیسے خطبہ میں، تشہد میں، نماز میں، اذان میں، اقامت میں ایمان بالرسالۃ توحید کا لازمی جز ہے۔

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی عظمتِ شان ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرے نام کے ساتھ اے رسول! آپ کا نام بھی آئے گا۔ پس اگر کوئی شخص ایک کروڑ مرتبہ میرا نام لے اور آپ کا نام نہ لے یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے یعنی اللہ پر ایمان لائے لیکن رسول اللہ پر ایمان نہ لائے تو اس کی توحید قبول نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، رسالت کی تعظیم اور تصدیقِ توحید کے لیے ضروری ہے۔ جب اللہ کی عظمت بیان کی جائے اور رسول اللہ کی عظمت بھی بیان کی جائے تب توحید کامل ہوتی ہے۔ یعنی عظمت اللہ اور عظمتِ رسول اللہ دونوں کی تصدیق کا نام توحید ہے۔ اللہ کی عظمت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی تصدیق کی جائے۔ جتنا بڑا ملک ہوتا ہے اس کا سفیر اتنا ہی بڑا ہوتا ہے۔ دیکھیے اگر امریکا کا سفیر آجائے تو دنیوی حکومتوں میں زلزلہ مچ جاتا ہے سب لوگ ڈر جاتے ہیں کہ بھئی! اس کے خلاف کوئی کام نہ کرو اور یہ تو محض دنیاوی عزت ہے کہ ملک بڑا ہے یہ کوئی عزت نہیں ہے محض دنیاداری ہے لیکن اس مثال سے معلوم ہوا کہ ملک کی عظمت سے سفیر کی عظمت ہوتی ہے۔ رسول اللہ کا سفیر ہوتا ہے۔ پس جب اللہ عظیم الشان ہے تو ثابت ہوا کہ اللہ کا رسول بھی عظیم الشان ہے اور یہ بات سو فیصد یقینی ہے کہ اگر کوئی عمر بھر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتا رہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ کہے یعنی آپ کی رسالت پر ایمان نہ لائے تو یہاں علماء بیٹھے ہوئے ہے وہ بتائیں کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ کیوں

کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو اس نے مانا لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تسلیم نہیں کیا جب کہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا لازم کر دیا۔ پس جس نے رسالت کا انکار کیا اس نے اللہ کے حکم کا انکار کیا اس لیے منکرِ رسالت کافر ہے۔ عظمتِ رسالت کا انکار اللہ کا انکار ہے۔ اسی لیے حدیثِ قدسی میں اللہ نے فرمایا اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ جب میرا نام لیا جائے گا تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کا نام بھی لیا جائے گا۔ جب کوئی مؤذن اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے گا تو اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی کہے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

اب مرا نام بھی آئے گا ترے نام کے ساتھ

یہ ہے عاشقوں کی عزت، عاشقوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ درجہ دیا ہے، اللہ اپنے عاشقوں کو عزت دیتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اللہ کا عاشق کوئی نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اللہ کے سب سے بڑے عاشق ہیں، آپ جیسا عاشق ہونا ناممکن ہے، آپ جیسا اللہ کا عاشق نہ کوئی ہوا، نہ ہے اور نہ قیامت تک ہو گا۔ آپ کی بے مثل شانِ عشق اس حدیث سے ظاہر ہے:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ [۳۷۶]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں یہ محبوب رکھتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔ سبحان اللہ! جانِ پاکِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا عشق تھا کہ اللہ کے راستے میں بار بار شہادت کی تمنا فرما رہے ہیں اور آپ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام خلائق میں آپ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ یہ مضمون اتنا ضروری ہے کہ جزوِ ایمان ہے، عظمتِ توحید اور عظمتِ رسالت دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔

۳۷۶؎ صحیح البخاری:۱۰/۱(۳۶)، باب الجہاد من الایمان، المکتبۃ المظھریۃ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان

دنیوی حکومتوں کا سفیر اس ملک کے بادشاہ کا نمایندہ، ترجمان اور امین ہوتا ہے اور جتنا ہی بڑا ملک ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کے سفیر کی عزت ہوتی ہے۔ سفیر کی زبان بادشاہ کی زبان ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر اللہ کا سفیر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سفیر ہیں۔ اس لیے آپ کا فرمان اللہ کا فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾[۳۷۷]

اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں بلکہ ان کا ارشاد خالص وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے۔ اس میں فرق کرنے والا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو اللہ کے فرمان سے الگ سمجھنے والا یعنی آپ کے ارشادات کا انکار کرنے والا ایمان سے خارج ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اہلِ ایمان سے فرماتے ہیں:

وَمَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَمَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ[۳۷۸]

یعنی ہمارا رسول تمہیں جو کچھ دے اسے سر آنکھوں پر رکھ لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔ حضرت حکیم الامّت مجددِ ملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو (اور یہی حکم ہے افعال واحکام میں بھی)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی اجمالی معرفت کے لیے یہی انتساب کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ[۳۷۹] کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ بظاہر تو یہ تین لفظ ہیں، محمد، رسول اور اللہ لیکن اس میں کس قدر عظمت چھپی ہوئی ہے، ذرا اس انتساب کو دیکھو کہ کس کے رسول ہیں، میری عظمت و جلال و کبریائی سے میرے رسول کی عظمتِ شان کو پہچانو کہ یہ میرے رسول ہیں اور رسول بھی کیسے کہ خاتم النبیّین ہیں، نبوت آپ پر ختم کر دی گئی۔

۳۷۷؎ النجم: ۳-۴

۳۷۸؎ الحشر: ۷

۳۷۹؎ الفتح: ۲۹

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[۳۸۰]

معارفُ القرآن میں ہے کہ صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالاتِ نبوت ورسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے کیوں کہ قرآن کریم نے خود اس کو واضح کردیا ہے:

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ[۳۸۱]

یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی ہے۔ انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے کوئی ناقص نہ تھا لیکن کمالِ مطلق اس دینِ مصطفوی کو حاصل ہوا جو اوّلین وآخرین کے لیے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

لفظ خاتم النبیّین نے یہ بھی بتلادیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی اُمت میں شامل ہوں گی اس وجہ سے آپ کی اُمت کی تعداد بھی دوسری اُمتوں سے زیادہ ہوگی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔ (معارف القران)

پس آپ سید الانبیاء ہیں، تمام نبیوں کے سردار، اللہ کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالاتِ رفیعہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی معرفت

قرآنِ پاک کی مذکورہ بالا بعض آیات اور بعض احادیثِ مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی اجمالی معرفت کے لیے بیان کی گئیں لیکن آپ کی معیت اور صحبتِ مبارکہ جو صحابہ پر اثر انداز ہوئی اور ان کی زندگی میں جو انقلاب آیا اس کو اللہ تعالیٰ سند کے طور پر قیامت تک آنے والی اُمت کے لیے قرآنِ پاک میں بیان فرمارہے ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ[۳۸۲]

۳۸۰؎ الاحزاب:۴۰

۳۸۱؎ المآئدۃ:۳

۳۸۲؎ الفتح:۲۹

اے لوگو! میرے رسول کی جلالتِ شان کو تھوڑا سا سمجھنے کے لیے تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم جان لو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں۔ جتنا عظیم میں ہوں اسی سے میرے رسول کی عظمت کو پہچانو۔ بادشاہ کی عظمت سے سفیر کی عظمت ہوتی ہے۔ جتنے بڑے ملک کا بادشاہ ہوتا ہے اتنی ہی اس کے سفیر کی عظمت واہمیت ہوتی ہے۔ میں تو رب العالمین ہوں، احکم الحاکمین ہوں، سلطان السلاطین ہوں اس سے میرے رسول کی عظمت کو پہچانو لیکن جس طرح تمہاری عقل و فہم و اِدراک میری عظمتوں کا احاطہ نہیں کرسکتے اسی طرح میرے رسول کی عظمتوں کا تم کیا احاطہ کروگے، میرے رسول کے انوارِ نبوت کو بلاواسطہ دیکھنے سے تمہاری آنکھیں قاصر ہیں۔ لہٰذا میرے رسول کے انوار کو **وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ** میں دیکھو یعنی اُن لوگوں کے اندر دیکھو جن پر میرے رسول کے نور کا عکس پڑ گیا ہے، جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول کی خوشبو میں بسائے گئے ہیں اُن میں میرے نبی کی خوشبو سونگھو کہ جن کے شاگردوں کی یہ شان ہے تو استاد کی کیا شان ہوگی! یہ اس **مَعَهٗ** یعنی معیتِ رسول کا فیض ہے جس نے صحابہ کو کیا سے کیا بنادیا۔

تُونے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فرواں کر دیا
پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

جو پہلے کفر و شرک سے مردہ تھے معیتِ رسول سے حیاتِ ایمانی سے مشرف ہوگئے، جو بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے اب اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں سرگرم ہیں اور کفر و شرک سے ایسی شدید نفرت ہوگئی کہ آگ میں جل جانا اُن کو کفر پر لوٹ جانے سے زیادہ محبوب ہے، جان، مال، آل و اولاد سب سے زیادہ اب اللہ پیارا ہوگیا، جو شدّتِ غضب پہلے اللہ اور اللہ کے عاشقوں سے تھی رسولِ پاک کی معیت وصحبت کی برکت سے اب وہ شدت اللہ کے دشمنوں پر محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے صرف ہونے لگی جس کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں موقعِ مدح میں بیان فرمارہے ہیں **اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ** میرے نبی کے صحبت یافتہ کافروں کے مقابلے میں بہت اشد، بہت سخت اور تیز ہیں لیکن آپس میں اُن کا کیا حال ہے **رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ** آپس میں بہت مہربان ہیں، ایک دوسرے پر فدا ہیں یہ اس **مَعَهٗ** کا فیض ہے کہ جو محبت پہلے نفسانی خواہشات کے لیے تھی میرے نبی کی صحبت نے اس کا رُخ بدل دیا اور وہی محبت اب اللہ کے لیے اللہ سے محبت کرنے والوں پر نثار ہونے لگی۔

میرے رسول کی معیت کا فیض دیکھو کہ بندوں کے ساتھ اُن کے اخلاق میں یہ حیرت انگیز انقلاب آگیا اور میرے ساتھ اُن کی عبادت کا کیا مقام ہے **تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا** تم دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں جھکے ہوئے ہیں، کبھی سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو لوگ کبھی باطل خداؤں کی عبادت کیا کرتے تھے میرے

رسول کی صحبت نے اس محبت کا رُخ پھیر دیا اور باطل معبودوں کے سامنے جھکنے والے سروں کو معبودِ حقیقی کے سامنے جھکا دیا۔ اور ان کے اخلاق و اعمال میں یہ انقلاب کس وجہ سے آیا؟ کافروں کے ساتھ شدت اور ایمان والوں کے ساتھ محبت و رحمت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکوع و سجود میں انہماک کس غرض کے لیے تھا؟ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا** ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ میرے شیخِ اوّل حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے تھے کہ صحابہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو سونگھتے پھرتے ہیں کہ کیا کر لوں کہ میرا رب خوش ہو جائے؟ اُن کے اخلاص کا یہ اثر ہے کہ **سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ** اُن کی عبدیت کے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ کے اُن کے چہروں سے نمایاں ہو رہے ہیں، یہ آثار خشوع و خضوع کے انوار ہیں جو مؤمن متقی کے چہرہ میں مشاہدہ کیے جاتے ہیں، کمالِ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چہروں پر نور ہے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ دل جب نور سے بھر جاتا ہے تو آنکھوں سے چھلکنے لگتا ہے، چہرہ سے جھلکنے لگتا ہے۔ اسی کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں سِیۡمَا کی تفسیر میں فرمایا:

هُوَ نُوۡرٌ یَّظۡهَرُ عَلٰی وُجُوۡهِ الۡعَابِدِیۡنَ یَبۡدُوۡ مِنۡ بَاطِنِهِمۡ عَلٰی ظَاهِرِهِمۡ [۳۸۳]

سیما ایک نور ہے جو اللہ کے عبادت گزار بندوں پر اُن کے باطن سے چھلک کر اُن کے ظاہر پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بتا دیا کہ یہ اوصاف جو صحابہ میں پیدا ہوئے یہ ان کی ذاتی صفات نہیں تھیں بلکہ چوں کہ وہ **وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗۤ** تھے یعنی معیتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حاصل تھی، یہ اسی معیت کا فیض تھا کہ اب قیامت تک ان کا مثل پیدا نہیں ہو سکتا، کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا کیوں کہ اب سید الانبیاء خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کسی کو میسر نہیں ہو سکتی۔ جو **وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ** کے مصداق تھے، کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے اب نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس پڑ جانے سے ہدایت کے چراغ بن گئے، ہر صحابی ستارۂ ہدایت بن گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَصۡحَابِیۡ کَالنُّجُوۡمِ فَبِاَیِّهِمُ اقۡتَدَیۡتُمۡ اهۡتَدَیۡتُمۡ

۳۸۳؎ روح المعانی: ۲۶/۱۲۵، الفتح (۲۹)، دار احیاء التراث، بیروت

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، اُن میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔ مشکوٰۃ نبوت سے جس صحابی پر جس قسم کی جو شعاع پڑ گئی وہ اس کا مصداق ہو گیا۔ نگاہِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق پر پڑی تو اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ ہو گئے کہ میری اُمت میں میری اُمت پر سب سے زیادہ رحم دل ابو بکر ہیں اور اسی نگاہِ مبارک کے صدقے میں شبِ معراج کی ایک تصدیق سے آپ صدیق ہو گئے جس کو مولانا رومی فرماتے ہیں۔

چشمِ احمد بر ابو بکرے زدہ
از یکے تصدیق صدیق آمدہ

حضرت ابو بکر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک کا ایسا فیضان ہوا کہ ایک تصدیق سے وہ صدیق ہو گئے اور صدیق آئینۂ نبوت ہوتا ہے اور مشکوٰۃِ نبوت سے فَارِقٌ بَیْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ کی ایک شعاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑ گئی اور آپ فاروق ہو گئے اور اسی نگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں سب سے اشد عمر ہیں۔ حیائے نبوت کی ایک شعاع نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اَصْدَقُھُمْ حَیَآءً عُثْمَانُ بنا دیا کہ میرے صحابہ میں حیاء کے اعتبار سے سب سے بڑھے ہوئے حضرت عثمان ہیں اور نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شعاع کے فیضان ہی سے آپ ذوالنورین بھی ہو گئے اور نگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض تھا کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علوم و معارف سے آراستہ کر کے بَابُ الْعِلْمِ (علم کا دروازہ) اور اَسَدُ اللّٰہِ (شیر خدا) اور اَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ یعنی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ایک لفظ مَعَہٗ نازل کر کے بتا دیا کہ معیتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی کایا پلٹ دی اور جیسا کہ اوپر حدیثِ پاک مذکور ہوئی کہ ہر صحابی ستارۂ ہدایت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ صحبت میں اللہ تعالیٰ نے کیمیا کا اثر رکھا ہے۔ جس طرح کیمیا تانبے کو سونا بنا دیتا ہے اسی طرح صحبت کفر و فسق سے مردہ دلوں کو حیاتِ ایمانی سے مشرف کرتی ہے اور دوسری آیت میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ نازل فرما کر مزید صراحت فرما دی کہ اہلِ صدق، اہلِ تقویٰ کی صحبت و معیت کے بغیر تم صاحبِ تقویٰ اور صاحبِ ولایت نہیں ہو سکتے کیوں کہ تقویٰ ہی ولایت کی بنیاد ہے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی: اِنْ اَوْلِیَاءُہٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کہ اللہ کا کوئی ولی نہیں سوائے اُن کے جو متقی ہیں اور صادقین اور متقین کلی متساوی ہیں جس کی دلیل قرآنِ پاک کی آیت اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ہے۔ معلوم

ہوا کہ جو صادق ہے وہ متقی ہے اور جو متقی ہے وہ صادق ہے۔

عظمتِ رسالت کا منکر جہنمی ہے

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کیا شان دی ہے، علمائے اُمت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا درجہ ہے لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ قربان ہو، پھر اُس کی کیا قربانی ہے، کوئی اللہ پر قربان ہے، شہادت کے لیے تیار ہے لیکن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس کے دل میں نہیں ہے تو جہنم میں جائے گا اس لیے عظمتِ رسالت بھی ایمان کے لیے لازمی ہے۔

(مولانا منصور الحق صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے بہت قیمتی بات فرمائی۔ جامع)

بعض لوگ شہید ہونے کے لیے تیار ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت میں کمی ہے جس کی دلیل ہے کہ سنّت کی اتباع نہیں کرتے، گناہوں سے نہیں بچتے تو یہ دلیل ہے کہ اُن کے دل میں اللہ کی عظمت میں بھی کمی ہے۔ عظمتِ رسول عظمت اللہ کی دلیل ہے جس کے دل میں اللہ کی جس قدر عظمت ہوگی اسی قدر اس کے دل میں رسول کی عظمت بھی ہوگی۔ ثابت ہوا کہ جس کے دل میں رسول اللہ کی عظمت نہیں اس کے دل میں اللہ کی بھی عظمت نہیں ہے اس لیے رسالت کا منکر اللہ کا منکر ہے اس لیے جہنمی ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اُسوۂ حسنہ کن لوگوں کو محبوب ہوتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا[۳۸۴]

سے معلوم ہوا کہ اتباعِ سنّت کس کو نصیب ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ کن کو محبوب ہے اور کون لوگ آپ کے اُسوۂ حسنہ کو اختیار کرتے ہیں؟ جو اللہ سے ڈرتے ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہیں، ذکر اللہ سے مراد صرف ذکرِ لسانی نہیں ہے بلکہ تمام احکاماتِ خداوندی کی

۳۸۴؎ الاحزاب:۲۱

اطاعت ہے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے رسول ہی میں بہترین نمونہ ہے۔ اس میں ایک علمی نکتہ یہ ہے کہ آیت میں متعلقات کو مقدم کیا گیا جن کا حق تاخر کا تھا جس سے معنیٰ حصر کے پیدا ہو گئے۔ تَقْدِیْمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ صرف میرے رسول ہی میں اُسوۂ حسنہ موجود ہے، رسول اللہ کے علاوہ اُسوۂ حسنہ کسی اور میں ہو ہی نہیں سکتا اور چوں کہ اُسوۂ حسنہ وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں یعنی مؤمنِ کامل ہیں اور ذاکر یعنی مطیع و فرماں بردار ہیں اس لیے صوفیاء ایمان میں ترقی، اللہ اور آخرت پر یقین اور اللہ کے احکامات کی بجاآوری کے لیے ذکر اور مجاہدات کراتے ہیں تاکہ یَرْجُوا اللّٰہَ کے مصداق ہو کر متبعِ سنّت ہو جائیں۔ سنّت پر عمل وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور یومِ قیامت سے ڈرے گا اور فرماں بردار ہو گا۔ یہ لطائفِ قرآنیہ سے ہے تفسیر نہیں ہے۔

درود شریف کی اہمیت اور لفظ درود کے معانی

درود شریف کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[۳۸۵]

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، اے ایمان والو! تم بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو (تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقِ عظمت جو تمہارے ذمہ ہے ادا ہو جائے۔) (بیان القرآن)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رحمت بھیجنا تو رحمت فرمانا ہے اور مراد اس سے رحمتِ مشترکہ نہیں ہے کہ جس سے اختصاصِ مقصود ثابت نہیں ہوتا بلکہ رحمتِ خاصہ ہے جو آپ کی شانِ عالی کے مناسب ہے اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا اور اسی طرح جس رحمت کے بھیجنے کا ہم کو (مسلمانوں کو) حکم ہے اس سے مراد اس رحمتِ خاصہ کی دعا کرنا ہے اور اسی کو ہمارے محاورہ میں ''درود'' کہتے ہیں (انتھی کلامہ) یعنی اللہ تعالیٰ کے رحمت بھیجنے سے مراد نزولِ

۳۸۵؎ الاحزاب: ۵۶

رحمت ہے اور رحمت بھی مشترکہ نہیں جو دوسروں کو بھی حاصل ہے بلکہ وہ رحمتِ خاصہ مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی کے شایانِ شان ہے اور جو مخلوق میں سوائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو حاصل نہیں اور فرشتوں کے رحمت بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس رحمتِ خاصہ کی دعا کرتے ہیں اور آیت میں آگے مؤمنین کو جو رحمت بھیجنے کا حکم ہو رہا ہے اس سے بھی مراد اس رحمتِ خاصہ کی دعا کرنا ہے جس کو عرفِ عام میں ''درود'' کہتے ہیں اور آیت کا عاشقانہ ترجمہ میں یہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی میرے نبی سے پیار کرو۔

حضرت مولانا فضلِ رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ، صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشقانہ ترجمہ یوں کرتے تھے کہ اللہ پیار کرے نبی صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اور سلامت رکھے ان کو۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اصل مقصود آیت کا مسلمانوں کو یہ حکم دینا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کریں مگر اس کی تعبیر و بیان میں اس طرح فرمایا کہ پہلے حق تعالیٰ نے خود اپنا اور اپنے فرشتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عملِ صلوٰۃ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد عام مؤمنین کو اس کا حکم دیا جس میں آپ کے شرف اور عظمت کو اتنا بلند فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جس کام کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے وہ کام ایسا ہے کہ خود حق تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی وہ کام کرتے ہیں تو عام مؤمنین جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات بے شمار ہیں ان کو تو اس عمل کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے اور ایک فائدہ اس تعبیر میں یہ بھی ہے کہ اس سے درود و سلام بھیجنے والے مسلمانوں کی ایک بڑی فضیلت یہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام میں شریک فرمالیا جو کام حق تعالیٰ خود بھی کرتے ہیں اور اس کے فرشتے بھی (انتہیٰ) پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم الشان شرف حاصل ہے کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ خود شریک ہیں۔

آگے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو نسبت صلوٰۃ کی ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کی طرف سے ''صلوٰۃ'' ان کا آپ کے لیے دعا کرنا ہے اور عام مؤمنین کی طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا و مدح و ثناء کا مجموعہ ہے۔ عامہ مفسرین نے یہی معنیٰ لکھے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو العالیہ سے

یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد آپ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح وثناء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ کو بلند مرتبہ عطا فرمایا کہ اکثر مواقع اذان واقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر شامل کردیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا اور آپ کی شریعت پر عمل قیامت تک جاری رکھا اس کے ساتھ آپ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا اور آخرت میں آپ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کا مقام تمام خلائق سے بلند وبالا کیا اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپ کو مقامِ شفاعت عطا فرمایا جس کو ''مقامِ محمود'' کہا جاتا ہے۔(انتھی کلامہٗ)

درود شریف کے کچھ مزید معانی

بعض اور علماء نے بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود تک پہنچانا ہے جو مقامِ شفاعت ہے اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندئ درجات کے لیے دعا اور آپ کی اُمت کے لیے استغفار کرتے ہیں اور مؤمنین کے درود سے مراد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کے ساتھ محبت کرنا اور آپ کے اوصافِ جمیلہ وسیرتِ عالیہ کا تذکرہ وتعریف کرنا ہے۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بے مثل محبوبیت

اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل محبوبیت ظاہر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بہت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعریف وتوصیف اور اعزاز واکرام فرمایا مثلاً آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا لیکن کسی حکم اور کسی اعزاز واکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز صرف ہمارے پیارے نبی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے کہ درود شریف کی نسبت پہلے اپنی طرف فرمائی اور پھر فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ اے مسلمانو! تم بھی میرے نبی پر درود بھیجو۔ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ شرکت کیا نعمت نہیں ہے؟ جس تجارت میں بادشاہ کا حصہ بھی ہو اس تجارت میں خسارہ اور (loss) ہو سکتا ہے؟ وہ بزنس گھاٹے میں جاسکتی ہے؟ درود شریف بھیجنا اللہ کا کام ہے اور فرشتوں کا کام ہے اس میں اپنا حصہ لگالو، یہ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ہے اس میں خسارہ ہے ہی نہیں۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی امت پر رحمت و شفقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت، رحمت اور شفقت اپنی امت کے ساتھ تھی اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں اس کی شہادت دے رہے ہیں:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ[۳۸۶]

یعنی ہم نے تمہارے پاس اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے جو تم ہی میں سے ہیں یعنی تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کی شفقت و رحمت کی کیا شان ہے؟ کہ تمہاری مضرت کی بات ان کو گراں گزرتی ہے، چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے اور وہ تم پر حریص ہیں اور حریص کس بات پر ہیں؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر فرماتے ہیں کہ

حَرِیۡصٌ عَلٰۤی اِیۡمَانِکُمۡ وَصَلَاحِ شَانِکُمۡ[۳۸۷]

وہ تمہارے ایمان پر اور تمہاری صلاحِ شان پر حریص ہیں کہ تم ایمان لے آؤ اور تمہاری حالت کی اصلاح ہو جائے۔ اس کو کسی شاعر نے کہا ہے؎

حِرۡصُکُمۡ دَآئِرٌ عَلٰۤی اِیۡمَانِنَا
لَا بِذَاتٍ بَلۡ صَلَاحِ شَانِنَا

اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کی حرص کا تعلق ذات سے نہیں ہے بلکہ ہمارے ایمان اور ہماری صلاحِ شان سے ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فَاِنَّ الۡحِرۡصَ لَا تَتَعَلَّقُ بِذَوَاتِہِمۡ کیوں کہ اس حرص کا تعلق اے صحابہ! تمہاری ذات سے نہیں ہے، ان کی نظر تمہاری دنیا اور تمہارے مال پر نہیں، وہ صرف تمہارے ایمان اور تمہاری اصلاحِ حال پر حریص ہیں کیوں کہ ہم نے اپنے ہر نبی کی زبان سے یہ اعلان کرایا ہے کہ

۳۸۶؎ التوبۃ: ۱۲۸

۳۸۷؎ روح المعانی: ۱۱/۵۲، التوبۃ (۱۲۸)، دار احیاء التراث، بیروت

وَمَآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ [۳۸۸]

ترجمہ: میں تم سے اس دعوت الی اللہ کا کوئی بدلہ اور صلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو میرے رب کے پاس ہے۔

اس حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ میں اُمتِ دعوت یعنی کفار بھی شامل ہیں۔ آپ کی شفقت ورحمت کی یہ شان ہے کہ کفار کے ایمان واسلام کے لیے بھی آپ اپنی جانِ پاک کو گھلا رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا اور فرمایا اے نبی! کیا ان کافروں کے ایمان نہ لانے کے غم میں آپ اپنی جان دے دیں گے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ [۳۸۹]

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳﴾ [۳۹۰]

جب دشمنوں پر آپ کی رحمت کی یہ شان ہے تو اہلِ محبت یعنی مؤمنین کے ساتھ آپ کی رحمت وشفقت کا کیا عالم ہوگا؟ اسی کو حق تعالیٰ نے اگلی آیت میں بیان فرمادیا جو تخصیص بعد التعمیم ہے یعنی حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُم میں تو عموم ہے کہ اس میں مؤمنین و کفار دونوں شامل ہیں لیکن آگے مؤمنین کو خاص فرما رہے ہیں کہ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ مؤمنین کے ساتھ تو آپ رؤف ورحیم ہیں یعنی بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ رأفت کے معنیٰ ہیں دفعِ مضرت اور رحمت کے معنیٰ ہیں جلبِ منفعت تو یہ معنیٰ ہوئے کہ جو باتیں اہلِ ایمان کے لیے مضر ہیں ان کو دفع کرتے ہیں اور جو باتیں مؤمنین کے لیے نفع بخش ہیں وہ عطا کرتے ہیں اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر آپ کی شانِ رحمت کی یوں شہادت دی ہے کہ

اَلنَّبِيُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ [۳۹۱]

یعنی اے ایمان والو! جتنی محبت تمہیں اپنی جانوں کے ساتھ ہے ہمارے نبی کو اس سے زیادہ محبت تمہاری جانوں سے ہے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری جانوں کے ساتھ ایسا تعلق ہے جو خود ہمیں اپنی جانوں سے نہیں تو ہم پر آپ کا حق اپنی جان سے زیادہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر حق ہے کہ ہم اپنی جان سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں اور اس محبت کا ثبوت یہ ہے کہ ہر کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں کیوں کہ

۳۸۸؎ الشعرآء:۱۰۹

۳۸۹؎ الکھف:۶

۳۹۰؎ الشعرآء:۳

۳۹۱؎ الاحزاب:۶

فَاِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

عاشق جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرماں بردار ہوتا ہے۔

لہٰذا اس نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر ہم اپنی کروڑوں جانیں قربان کردیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اے ہمارے رب! آپ اپنے محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ قیامت تک پیار فرمائیے اور ان کو سلامت رکھیے یعنی ان پر رحمت وسلامتی نازل فرماتے رہیے جو ساری خلائق میں سب سے زیادہ آپ کے پیارے ہیں۔

آیت نمبر ۱۰۸

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ[۳۹۲]

ترجمہ: (اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (پر جو) قرآن (نازل ہوا کرے گا) اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجیے۔

صحبت اور کتاب کے متعلق ایک الہامی علمِ عظیم

صحبت اتنی بڑی نعمت ہے کہ ایک لاکھ کتابیں پڑھنے والے میں وہ بات نہیں پاؤ گے جو صحبت یافتہ لوگوں سے پاؤ گے۔ دیکھیے قرآن پاک ابھی مکمل نازل نہیں ہوا صرف اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ نازل ہوئی اور نبوت عطا ہوگئی۔ قرآن پاک ابھی ۲۳ سال میں مکمل ہوگا لیکن نبوت آپ کو ایک ہی آیت کے نزول پر مکمل عطا کی گئی۔ نبوت ناقص نہیں دی گئی کہ قرآنِ پاک ابھی مکمل نہ ہوا تو نبوت تھوڑی سی دے دی گئی ہو۔ نہیں! مکمل نبوت عطا ہوئی اور ایسی مکمل ہوئی کہ جس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا وہ صحابی ہوگیا اور مکمل صحابی

۳۹۲؎ العلق:۱

ہوا ہے، ناقص صحابی نہیں ہوا۔ وہ صحابی مکمل آپ نبی مکمل، اگرچہ قرآن پاک ابھی مکمل نازل نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ نبوت اور صحابیت کتاب اللہ کی تکمیل کے تابع نہیں۔ اگر کتاب صحبت سے زیادہ اہم ہوتی تو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کے نزول کے وقت ایمان لانے والے صحابی نہ ہوتے بلکہ یہ ہوتا کہ ابھی تو ایک ہی آیت نازل ہوئی ہے جب پورا قرآن نازل ہو جائے گا تب صحابی بنو گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ اس وقت ایمان لانے والے صحابہ کا مقام سب سے بڑھ گیا اور وہ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن کہلائے۔ اور آج پورا قرآن سینوں میں ہے۔ لیکن کوئی صحابی بن کر دکھائے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ صحبت کیا چیز ہے۔ انڈا ایک لاکھ سال تک الگ پڑا رہے تو انڈا ہی رہے گا بلکہ گندا ہو جائے گا اور مرغی کی صحبت میں اکیس دن تک رہے تو حیات آجاتی ہے۔ ایسے ہی جو لوگ بزرگوں کے پاس رہتے ہیں ان کو حیاتِ ایمانی عطا ہوتی ہے۔ صحبت یافتہ عامی کے اخلاق میں اور غیر صحبت یافتہ عالم کے اخلاق میں آپ زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ بے صحبت یافتہ کہیں دولت سے بک جائے گا، کہیں مال سے، کہیں جاہ سے، کہیں باہ سے اور اللہ کا ولی اور صاحبِ نسبت کبھی بک نہیں سکتا۔ سورج اور چاند سے نہیں بک سکتا، سلاطین کے تخت و تاج سے نہیں بک سکتا، لیلائے کائنات کے نمکیات سے نہیں بک سکتا اور مجانینِ عالم کی عشقیات سے بھی نہیں بک سکتا۔

اسی لیے بڑے پیر صاحب شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے علمائے کرام! مدرسوں سے فارغ ہو کر چھ مہینہ کسی اللہ کے ولی کے پاس رہ لو تاکہ تمہاری نفسانیت مٹ جائے اور للّٰہیت آجائے۔ ایک محدث نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگر ملی نہ غلامی کسی خدا کے ولی کی
تو علمِ درسِ نظامی کو علم ہی نہیں کہتے

ورنہ ضمیر فروشی اور نفس پرستی رہتی ہے۔ جس کے دل میں خالقِ دل متجلی نہیں اس کا دل، دل نہیں ہے، وہ دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ میرا شعر ہے ؎

صحبتِ اہلِ دل جس نے پائی نہ ہو
اس کا غم، غم نہیں اس کا دل، دل نہیں

صحبت کی قیمت علم سے زیادہ ہے کیوں کہ جو پہلے ایمان لائے ان کو نبی کی صحبت زیادہ ملی، ان کا درجہ ان سے بڑھ گیا جو تیس پاروں کے بعد ایمان لائے۔ یہ ہے صحبت کی اہمیت اور جو شیخ اور مربی جتنا قوی النسبت ہو گا

اس کے صحبت یافتہ بھی اتنے ہی قوی النسبت ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ چوں کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا نہ کوئی پیدا ہوگا اس لیے آپ کے صحابہ بھی امم سابقہ کے صحابہ سے افضل ہیں اور اب قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا ولی ایک ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا لیکن نسبت قیامت تک سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی رہے گی۔ اس لیے مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! جو ہم میں صاحبِ نسبت نہیں ہیں ان کو صاحبِ نسبت کر دے اور جو صاحبِ نسبت ہیں مگر ضعیف اور کمزور تعلق ہے ان کو قوی کر دے اور جو قوی النسبت ہیں ان کو اقویٰ کر دے یعنی ان کو اس قدر قوی النسبت کر دے کہ ان کی صحبتوں سے دوسرے ولی اللہ پیدا ہونے لگیں۔ اس لیے جس شیخ سے تعلق کریں پہلے خوب دیکھ لیں کہ وہ قوی النسبت بھی ہے یا نہیں۔

آیت نمبر ۱۰۹

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۵﴾[۳۹۳]

ترجمہ: جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور (اس حالت کو دیکھ کر کافر) آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا، اس روز اپنی سب (اچھی بُری) خبریں بیان کرنے لگے گی اس سبب سے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہو گا۔

زمین کی شہادت

جب حشر برپا ہو گا اس دن زمین کے پیٹ اور پیٹھ کی ساری چیزیں ظاہر ہو جائیں گی۔ مردے، سونا، چاندی اور دیگر جو بھی دفینے اور معدنیات زمین کے اندر ہیں، اس کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، خون خرابہ ہوتا ہے، لیکن اس دن یہ باہر پڑے ہوں گے اور کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے والا نہ ہو گا اور سب جان لیں گے یہ کس قدر بے حقیقت ہیں۔

---

[۳۹۳] الزلزال: ۱-۵

اس طرح مؤمن اور کافر ہر انسان سے جو بھی اچھا عمل یا بُرا عمل صادر ہوتا ہے، وہ زمین ہی پر ہوتا ہے۔ آج یہ زمین بے زبان ہے، لیکن حشر کے دن قادرِ مطلق کے حکم سے زمین میں قوتِ گویائی آجائے گی، یعنی ساکت ناطق ہوجائے گی اور چھوٹے بڑے، اچھے بُرے، ہر ہر واقعہ کی پوری پوری شہادت پیش کرے گی۔ گویا آج یہ زمین زندگی کے تمام اقوال وافعال اور حرکات وسکنات کو جوں کا توں ٹیپ کررہی ہے کل ٹیپ کا بند کھول دیا جائے گا اور پورا ٹیپ کیا ہوا مواد سامنے آجائے گا مثلاً کہے گی کہ فلاں شخص نے نماز پڑھی تھی، فلاں فلاں کی مصیبت میں کام آیا تھا، فلاں ہر کارِ خیر میں آگے بڑھ کر حصہ لیتا تھا، فلاں اللہ کے سامنے سرِ نیاز خم نہ کرتا تھا اور اس کے ہر حکم سے سرتابی کرتا تھا، فلاں نے چوری کی تھی، ظلم کیا تھا، خونِ ناحق بہایا تھا۔ ان حقائق کو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

زمین کی اس عظیم شہادت کے پیشِ نظر شیخ محی الدین ابن عربی نے ایک بڑی حکیمانہ بات ارشاد فرمائی، فرماتے ہیں کہ جس زمین پر انسان سے کسی گناہ کا صدور ہوجائے تو اسے چاہیے کہ اس جگہ کوئی نیک کام بھی کردے تاکہ وہ زمین جو حشر کے دن اس کے گناہوں کی گواہی دے، ساتھ ہی نیکی کی شہادت بھی پیش کرے اور معاملہ برابر ہوجائے بلکہ نیکی پر تو وعدہ ایک پر دس دینے کا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ بیت المال کا سارا مال اہلِ حقوق میں تقسیم فرمادیتے اور بیت المال خالی ہوجاتا تو اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے اور پھر فرماتے: تجھے قیامت میں شہادت دینی ہوگی کہ میں نے تجھ کو حق کے ساتھ بھرا اور حق ہی کے ساتھ خالی کردیا۔ اس لیے زمین پر رہتے ہوئے ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہم ہوشیار اور چوکنا رہیں کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جس دن زمین ہمارے تمام اعمال اور حرکات وسکنات کی ٹھیک ٹھیک گواہی اللہ کے حضور پیش کرے گی، بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے حق میں زمین کی گواہی نجات کا ذریعہ ہے۔

آیت نمبر ۱۱۰

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠﴿۴﴾[۳۹۴]

۳۹۴؎ الاخلاص: ۱-۴

ترجمہ: آپ (ان لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ وہ یعنی اللہ (اپنے کمالِ ذات وصفات میں) ایک ہے۔ اللہ (ایسا) بے نیاز ہے کہ (وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کے سب محتاج ہیں) اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

صفتِ صمدیت حق تعالیٰ کی احدیت کی دلیل ہے

دیکھو قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں اَحد نازل ہوا، واحد نازل نہیں کیا حالاں کہ واحد بھی اللہ کا نام ہے اور واحد کے معنیٰ بھی ایک ہیں۔ اَحد اور واحد میں کیا فرق ہے؟ احد کا اطلاق صرف ایک پر ہوتا ہے اور واحد کا اطلاق متعدد پر بھی ہوجاتا ہے جیسے وَاحِدُ مِائَۃٍ ایک سو، وَاحِدُ اَلْفٍ ایک ہزار۔ واحد ایک ہے لیکن ہزار پر بھی اطلاق ہورہا ہے عرب جب کہے گا کہ ایک ہزار لاؤ تو وَاحِدُ اَلْفٍ کہے گا، ایک سو کو وَاحِدُ مِائَۃٍ کہے گا لیکن اَحَدُ اَلْفٍ، اَحَدُ مِائَۃٍ عربوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ احد کا اطلاق صرف ایک ہی ذات پر ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خاص یہ آیت نازل کی کہ احدیت میرے لیے خاص ہے۔ واحد کا استعمال تم ایک ہزار روپیہ پر بھی کرسکتے ہو جیسے الف واحد کہتے ہو لیکن احد کا لفظ سوائے اللہ کے کہیں استعمال نہیں ہوسکتا۔ اب دلیل کیا ہے۔ سنیے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دلیل ہے اَللّٰہُ الصَّمَدُ کیوں کہ اشتراک دلیلِ احتیاج ہے، مشترک حکومت قائم کرنا، لمیٹڈ فرم قائم کرنا یہ محتاجی ہوتی ہے۔ جب اکیلا آدمی نہیں چلا سکتا تب لمیٹڈ فرم قائم کرتا ہے۔ اشتراک ہمیشہ احتیاج کی دلیل ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اس لیے اشتراک نہیں کرتا ہوں، اپنا کوئی شریک نہیں رکھتا ہوں کیوں کہ میں صمد ہوں۔ صمد کے کیا معنیٰ ہیں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صمد کی تفسیر فرماتے ہیں:

اَلْمُسْتَغْنِیْ عَنْ کُلِّ اَحَدٍ وَّ الْمُحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ[۳۹۵]

جو ساری کائنات سے مستغنی ہو اور سارا عالم اس کا محتاج ہو۔ کیوں کہ میں سارے عالم سے بے نیاز ہوں اور سارا عالم میرا محتاج ہے پس یہ عدمِ احتیاج میرے احد ہونے کی دلیل ہے، میری احدیت کی دلیل میری

۳۹۵؎ روح المعانی: ۲۷۴/۳۰، الاخلاص (۲)، دار احیاء التراث، بیروت

صمدیت ہے۔ اس لیے میرے سوا کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ کیا کہیں کیسا شیخ تھا! یہ الہامی علوم ہوتے تھے میرے شیخ کے۔ کیا عجیب علم ہے کہ احدیت کی دلیل یہی صمدیت ہے۔ اللہ اس لیے واحد ہے کہ اس کو اشتراک کی احتیاج نہیں ہے۔ اس کا صمد ہونا یعنی اشتراک کا محتاج نہ ہونا دلیل ہے اس کے احد ہونے کی۔ یہی دلیل پیش کر دی کہ چوں کہ میں سارے عالم سے بے نیاز ہوں اور سارے عالم کو اپنا نیاز مند و محتاج رکھتا ہوں یہ میری صمدیت دلیل ہے میری احدیت کی۔ سبحان اللہ! کیا علوم اور کیا دلائل ہوتے تھے میرے شیخ کے کہ مزہ آجاتا تھا۔

گناہ سے بچنے کا بہترین علاج

اللہ تعالیٰ نے ہماری اصلاح کے لیے دو ایسی آیتیں نازل فرمائیں کہ اگر ان کا استحضار رہے تو آدمی کو گناہ کرنے کی ہمت نہ ہو گی۔ اس استحضار سے اللہ تعالیٰ کی ایسی عظمت و ہیبت پیدا ہو جائے گی کہ گناہ کی طاقت تو رہے گی مگر اس طاقت کو استعمال کرنے کی طاقت نہ رہے گی۔ پہلی آیت ہے:

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[۳۹۶]

جہاں کہیں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اللہ تمہارے ساتھ نہ ہو۔ اب ایک اِشکال یہ ہو سکتا تھا کہ ساتھ تو ہے لیکن ساتھ رہنے سے دیکھنا تو لازم نہیں آتا جیسے کوئی نابینا آپ کے ساتھ ہو مگر دیکھ نہیں رہا ہے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں اس وہمِ باطل کی اصلاح فرما دی:

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى[۳۹۷]

کیا انسان نہیں جانتا کہ اللہ ہر وقت اس کو دیکھ رہا ہے، جو دوسروں کو آنکھیں عطا کرتا ہے وہ بھلا خود نابینا ہو گا!

جو کرتا ہے تو چھپ کے اہلِ جہاں سے
کوئی دیکھتا ہے تجھے آسماں سے

یہ میرا شعر ہے کہ جو لوگ چھپ کے گناہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو کوئی دیکھتا نہیں وہ جان لیں کہ خدا

---

۳۹۶ الحدید: ۴

۳۹۷ العلق: ۱۴

ان کو دیکھ رہا ہے۔ چناں چہ ہمارے سید الطائفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر صوفی بلکہ ہر مؤمن کو چاہیے کہ تھوڑی دیر خواہ دو منٹ یا ایک منٹ یہ مراقبہ کرے کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہ چند منٹ کا مراقبہ چوبیس گھنٹے کام دے گا جیسے گھڑی میں چابی تو آپ آدھے منٹ میں لگا دیتے ہیں مگر وہ چلتی ہے چوبیس گھنٹہ۔ لہٰذا روزانہ چند منٹ آنکھ بند کر کے آپ اتنا سوچ لیں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو یہ خیال چوبیس گھنٹے قائم رہے گا اور جب روزانہ کی مشق سے دل میں جم جائے گا تو پھر گناہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ نافرمانی اور گناہ چھوڑنے کا یہ بہترین علاج ہے جو خود اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ہے۔

دین کی حلاوت حاصل کرنے کا طریقہ

ایک جملہ میں پورا دین پیش کرتا ہوں کہ زندگی میں ایک لمحہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کی راہ سے کبھی دل میں خوشی درآمد نہ کیجیے۔ اپنے مالک اور پالنے والے کو ناخوش کر کے غلاموں کو اپنے دل میں خوشی لانا شرافتِ بندگی کے خلاف ہے۔ ہمیں کس نے پیدا کیا؟ آنکھوں میں روشنی کس نے دی؟ رزق کون دے رہا ہے؟ کھاؤ اللہ کی اور گاؤ نفس و شیطان کی یہ کہاں کی شرافت ہے۔ اس لیے دل میں ٹھان لیجیے اور کوشش کیجیے کہ اللہ کو ناراض نہیں کریں گے ان شاء اللہ! ایسا مزہ ملے گا کہ آپ کے مزہ کے عالم کو سارا عالم نہیں سمجھ سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک بے مثل ہے وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ، کَانَ کی خبر کُفُوًا کو مقدم کر دیا اور اَحَدٌ اسم کو مؤخر کر دیا اور نکرہ تحت النفی بھی ہے، مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی مثل اور ہمسر نہیں ہے تو جب اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے تو ان کے نام کی لذت بے مثل نہیں ہوگی؟ ان کا نام مجموعۂ لذاتِ کائنات کا کیپسول ہے۔

ہر ولی کی شانِ تفرد اور اس کی وجہ

اللہ کی ذات بے مثل ہے۔ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اللہ کا کوئی مثل، کوئی ہمسر اور برابری کرنے والا نہیں ہے۔ پس جو اللہ کو پا گیا کیوں کہ وہ حامل بے مثل ذات ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایک شانِ تفرد عطا فرماتے ہیں جو دوسروں میں نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے اس خاص شان میں وہ بے مثل ہو جاتا ہے پس ہر ولی کے اندر ایک تفرد کی شان ہوتی ہے تاکہ وہ توحید کی علامت رہے۔

تمام کائنات کے حسن سے زیادہ حسین کیا چیز ہے؟

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا[۳۹۸]

کائنات کے تمام حسینوں سے زیادہ حسین اللہ تعالیٰ کی طرف، خالقِ لیلائے کائنات کی طرف بلانا ہے کیوں کہ وہ مولائے کائنات ہی تو خالقِ نمکیاتِ لیلائے کائنات ہے۔ تمام کائنات کے حسینوں کا حسن اس کی ادنیٰ سی بھیک ہے جس پر لوگ پاگل ہو رہے ہیں لیکن چند دن کے بعد جب وہ نمک جھڑ گیا اور حسین قبروں میں لیٹ گئے تو پھر پچھتاتے ہیں کہ آہ! ہم کہاں عکس پر فدا ہوئے اور ایامِ زندگی ضایع کیے۔ اس لیے سارے حسینوں سے حسین وہ الفاظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں استعمال ہوں اور اس کی دلیل آج پہلی بار ابھی ابھی عطا ہوئی جس کی طرف کبھی زندگی میں ذہن نہیں گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے قول سے زیادہ حسین کوئی چیز کائنات میں نہیں ہے جو اللہ کی طرف بلا رہا ہے۔ ساری دنیا کے حسین ایک طرف لیکن میری طرف، میری محبت کی طرف بندوں کو بلانا اور میری محبت کو سارے عالم میں نشر کرنا یہ سارے حسینوں سے احسن ہے کیوں کہ مولیٰ سے بڑھ کر کوئی احسن نہیں اور ان کی محبت کی باتیں سنانے سے بہتر کسی کا کوئی قول نہیں۔ اے حسینوں کے چکر میں رہنے والو! اگر تم کو حسن پرستی ہی کا ذوق ہے تو ہم تمہیں سارے حسینوں سے احسن چیز پیش کر رہے ہیں کہ جہاں کہیں ہماری محبت کی بات نشر کی جارہی ہو اس کو سنو یا تمہیں اللہ تعالیٰ یہ مقام عطا فرمادے اور اتنا دردِ عظیم تمہارے قلب میں پیدا ہو کہ تم دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دو تو مولائے کائنات کی خوشبو پاکر تم ساری لیلائے کائنات سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔ احسن اسمِ تفضیل ہے، حسین سے افضل ہے لہٰذا جب کبھی نفس میں حسینوں کی جستجو پیدا ہو تو احسن کام میں لگ جایا کرو۔ جب احسن سامنے ہو گا تو حسین کی طرف توجہ نہ ہو گی۔

۳۹۸۔ حٰمٓ السجدۃ: ۳۳

ولی اللہ بنانے والے چار اعمال

تعلیم فرمودہ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

چار اعمال ایسے ہیں کہ جو ان پر عمل کرے گا مرنے سے پہلے ان شاء اللہ تعالیٰ ولی اللہ بن کر دنیا سے جائے گا۔ نفس پر جبر کر کے اللہ کو خوش کرنے کے لیے جو مندرجہ ذیل اعمال کرے گا اس کو پورے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا اور وہ اللہ کا ولی ہو جائے گا:

۱) ایک مٹھی داڑھی رکھنا

بخاری شریف کی حدیث ہے:

خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ وَفِّرُوا اللُّحٰی وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا حَجَّ اَوِاعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰی لِحْیَتِہٖ فَمَا فَضَلَ اَخَذَہٗ

ترجمہ: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ اور حضرت ابنِ عمر جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ لیتے تھے پس جو مٹھی سے زائد ہوتی تھی اس کو کاٹ دیتے تھے۔

بخاری شریف کی دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنْھَکُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی

ترجمہ: مونچھوں کو خوب باریک کتراؤ اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

پس ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے۔ جس طرح وتر کی نماز واجب ہے، عید الفطر کی نماز واجب ہے، بقر عید کی نماز واجب ہے اسی طرح ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے اور چاروں اماموں کا اس پر اجماع ہے، کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

اَمَّا اَخْذُ اللِّحْیَۃِ وَھِیَ مَا دُوْنَ الْقَبْضَۃِ کَمَا یَفْعَلُہٗ
بَعْضُ الْمَغَارِبَۃِ وَمُخَنَّثَۃُ الرِّجَالِ فَلَمْ یُبِحْہُ اَحَدٌ

ترجمہ: داڑھی کا کترانا جبکہ وہ ایک مٹھی سے کم ہو جیسا کہ بعض اہلِ مغرب اور ہیجڑے لوگ کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی کا منڈانا یا ایک مٹھی سے کم پر کترانا دونوں حرام ہیں اور داڑھی داڑھ سے ہے اس لیے ٹھوڑی کے نیچے سے بھی ایک مٹھی ہونی چاہیے اور چہرے کے دائیں اور بائیں طرف سے بھی ایک مٹھی ہونی چاہیے یعنی تینوں طرف سے ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے۔ بعض لوگ سامنے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے تو ایک مٹھی رکھ لیتے ہیں لیکن چہرے کے دائیں اور بائیں طرف سے کترا دیتے ہیں خوب سمجھ لیں کہ داڑھی تینوں طرف سے ایک مٹھی رکھنا واجب ہے اگر ایک طرف سے بھی ایک مٹھی سے چاول برابر کم یعنی ذراسی بھی کم ہوگی تو ایسا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

۲) ٹخنے کھلے رکھنا

پاجامہ، شلوار، لنگی، جبہ اور اوپر سے آنے والے ہر لباس سے ٹخنوں کو ڈھانپنا مردوں کے لیے حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ

ترجمہ: ازار (پاجامہ، لنگی، شلوار، کرتہ، عمامہ، چادر وغیرہ) سے ٹخنوں کا جو حصہ چھپے گا دوزخ میں جائے گا۔

معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ٹخنے چھپانا کبیرہ گناہ ہے کیوں کہ صغیرہ گناہ پر دوزخ کی وعید نہیں آتی۔

۳) نگاہوں کی حفاظت کرنا

اس معاملے میں آج کل عام غفلت ہے۔ بدنظری کو لوگ گناہ ہی نہیں سمجھتے حالاں کہ نگاہوں کی

حفاظت کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں دیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

ترجمہ: اے نبی! آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی بعض نگاہوں کی حفاظت کریں۔

یعنی نامحرم لڑکیوں اور عورتوں کو نہ دیکھیں۔ اسی طرح بے داڑھی مونچھ والے لڑکوں کو نہ دیکھیں یا اگر داڑھی مونچھ آبھی گئی ہے لیکن ان کی طرف میلان ہوتا ہے تو ان کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے۔ غرض اس کا معیار یہ ہے کہ جن شکلوں کی طرف دیکھنے سے نفس کو حرام مزہ آئے ایسی شکلوں کی طرف دیکھنا حرام ہے ۔حفاظتِ نظر اتنی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں عورتوں کو الگ حکم دیا یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں، جبکہ نماز روزہ اور دوسرے احکام میں عورتوں کو الگ سے حکم نہیں دیا گیا بلکہ مردوں کو حکم دیا گیا اور عورتیں تابع ہونے کی حیثیت سے ان احکام میں شامل ہیں۔

اور بخاری شریف کی حدیث ہے:

زِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ

ترجمہ: آنکھوں کا زنا ہے نظر بازی۔

نظر باز اور زناکار اللہ کی ولایت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ اس فعل سے سچی توبہ نہ کرے۔ اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے:

لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے بد نظری کرنے والے پر اور جو خود کو بد نظری کے لیے پیش کرے۔

پس ناظر اور منظور دونوں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی بد دُعا فرمائی ہے۔ بزرگوں کی بد دعا سے ڈرنے والے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے ڈریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے صدقے ہی میں بزرگی ملتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی حسین پر نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹالو ایک لمحہ کو اس پر نہ رُکنے دو۔ پس قرآنِ پاک کی مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں بد نظری کرنے والے کو تین بُرے القاب ملتے ہیں:

۱)...اللہ ورسول کا نافرمان ۲)...آنکھوں کا زناکار ۳)...ملعون

۴) قلب کی حفاظت کرنا

نظر کی حفاظت کے ساتھ دل کی بھی حفاظت ضروری ہے۔ بعض لوگ نگاہِ چشمی کی تو حفاظت کر لیتے ہیں لیکن نگاہِ قلبی کی حفاظت نہیں کرتے یعنی آنکھوں کی تو حفاظت کر لیتے ہیں لیکن دل کی نگاہ کی حفاظت نہیں کرتے اور دل میں حسین شکلوں کا خیال لا کر حرام مزہ لیتے ہیں خوب سمجھ لیں کہ یہ بھی حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کی چوری کو اور تمہارے دلوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

ماضی کے گناہوں کے خیالات کا آنا بُرا نہیں لانا بُرا ہے۔ اگر گندا خیال آجائے تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن خیال آنے کے بعد اس میں مشغول ہو جانا یا پرانے گناہوں کو یاد کر کے اس سے مزہ لینا یا آیندہ گناہوں کی اسکیمیں بنانا یا حسینوں کا خیال دل میں لانا یہ سب حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں اور ان حرام کاموں سے بچائیں جس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ تمام گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا اعمال پر توفیق کے لیے چار تسبیحات

مذکورہ بالا چار حرام کاموں سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل چار وظائف ہیں جن کے پڑھنے سے روح میں طاقت آئے گی اور جب روح طاقت ور ہو جائے گی تو گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ ایک تسبیح (۱۰۰ بار) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیں۔ ایک تسبیح (۱۰۰ بار) اَللّٰه اَللّٰه پڑھیں۔ ایک تسبیح (۱۰۰ بار) استغفار کی پڑھیں۔ ایک تسبیح دُرود شریف کی (۱۰۰ بار)۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے زمانے کے صفِ اوّل کے اولیاء اللہ میں ہوتا تھا۔ حضرت اقدس نے اپنے اکابر کے طریق پر رہتے ہوئے تصوف کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے تابع رکھا۔ آپ کے تمام ارشادات قرآن وحدیث کے روشن دلائل سے منوّر رہیں۔ دنیا بھر کے علماء کرام کو آپ نے اپنے طرزِ بیان سے متحیر ومبہوت کر رکھا تھا۔ اسی لیے بڑے بڑے علماء کرام کی عرصے سے یہ خواہش تھی کہ آپ نے اپنے بیانات وملفوظات میں جہاں جہاں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے علوم ومعارف بیان فرمائے ہیں اگر انہیں ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو یہ امت کے لیے ایسا نادر و نایاب اور نفع بخش کام ہوگا جس کا نفع ہر خاص وعام کو حاصل ہوگا کیوں کہ یہ الہامی مضامین کتابوں میں نہیں ملتے۔

زیرِ نظر کتاب ''خزائن القرآن'' عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان ہی الہامی مضامین پر مشتمل ہے جو آپ نے قرآن پاک کے علوم کی شرح کرتے ہوئے امت کی اصلاح، تزکیہ اور اخلاقِ حسنہ کے لیے زندگی بھر بیان فرمائے۔ حضرت اقدس کے ان بیانات، ملفوظات اور مواعظ حسنہ نے دنیا بھر کے قلوبِ انسانی میں محبتِ الٰہیہ کی وہ آگ لگائی جو نہ صرف بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کو راہِ ہدایت پر لے آئی بلکہ انہیں دوسروں کے لیے بھی مشعلِ راہِ ہدایت بنا دیا۔